سیرۃ النعمان رحمہ اللہ

یعنے

امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمتہ کی سوانح عمری حصۂ اوّل و دوم

اس کتاب کے پہلے حصّے میں امام ابوحنیفہؒ کا نام و نسب ولادت و سن رشد تعلیم و تربیت شیوخ حدیث۔ درس و افتا بقیہ زندگی اور دربار کے تعلقات۔ وفات۔ عام اخلاق و عادات۔ مناظرات و فتاوے۔ ذہانت طباعی اس قسم کے حالات نہایت تفصیل سے مذکور ہیں دوسرے حصّے میں اصول و مسائل سے جو علم کلام اور فن حدیث سے متعلق ہیں تفصیلی بحث ہی اور واقعات و اسانید کے ساتھ ثابت کیا گیا ہو کہ فن حدیث میں انکا کیا پایہ تھا۔ فن فقہ پر تفصیلی ریویو ہی جسمیں تدوین فقہ کے تاریخی حالات کے ساتھ وہ خصوصیتیں تفصیلاً بیان کیگئی ہیں جنکی وجہ سے فقہ حنفی کو اور ائمہ کی فقہوں پر ترجیح حاصل ہی۔ خاتمہ میں امام صاحب کے نامور اور ممتاز شاگردوں کے مختصر حالات ہیں

مؤلفہ جناب شمس العلما مولانا شبلی نعمانی پروفیسر مدرسۃ العلوم علیگڈھ [illegible] الٰہ آباد

حسب اجازت مؤلف صاحب

منشی قربان علی کے شاہجہانی پریس دہلی میں چھپی

رجسٹری شدہ تعداد (۵۰۰۰) قیمت فی جلد عہ

کتب متفرقات موجودہ شاہجہانی پریس دہلی

مجموعہ نظم شبلی

اس کتاب میں مولانا کی وہ تمام نظمیں موجود ہیں جو انہوں نے مختلف جلسوں میں پڑھی ہیں۔ اکثر نظموں میں سیاسی چاشنی بھی ہے آخر میں مولانا مرحوم کے مختصر حالات مولوی سید احمد صاحب دہلوی مولف فرہنگ آصفیہ اور مولوی عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی کے قلم سے نکلے ہوئے۔ قیمت ۸ علاوہ محصولڈاک

سفرنامہ روم و مصر و شام

جنمیں علاوہ چند دلچسپ واقعات کے جو سلسلہ بیان میں آگئے ہیں قسطنطنیہ بیروت، قاہرہ بیت المقدس وغیرہ کے قابل دید مقامات، ارباب کمال کی ملاقات ترکوں اور عربوں کے اخلاق و عادات کو با تفصیل لکھا ہے مولفہ مولانا شبلی قیمت عہ علاوہ محصول ڈاک

الغزالی

یعنی حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ کی نہایت مفصل سوانحعمری قیمت عہ معہ محصولڈاک

ترکان احرار

جناب مولوی عبدالمجید صاحب عتیقی نے ترکان احرار کے نام سے حال میں ایک نئی کتاب تالیف فرمائی ہے اسمیں نامور غازیان و ترکان احرار کے کارنامجات و سوانح حیات درج کئے گئے ہیں۔ غازی محمود شوکت پاشا۔ انور پاشا۔ غازی مصطفے کمال پاشا طلعت پاشا، غازی احمد مختار پاشا محمود مختار پاشا غازی شکری پاشا ور

شجاعان ترک کی شجاعت و شہامت کے حیرت انگیز کارنامے اس کتاب میں جمع ہیں۔ قوم پسند ترکی خواتین کے حالات کل موجود ہیں آخری صفحات میں مصر کے مشہور لیڈر سعد زغلول پاشا و عزیزیہ مصری کے حالات کا بھی اضافہ کردیا گیا ہے کتاب ہمہ وجوہ قابل دید و لائق خرید ہے حجم علاوہ سرورق ۲۰۵ صفحہ قیمت مجلد عہ محصول بذمہ خریدار

سمرنا کا چاند

مصنفہ مصور غم علامہ راشد الخیری دہلوی

اس کتاب میں مولانا موصوف نے سمرنا کے ایک اسلامی خاندان کا اپنی زبان میں نہایت دلچسپ قصہ تحریر فرمایا ہے۔ ادلیس اور مغیرہ میاں بیوی ہیں۔ ادلیس کے خیالات ابتدا سے مذہبی ہیں اور مغیرہ چونکہ عیسائی سوسائیٹیوں اور مشنری عورتوں کے جلسوں میں زیادہ شریک رہی اسلئے اس کا میلان مغربی تمدن کیطرف ہے۔

ادلیس نے اپنی بیوی کے خیالات کو نہایت سنجیدگی سے بدلا یعنی قمر اور شمس اپنی دونوں لڑکیوں کی ترتیب میں اپنی بیوی کو شریک کرکے بظاہر تو لڑکیوں کو تعلیم دی اور بباطن میں اپنی بیوی مغیرہ کے مغربی خیالات کو نہایت سنجیدگی سے بدلا ہے اول تو قصہ دلچسپ ہے اسپر مولانا راشد الخیری کی زبان نے اسکو اور چار چاند لگادیئے ہیں ضخامت ۱۲۸ صفحے قیمت عہ علاوہ محصولڈاک

ملنے کا پتہ ملا منشی قربان علی۔ شاہجہانی پریس کٹرہ گوکل شاہ دہلی

فہرست مضامین کتاب سیرۃ النعمان

ہو المستعان

سیرۃ النعمان

یعنی

امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کی سوانح عمری

کا

حصّہ اوّل

مولفہ

مولانا محمد شبلی نعمانی

شاہجہانی پریس دہلی میں طبع ہوا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد و ستایش که بعنوان خوشست
شیفتگانیم و پیمبر پرست
تا بجودی پایہ نگهدار باش
هرچه ز بیش است و ز کم بار وان
در رہ الفت که بود پیچ پیچ
من که درین دائره از دیر باز
باز برانم که درین راه رسے
خوش تمام طرح دگر ریختن
بزم دگر هست و تماشا دگر
زمزمہ تازه بساز افگنم
باده فرستم بحریفان دگر
زخمه که بر تار سخن میزنم
قاعده سحر طرازیست این
پا چو درین معرکه افشرده ام
حرمت این کار نگهداشتن
کار من است این چه هر خام نیست
دست اگر سوئے قدح برده ام
کان معانی همه کا ویده ام
غارت گنجانه چین کرده ام

ق

لغت ہا نگو نه ہمانسان خوشست
سجده اگر نیست زمین بوس هست
دم ز شریعت زن و ہشیار باش
سجده و تعظیم ز ہم باز دان
با چه نهی بر تو نگیریم هیچ
پائے ز خلوت نه نهادم فراز
دل برم از خلق بافسون گرے
شعبده تازه برانگیختن
باده دگر آرم و مینا دگر
غلغله در حلقه راز افگنم
از رگی دوشین قدرے تند تر
هان بنگر تا بچه فن میزنم
نیک نگه کن که چه بازیست این
پایه فن تا بکجا برده ام
نامه به لعل و گهر اپناشتن
این بود آں مے که به هر جام نیست
جائے عنب لخت دل افشرده ام
کین گهرے چند فرا چیده ام
تا صنمے چند گزین کرده ام

خاک در میکدہ ہا بیختم ❊ کین می صافی بقدح ریختم

وایہ اگر از دگران خواستم ❊ چارہ نہ زد بود از آں خواستم

فن سیر گرچہ بود دلپذیر ❊ نیست درو خود زروایت گریز

گرچہ متاع از دگر آوردہ ام ❊ قطرہ ربودم گہر آوردہ ام

گرچہ مرا شیوہ فن این نبود ❊ حرف بہ اردو زدن آئین نبود

پیشتر از گرم طلب بودہ ام ❊ بادیہ پیماۓ عرب بودہ ام

بزم چوں آن فرہ و آن ساز داشت ❊ ساغر من بادہ شیراز داشت

لیک چوں آں مطرب و ساقی نماند ❊ بوۓ از آں میکدہ باقی نماند

بزم بطرز دگر آراستم ❊ خوشتر از آں نیز کہ میخواستم

گرچہ سر و برگ سخن دیگر است ❊ شمع ہمانست لگن دیگر است

بادگوارا بہ عزیزاں تمام ❊ بادہ گلگوں بہ سفالینہ جام

نامورانِ اسلام جس کا ایک حصہ المامون چھپکر شائع ہو چکا ہے۔ اول جب مجھکو اس کا خیال پیدا ہوا تو نہایت وسیع بنیاد پر ہوا جس طرح میں نے خلافت و سلطنت کے مختلف خاندانوں سے ہیرو انتخاب کئے ارادہ تھا کہ اسی طرح علوم و فنون کے جدا جدا خاندان قائم کئے جائیں اور جو لوگ ان خاص خاص فنون میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے انکو اس سلسلہ کا ہیرو قرار دیا جائے۔ مگر اتنا بڑا کام تنہا میرے بس کا نہ تھا مجبوراً حیثیت حکومت کی قید لگا دی میں نے اس وسیع خیال کو بہت کچھ محدود کر دیا۔ بلکہ سلسلہ حکومت سے بھی بہت سے خاندان چھوڑ دیئے تاہم وہ خیال دل سے نہ گیا کہ فرصت ہو تو اہل کمال کا دربار بھی سجایا جائے کہ السیف والقلم توامان۔

المامون کے بعد میں نے الفاروق لکھنی شروع کی تھی اور ایک معتدبہ حصہ لکھ بھی لیا تھا لیکن بعض مجبوریوں سے چند روز کیلئے اسکی تالیف سے ہاتھ اٹھانا پڑا۔ اسپر کوتاہ بینوں نے عجیب عجیب بدگمانیاں کیں حالانکہ بات اتنی تھی کہ بعض نادر کتابیں جو اس تصنیف کے لیے نہایت ضروری ہیں اور یورپ میں چھپ رہی ہیں ابھی تک پوری چھپکر نہیں آچکیں اس زمانہ انتظار میں بیکار بیٹھنا تو مشکل تھا خیال ہوا کہ کسی اور نامور کی لائف شروع کروں لیکن یہ دیکھکر کہ الفاروق ناتمام ہے طبیعت رک جاتی تھی اور اس میدان میں ایک قدم آگے نہ بڑھ سکتا تھا ادھر یہ خلش چین نہ لینے دیتی تھی کہ علمی نامآوروں کے کارنامے دکھلانے بھی ضرور ہیں کیونکہ اسلام میں تیغ و قلم کا ہمیشہ ساتھ رہا ہے۔

آخر یہ خیال غالب آیا اور چند روز کے لئے خاندان حکومت کو چھوڑ کر علمی سلسلہ کی طرف توجہ کرنی پڑی فقہ۔ حدیث۔ ادب۔ منطق۔ فلسفہ۔ ریاضی۔ مختلف خاندان سامنے تھے بعض وجوہ سے فقہ کو ترجیح دی اور امام ابو حنیفہؒ جو فقہ کے بانی ہیں اس کا ہیرو قرار دیا۔ امام ابو حنیفہ کے اجتہادی مسائل قریبًا بارہ سو برس سے تمام ممالک اسلامی میں پھیلے ہوئے ہیں۔ بڑی بڑی عظیم الشان اسلامی سلطنتوں میں ان ہی کے مسائل قانون سلطنت تھے اور آج بھی ہیں اسلامی دنیا کا غالب حصہ ان ہی کے مسائل کا پیرو ہے عربی۔ فارسی۔ ترکی۔ بلکہ۔ یورپ کی زبانوں میں انکی متعدد سوانح عمریاں لکھی گئیں۔ ظلم تھا اگر انکی (لائف) خود اردو میں نہ لکھی جاتی جو بلحاظ ان ہی کے پیرووں کی زبان ہے۔

امام ابو حنیفہ کو اسلام میں جو رتبہ حاصل ہے اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جس کثرت سے انکی سوانح عمریاں لکھی گئیں کسی کی نہیں لکھی گئیں۔ مسلمانوں میں علم رجال کو جو ترقی ہوئی دنیا میں اسکی کوئی نظیر موجود نہیں۔ تراجم۔ طبقات۔ قرون۔ وفیات۔ اعیان۔ سیر۔ وغیرہ کے نام سے جدا جدا عنوان قائم ہوئے اور ایک ایک عنوان کے ذیل میں اس کثرت سے کتابیں لکھی گئیں کہ ان کا شمار بھی مشکل ہے۔ لیکن خاص سیرت (لائف) کے فن کو چنداں ترقی نہیں ہوئی۔ علماء۔ شعراء۔ قضاۃ۔ حکماء میں سے بہت کم ایسے خوش قسمت ہیں جنکے حالات مستقل تصنیفوں میں لکھے گئے جہاں تک ہمکو معلوم ہے صرف امام ابو حنیفہ ایک شخص ہیں جنکے واقعات زندگی کے ساتھ معمول سے زیادہ اعتنا کیا گیا۔ نہایت کثرت کے ساتھ انکی سوانح عمریاں لکھی گئیں اور ان ناموروں نے لکھیں جو خود اس قابل تھے کہ انکی مستقل سوانح عمریاں لکھی جائیں۔ اس خصوصیت میں اگر کوئی شخص امام ابو حنیفہ کا ہمسر ہے تو صرف امام شافعی ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے حالات میں جسقدر کتابیں لکھی گئیں ان میں سے جسقدر ہم تحقیق کر سکے حسب ذیل ہیں۔

نام کتاب[1]	نام مصنف	کیفیت
عقود المرجان	امام احمد بن محمد طحاوی المتوفی ۳۲۱ھ	امام طحاوی حدیث و فقہ کے مشہور امام اور صرف ایک واسطہ سے امام شافعی کے شاگرد ہیں انکی تصنیفات میں سے معانی الآثار چھپ گئی ہے
قلائد عقود الدرر والعقیان	امام احمد بن محمد طحاوی	یہ عقود المرجان کا خلاصہ ہے۔
الروضۃ العالیۃ المنیفۃ	امام محمد بن احمد بن شعیب المتوفی ۳۵۷ھ	امام محمد بن احمد حدیث میں حاکم کے استاد ہیں یہ کتاب بیس جلدوں میں ہے (الجواہر المضیئۃ ترجمہ محمد بن احمد)

[1] یہ فہرست زیادہ تر کشف الظنون سے ماخوذ ہے بعض کتابوں کے نام یا مصنفین اور سب کے زائد حالات اور کتابوں سے لئے گئے ہیں اور وہاں خاص تصریح کر دی گئی ہے۔

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
مناقب النعمان	شیخ ابوعبداللہ الصیمری حسین بن علی	قاضی صیمری بڑے فقیہ اور فن حدیث میں دارقطنی کے شاگرد تھے مورخ خطیب نے انسے روایت کی ہے قاضی ابوالولید باجی نے انکو امام الحنفیۃ کہا ہے۔ سنہ ۴۳۶ھ میں وفات پائی یہ تصنیف ایک ضخیم کتاب ہے اور امام ابوحنیفہ کے متعلق تصنیفات کا زیادہ تر ماخذ یہی کتاب ہے (الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیۃ)
مناقب النعمان	ابوالعباس احمد بن الصلت الحمانی المتوفی سنہ ۳۰۸ھ	نہایت مفصل کتاب ہے صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ خطیب بغدادی نے ابوالعباس کی تضعیف کی ہے جیسا کہ حنفیوں کی نسبت انکی عام عادت ہے۔
شقائق النعمان فی مناقب النعمان	علامہ جاراللہ زمخشری المتوفی سنہ ۵۳۸ھ	زمخشری ایک نامور مصنف ہیں تفسیر کشاف ان کی مشہور کتاب ہے۔
مناقب النعمان	موفق الدین بن احمد المکی الخوارزمی المتوفی سنہ ۵۶۸ھ	یہ کتاب چالیس بابوں میں ہے موفق الدین علامہ زمخشری کے شاگرد فقہ و ادب میں کامل تھے حافظ سیوطی نے بغیۃ الوعاۃ میں انکا ذکر کیا ہے۔
کشف الآثار	امام عبداللہ بن محمد الحارثی	مشہور مصنف ہیں ابن جوزی نے ابوسعید سے روایت کی ہے کہ حدیث میں انکا اعتبار نہیں اس پر صاحب جواہر المضیہ فرماتے ہیں کہ امام عبداللہ کا رتبہ ابن جوزی و ابوسعید دونوں سے بڑھکر ہے۔
مناقب النعمان	امام ظہیر الدین المرغینانی المتوفی سنہ ۵۰۶ھ	مشہور فقیہ ہیں جواہر المضیہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ قاضی خاں انہیں کے شاگرد تھے۔
مناقب النعمان	امام محمد بن محمد الکردری المتوفی سنہ ۸۲۷ھ	گیارہ بابوں میں ہے اس میں امام کے حالات کے ساتھ انکے مشہور تلامذہ یعنی قاضی ابویوسف امام محمد عبداللہ بن المبارک امام زفر داؤد الطائی. وکیع بن الجراح حفص بن غیاث یحیی بن زکریا حسن بن زیاد کے حالات بھی جدا جدا

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
		بابوں میں لکھے ہیں یہ کتاب روم میں بہت متداول ہے سلطان مراد ثانی کے حکم سے محمد بن عمر نے ترکی زبان میں اس کا ترجمہ کیا۔
مناقب النعمان	ابوالقاسم بن کاس	عقود الجمان میں اس کتاب کے اکثر حوالے ہیں۔ امام ابوحنیفہ
کتاب الانتہار فی مناقب الثلاثۃ الفقہا	قاضی بن عبدالبر المتوفی ۴۶۳ھ	وامام مالک وامام شافعی کے حالات ہیں۔ علامہ ابن خلکان نے قاضی ابو یوسف کے ترجمہ میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے قاضی بن عبدالبر بہت بڑے محدث اور امام ہیں انکی کتاب الاستیعاب صحابہ کے حالات میں ایک مشہور اور مستند کتاب ہے
مناقب النعمان	ابو قاسم عبداللہ بن محمد احمد المعروف بابن ابی العوام	
مناقب ابی حنیفہ	علامہ ذہبی	علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہ کے مناقب ایک جداگانہ رسالہ میں لکھے ہیں۔ علامہ ذہبی بہت بڑے محدث تھے اس فن میں انکے بعد کوئی اس رتبہ کا نہیں ہوا میزان الاعتدال وکاشف وغیرہ و دول الاسلام و تذکرۃ الحفاظ انکی مشہور کتابیں ہیں۔
المواہب الشریفۃ		اسکا ترجمہ ہوگیا ہے جسکا نام تحفۃ السلطان فی مناقب النعمان ہے۔
بستان فی مناقب النعمان۔	شیخ محی الدین عبدالقادر القرشی المتوفی ۷۷۵ھ	الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیہ انہیں کی تالیف ہے حدیث میں حافظ تقی الدین سبکی کے شاگرد ہیں۔
تبییض الصحیفہ فی مناقب ابی حنیفہ	حافظ جلال الدین سیوطی	مشہور مصنف ہیں۔
عقود الجمان فی مناقب النعمان	محمد بن یوسف بن علی الدمشقی	زیادہ تفصیل آگے آئے گی۔
الخیرات الحسان فی مناقب النعمان	حافظ ابن حجر مکی مصنف صواعق محرقہ	مشہور مصنف ہیں۔
قلائد عقود العقیان		مولف کا نام معلوم نہیں دیباچہ سے معلوم ہوا کہ یمن کا کوئی عالم ہے۔

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
مناقب النعمان	شمس الدین احمد بن محمد السنواسی	ترکی میں ہے اور نظم ہے۔
مناقب الامام الاعظم	شیخ ابوسعید	فارسی زبان میں ہے۔
رسالہ فی فضل ابی حنیفہ	عتیق بن داؤد الیمانی	
نظم الجمان	شیخ صارم الدین ابراہیم بن محمد بن وقماق المتوفی ۹۰۰ھ	تین جلدوں میں ہے۔ امام ابوحنیفہ قاضی ابویوسف و امام محمد ہر ایک کے حال میں الگ الگ جلد ہے۔
مناقب الامام اعظم	مولانا محمد کامی آفندی قاضی بغداد المتوفی ۱۱۳۶ھ	ترکی میں ہے۔
مناقب الامام اعظم	مستقیم زادہ سلیمان سعدالدین آفندی	ضخیم کتاب ہے ۱۱۶۸ھ میں تالیف ہوئی ترکی زبان میں ہے۔

افسوس ہے کہ یہ کتابیں ہمارے ملک میں ناپید ہیں۔ میرے پاس عقود الجمان و الخیرات الحسان موجود ہیں۔ اور قلائد العقیان کا ایک عتیق نسخہ نظر سے گزرا ہے۔ الخیرات الحسان اگرچہ اس وجہ سے کہ ابن حجر مکی کی طرف منسوب ہے زیادہ مشہور ہے لیکن وہ خود کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے بلکہ تمام تر عقود الجمان کا خلاصہ ہے اور خود مصنف نے دیباچہ کتاب میں اس کا اعتراف کیا ہے قلائد العقیان کے دیباچہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ زیادہ تر قاضی صیمری کی تصنیف سے ماخوذ ہے عقود الجمان جو نہایت جامع اور مفصل کتاب ہے اور میری تالیف کا عام ماخذ وہی ہے حافظ ابوالمحاسن محمد بن یوسف بن علی الدمشقی الصالحی نزیل برقوقیہ کی تصنیف ہے۔ حافظ ابوالمحاسن جلال الدین سیوطی کے شاگرد اور فن حدیث میں ممتاز ہیں یہ کتاب جیسا کہ خود مصنف نے خاتمہ میں تصریح کی ہے ربیع الثانی ۹۳۹ھ میں تمام ہوئی۔ دیباچہ میں لکھا ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہ کے حالات میں بہت سی کتابیں دیکھی ہیں جن میں سے موفق بن احمد خوارزمی کی تصنیف سب سے عمدہ تر اور جامع ہے کتاب کے خاتمہ میں لکھا ہے کہ میں نے اس بحث میں لکھا ہے کہ میں نے اس بحث میں جس قدر کتابیں دیکھیں اگر انسے لکھنا چاہتا تو یہ کتاب دو ضخیم جلدوں میں تیار ہوتی۔

امام ابوحنیفہ کے حالات میں تصنیف تو مجھکو ایک ہی مل سکی۔ لیکن رجال و تاریخ کی مستند کتابیں نہین

امام کا ذکر ہے اکثر میری نظر سے گذریں جن میں تاریخ صغیر بخاری۔ معارف ابن قتیبہ۔ مختصر تاریخ خطیب بغدادی انساب سمعانی۔ تہذیب الاسماء واللغات للنووی۔ تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی۔ دول الاسلام للذہبی عبر فی اخبار من غبر للذہبی۔ تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر عسقلانی خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال للعلامہ صفی الدین الخزرجی خاص کر قابل ذکر ہیں کیونکہ یہ وہ کتابیں ہیں جن پر آج فن رجال کا مدار ہے۔ اور حدیثوں کی تنقید کے لئے زیادہ تر انہیں تصنیفات کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

میری کتاب کا پہلا حصہ جس میں امام ابو حنیفہ کے عام حالات ہیں انہیں تصنیفات سے ماخوذ ہے لیکن دوسرا حصہ جس میں امام صاحب کی طرز اجتہاد و اصول استنباط سے بحث ہے اسکے لئے یہ تمام دفتر بیکار تھا کیونکہ قدیم زمانہ میں سوانح عمریوں کا ڈھنگ ہی نہ تھا کہ حالات زندگی کے ساتھ اس شخص کی تصنیفات یا مسائل سے بھی بحث کرتے۔ مناظرہ اور مذہبی حمایت کے پیرایہ میں البتہ ایسی کتابیں لکھی گئی ہیں کہ ان سے مسائل اور تصنیفات پر تفصیلی ریویو لکھا جا سکتا ہے۔ مثلاً ابن ابی شیبہ نے امام ابو حنیفہ کے مسائل پر جو اعتراضات کئے اور ثابت کیا کہ وہ حدیث کے مخالف ہیں۔ قاسم بن قطلوبغا المتوفی ۸۷۹ھ نے اسکا مفصل جواب لکھا۔ شمس الائمہ کردری نے منخول کے جواب میں ایک مستقل کتاب لکھی۔ اسی طرح ترجیح مذہب ابی حنیفہ کے نام سے شیخ اکمل الدین محمد بن البابرتی المتوفی ۷۸۶ھ اور شیخ ابو عبد اللہ بن یحییٰ الجرجانی المتوفی ۳۹۸ھ نے مستقل کتابیں لکھیں۔ مورخ سبط ابن جوزی نے ایک ضخیم کتاب دو جلدوں میں لکھی جسکا نام الانتصار الامام ائمۃ الامصار ہے۔ اسی مورخ کی ایک اور تصنیف ہے جو تین بابوں میں ہے اس میں تفصیلاً امام ابو حنیفہ کے مسائل کی عمدگی ثابت کی ہے صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ یہ کتاب اپنے باب میں بے نظیر ہے۔ اسی مضمون پر عمر بن محمد سعید الموصلی کی ایک تصنیف ہے جسکا نام الانتصار والترجیح ہے سب سے مفصل کتاب۔ الابانۃ ہے جو قاضی ابو جعفر احمد بن عبد اللہ بن القاسم کی تصنیف ہے اور چھ بابوں پر منقسم ہے پہلے باب میں ثابت کیا ہے کہ امام کا مذہب اصول سلطنت سے بہت مناسبت رکھتا ہے۔ دوسرا باب اس بحث میں ہے کہ ان کے مسائل حدیث و آثار سے ثابت ہیں۔ چھٹے باب میں ان مسائل کا ذکر ہے جن پر مخالفوں نے اعتراض کئے ہیں۔ نہایت تفصیل کیساتھ انکے جواب دیئے ہیں۔ جواہر مضیہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ میں نے یہ کتاب دیکھی ہے نہایت عمدہ کتاب ہے اور جو دعویٰ کیا ہے اس کے ثبوت میں بہت سی مثالیں دی ہیں۔

بیشبہ اس قسم کی تصنیفات سے بہت بڑی مدد مل سکتی تھی لیکن میں مصنف کشف الظنون کی سی قسمت

کہاں سے لاؤں کہ ان نایاب تصنیفات پر دسترس پا سکتا۔ بڑی تلاش سے شمس الائمہ کردری کا رسالہ بہم پہنچا کہ اس نادری میں وہ بھی غنیمت ہے۔ بعض باتیں اس رسالہ سے لیں باقی میرا تتبع اور تحقیق ہے جسکے لئے خوش قسمتی سے حدیث و فقہ کا بڑا ذخیرہ میرے پاس مہیا تھا۔

یہ بات بھی لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ امام ابو حنیفہ کی زندگی کی مختلف حیثیتیں ہیں ولادت نشو و نما طریقہ معاش طرز معاشرت وغیرہ اس قسم کے حالات کو تاریخی پیرایہ کہتے ہیں۔ روایت میں انکا ثقہ ہونا نہ ہونا محدثانہ بحث ہے انکے مسائل و طریقہ اجتہاد پر رائے قائم کرنی مجتہد کا کام ہے اس لئے جو کتاب ان تمام حیثیتوں پر شامل ہوگی ضرور ہے کہ مختلف بحثوں میں خود اس کی حیثیتیں بھی بدلتی جائیں اسکا طرز تحریر کہیں مورخانہ ہوگا کہیں محدثانہ اور کہیں دونوں پہلوؤں سے الگ مجتہدانہ روش ہوگی۔ اس کتاب میں میں نے ان مختلف حیثیتوں کا لحاظ رکھا ہے جو حالات تاریخ سے متعلق ہیں انمیں وہ شہادتیں کافی سمجھی ہیں جو عام مورخوں کے نزدیک مسلم ہیں۔ جو واقعہ محدثانہ پہلو رکھتا ہے اسمیں زیادہ تر تدقیق کی ہے اور تمام تر ان اصول سے کام لیا ہے جو محدثین نے اخبار و روایت کیلئے قرار دئے ہیں عام ناظرین کو شاید ان بحثوں میں مزہ نہ آئے مگر ایسے ضروری حصہ کو میں کیونکر چھوڑ سکتا تھا عام تاریخی واقعات میں گو رواۃ حدیث کی طرح بال کی کھال نکالی ہے تاہم کوئی ایسا واقعہ نہیں لکھا جسکی سند موجود نہ ہو ساتھ ہی اسکا التزام کیا ہے کہ ایسی کتاب کا حوالہ نہ دیا جائے جو خود میری نظر سے نہ گذری ہو کیونکہ نقل در نقل ہو کر اکثر روایتیں اپنی حالت پر قایم نہیں رہتیں ان احتیاطوں کے ساتھ بھی ممکن بلکہ ضروری ہے کہ مجھ سے مسامحات اور غلطیاں ہوئی ہوں لیکن میں اس سے زیادہ اور کیا کر سکتا تھا و قال اللہ تعالیٰ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا۔

امام ابو حنیفہ کا نام و نسب و ولادت

نعمان۔ نام۔ ابو حنیفہ کنیت۔ امام اعظم۔ لقب شجرہ نسب یہ ہے نعمان بن ثابت بن زوطی ابن ماہ یہ امر جیسا کہ خود ناموں کی ترکیب سے ظاہر ہے عموماً مسلم ہے کہ امام صاحب عجمی النسل تھے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ کس نسل سے تھے اور عرب ہیں کیونکر آئے خطیب مورخ بغدادی نے امام کے پوتے اسمٰعیل کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے۔ کہ میں بن حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان ہوں ہم لوگ نسل فارس سے ہیں اور کبھی کسی کی غلامی میں نہیں آئے ہمارے دادا ابو حنیفہ سنہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ثابت بچپن میں حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے انھوں نے انکے اور انکے خاندان کے حق میں دعائے خیر کی تھی ہمکو امید ہے کہ وہ دعا بے اثر نہیں رہی[1]۔ اسمٰعیل نے امام صاحب کے دادا کا نام نعمان بتایا اور پردادا کا نام مرزبان حالانکہ عام طور پر زوطی اور ماہ مشہور ہے غالباً جب زوطی ایمان لائے تو انکا نام نعمان سے بدل دیا گیا۔ اسمٰعیل نے سلسلہ نسب کے بیان میں زوطی کا وہی اسلامی

[1] مختصر تاریخ بغداد لابن جزلہ۔ ترجمہ امام ابو حنیفہ ۱۲۔

نام لیا اور حمیت اسلام کا مقتضا بھی یہی تھا زوطی کے باپ کا نام غالباً کچھ اور ہوگا اور ماہ و مرزبان لقب ہونگے کیونکہ اسمٰعیل کی
روایت سے اسقدر اور بھی ثابت ہے کہ انکا خاندان فارس کا ایک معزز اور مشہور خاندان تھا فارس میں رئیس شہر کو
مرزبان کہتے ہیں اسی لئے نہایت قرین قیاس ہو کہ ماہ اور مرزبان لقب ہیں امام حافظ ابوالمحاسن نے قیاس لگا
ہے کہ ماہ اور مرزبان ہم معنی الفاظ ہونگے انھوں نے قیاساً کہا کیونکہ وہ فارسی زبان نہیں جانتے تھے لیکن میں یقیناً کہتا ہوں
کہ درحقیقت ماہ اور مرزبان کے ایک معنی ہیں ماہ در اصل وہی مہ ہو جسکے معنے بزرگ اور سردار کے ہیں مشہور مصرع ہو
؎ نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را۔ عربی لہجہ نے مہ کو ماہ کر دیا ہے۔

بعض مورخوں نے زوطی کی نسبت لکھا ہے کہ کابل سے گرفتار ہو کر آئے اور قبیلہ بنی تیم اللہ کی ایک عورت نے خریدا
کچھ دنوں غلامی میں رہے پھر اس نے آزاد کر دیا اسی لئے امام کا خاندان مولی بنی تیم اللہ کہلاتا ہے مخالفوں نے جنکو امام
کی تنقیص میں مزا آتا ہے اس روایت کو زیادہ چمکایا ہے حالانکہ اس قسم کی غلامی ثابت بھی ہو تو کسر شان کی کیا
بات ہے زمانہ نے خاندان کسریٰ پر اس لقب کا داغ لگایا ہے ہمارے علما حضرت ہاجرہ کو کنیز تسلیم کرتے ہیں اگرچہ
توریت سے ثابت نہیں اسلام کے قریب تر زمانہ میں اکثر وہ لوگ حدیث و روایت کے امام نظر آتے ہیں جنپر اس
قسم کی غلامی کا اطلاق ہو چکا تھا امام حسن بصری۔ ابن سیرین۔ طاؤس۔ عطاء بن یسار۔ نافع۔ عکرمہ۔ مکحول جو اپنے
زمانہ کے مقتدائے عام تھے خود یا انکے باپ دادا غلام رہ چکے تھے۔ زوطی کا غلام ہونا بھی ثابت ہو تو کچھ عار
نہیں لیکن تاریخی شہادتیں اس کے خلاف ہیں امام کے نسب میں اور بھی اختلافات ہیں ابو مطیع نے انکو نسل

زوطی غلام نہ تھے

عرب سے شمار کیا ہو اور سلسلہ نسب یوں بتایا ہے نعمان بن ثابت بن زوطی بن یحییٰ بن زید بن اسد بن راشد الانصاری
حافظ ابو اسحٰق نے شجرہ نسب کے متعلق یہ روایت نقل کی ہو نعمان بن ثابت بن کاؤس بن ہرمز بن بہرام زوطی کے
مقام سکونت میں بھی اختلاف ہو اور یہ اختلافات ضرور ہونے۔۔۔۔۔ چاہئیں تھے زوطی اول اول جب عرب میں
آئے ہونگے تو برسوں تک انکی حالت بیگانگی کی حالت رہی ہوگی لوگونکو انکے حالات کے ساتھ چنداں اعتنا نہ ہوگا
اور ہوگا تو زبان کی اجنبیت کیوجہ سے صحیح حالات نہ معلوم ہو سکے ہونگے معاشرت کی ضرورتوں نے
زوطی کو مجبور کیا ہوگا کہ وہاں کے رہنے والوں سے دوستانہ تعلق پیدا کریں یہ طریقہ عرب میں عام طور پر جاری
تھا اور اس قسم کے تعلق کو ولاء کہتے تھے جس کا مشتق مولی ہے۔ مولی غلام کو بھی کہتے ہیں۔ اس طرح لفظی مشارکت
سے بعضوں نے زوطی کو غلام سمجھ لیا اور رفتہ رفتہ یہ خیال روایت کی شکل پکڑ کر کسی قدر عام ہو گیا جسکی وجہ سے
اسمٰعیل کو دفع دخل کرنا پڑا کہ "واللہ ہمارا خاندان کبھی کسی کی غلامی میں نہیں آیا" اسمٰعیل نہایت ثقہ اور معزز شخص
تھے اسوجہ سے دقیقہ سنج مورخوں نے اس بحث میں ان ہی کی روایت پر اعتنا کیا ہو کہ صاحب البیت ادری
بما فیہا قاضی صیمری نے جو بڑے پایہ کے مصنف ہیں صاف تصریح کی ہے کہ زوطی بنی تیم اللہ کے حلیف

یعنی ہم قسم تھے اس [1] روایت کا جسمیں زوطی کی غلامی کا ذکر ہے) یہ حصہ بھی غلط ہے کہ وہ کابل سے گرفتار ہو کر آئے تھے زوطی کے دادا کے نام فارسی زبان کے ہیں خود امام ابوحنیفہ کی نسبت ثابت ہے کہ وہ خاندانی حیثیت سے فارسی زبان جانتے تھے یہ ظاہر ہے کہ کابل کی زبان فارسی نہ تھی۔

زوطی کی نسبت ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ خاص کس شہر کے رہنے والے تھے مورخوں نے مختلف شہروں کے نام لئے ہیں جنمیں سے کسی کی نسبت ترجیح کا دعوے نہیں کیا سکتا یقینی طور پر جو ثابت ہو وہ صرف اس قدر ہے کہ اقلیم فارس اور فارسی نسل سے تھے۔ یہ ممالک اس زمانہ میں اسلامی اثر سے معمور تھے اور اکثر بڑے بڑے خاندان اسلام قبول کرتے جاتے تھے غالبًا زوطی اسی زمانے میں اسلام لائے اور جوش شوق یا خاندان والوں کی ناراضی سے جسکا باعث تبدیل مذہب تھا۔ عرب کا رخ کیا یہ جناب امیر علیہ السلام کی خلافت کا زمانہ تھا اور شہر کوفہ دار الخلافہ ہونیکا شرف رکھتا تھا اس تعلق سے زوطی نے کوفہ کو پسند کیا اور وہیں سکونت اختیار کی کبھی کبھی جناب امیر کے دربار میں حاضر ہوتے اور خلوص عقیدت سے آداب بجالاتے ایک بار نوروز کے دن کہ پارسیوں کی عید کا دن ہے فالودہ نذر کے طور پر بھیجا حضرت نے ارشاد فرمایا کہ "نوروزنا کل یوم" یعنے ہمارے یہاں ہر روز نوروز ہے ثابت امام ابوحنیفہ کے پدر بزرگوار کوفہ ہی میں پیدا ہوئے زوطی نے نیک فال لڑکے کو حضرت علی کی خدمت میں حاضر کیا۔ آپنے بزرگانہ شفقت فرمائی اور انکے اور انکی اولاد کے حق میں دعاے خیر کی۔

ثابت کے حالات زندگی بالکل نامعلوم ہیں۔ قرائن سے اس قدر پتہ چلتا ہے کہ تجارت کے ذریعہ سے زندگی بسر کرتے تھے۔ چالیس برس کی عمر ہوئی تو خدا نے فرزند عطا فرمایا جسکا نام والدین نے نعمان رکھا لیکن زمانہ نے آگے چلکر امام اعظم کے لقب سے پکارا۔

اس وقت عبد الملک بن مروان جو دولت مروانیہ کا دوسرا تاجدار شمار کیا جاتا ہے مسند آرائے خلافت تھا یہ وہ عہد تھا کہ رسول اللہ صلعم کے جمال مبارک سے جن لوگوں کی آنکھیں روشن ہوئی تھیں انمیں سے چند بزرگ موجود تھے جنمیں سے بعض امام ابوحنیفہ کے آغاز شباب تک زندہ رہے انس بن مالک نے جو رسولؐ کے خادم خاص تھے ۹۳ھ میں وفات پائی سہل بن سعد نے ۹۱ھ میں انتقال کیا اور ابو الطفیل عامر بن واثلہ نو سو ہجری تک زندہ رہے لیکن یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ابوحنیفہ نے کسی سے بھی کوئی حدیث روایت کی اسپر لوگوں کو نہایت تعجب ہے اور مورخوں نے اسکے مختلف اسباب خیال کئے ہیں بعضوں کی رائے ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اسوقت تک کسی قسم کی تعلیم نہیں حاصل کی تھی انکے باپ دادا تجارت کرتے تھے اسلئے انکی نشو و نما بھی ایک عام تاجر کی حیثیت سے ہوئی بڑے ہونے پر امام شعبی کی ہدایت سے علم کیطرف متوجہ ہوئے اسوقت موقع ہاتھ سے نکل چکا

[1] دیکھو قلائد عقود العقیان باب اول۔ علامہ نووی نے تہذیب الاسماء واللغات کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ مولی کا لفظ زیادہ تر حلیف ہی کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے ۱۲

امام ابوحنیفہ نے صحابہ سے کیوں روایت نہیں کی

تھا یعنی صحابہ میں سے کوئی باقی نہیں رہا تھا لیکن میرے نزدیک اسکی ایک وجہ اور ہے محدثین میں باہم اختلاف ہے کہ حدیث سیکھنے کیلئے کم از کم کیا عمر مشروط ہے۔ اس امر میں ارباب کوفہ سب سے زیادہ احتیاط کرتے تھے یعنی بیس[۲] برس سے کم عمر کا شخص حدیث کی درسگاہ میں شامل نہیں ہوسکتا تھا۔ انکے نزدیک چونکہ بالمعنی روایت کی گئی ہیں اس لئے ضرور ہے کہ طالب علم پوری عمر کو پہنچ چکا ہو ورنہ مطالب کے سمجھنے اور اسکے ادا کرنے میں غلطی کا احتمال ہے غالباً یہی قید تھی جسنے ابوحنیفہ کو ایسے بڑے شرف سے محروم رکھا اور سچ پوچھو تو یہ قید مصلحت سے خالی بھی نہیں جن لوگوں نے دس بارہ برس کے سن میں صحابہ سے حدیثیں سنیں انکی روایتیں اس لحاظ سے تو نہایت قابل اعتماد ہیں کہ رسول اللہ تک صرف ایک واسطہ ہے لیکن اسبات کا قوی احتمال موجود ہے کہ کم سنی کی وجہ سے مضمون حدیث کی تمام خصوصیتیں خیال میں نہ آئی ہوں جس کی وجہ سے ادائے مطلب میں عظیم الشان غلطیاں پیدا ہو جاتی ہیں بہر نوع وجہ جو کچھ ہو واقعہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ نے کسی صحابی سے کوئی حدیث نہیں سنی تاہم یہ شرف ان کی قسمت میں تھا کہ جن آنکھوں نے پیغمبر کا جمال دیکھا تھا انکے دیدار سے عقیدت کی آنکھیں روشن کیں یہ واقعہ ایک تاریخی واقعہ ہے لیکن چونکہ اس سے تابعیت کا رتبہ حاصل ہوتا ہے اسلئے یہ مسئلہ مذہبی پیرایہ میں آگیا ہے اور اسپر بڑی بحثیں قائم ہوگئی ہیں بے شبہ امام ابوحنیفہ کو اس شرف پر ناز تھا اور بجا تھا کہ انہوں نے انس صحابی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا غیر قومیں ان باتوں کو معمولی امر خیال کریں گی لیکن ان واقعات سے اس محبت اور جوش عقیدت کا اندازہ ہوتا ہے جو مسلمانوں کو رسول اللہ اور انکے تعلق کی وجہ سے صحابہ کے ساتھ تھا سچ ہے **شعر**

فی الجملہ نسبتے بتو کافی بود مرا　　　بلبل ہمیں کہ قافیہ گل بود بس ست

تابعیت کی بحث

ہمارے زمانہ کے بعض مصنفوں نے امام کی تابعیت سے انکار کیا ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں پہلے بھی لوگوں کو شبہ ہوا تھا لیکن محدثین نے جنکو اس قسم کی بحثوں کے طے کرنیکا سب سے زیادہ حق حاصل ہے امام کے موافق فیصلہ کیا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی سے کہ فن حدیث کے ایک عنصر ہیں فتوی لیا گیا انہوں نے یہ جواب لکھا امام ابو حنیفہ کے زمانہ میں کئی صحابی موجود تھے۔ اس لئے کہ امام ۸۰ھ میں بمقام کوفہ پیدا ہوئے اور اسوقت وہاں صحابہ میں سے عبداللہ بن ابی اوفی موجود تھے کیونکہ وہ ۸۷ھ میں یا اسکے بعد مرے اور ابن سعد نے روایت کی ہے جسکی سند میں کچھ نقصان نہیں کہ امام ابوحنیفہ نے انس بن مالک کو دیکھا تھا۔ ان دو صحابہ کے سوا اور صحابہ بھی مختلف شہروں میں موجود تھے بعض لوگوں نے ان حدیثوں کو جمع کیا ہے جو امام نے صحابہ سے روایت کیں لیکن ان حدیثوں کی سندیں ضعف سے خالی نہیں۔ اور صحیح یہی ہے کہ امام انکے ہم زمان تھے اور بعض صحابہ کو دیکھا تھا جیسا کہ ابن سعد نے روایت کی ہے پس اس لحاظ سے امام ابوحنیفہ تابعین کے طبقہ میں ہیں اور یہ امر اور

حافظ ابن حجر کا فتوی

---

[۲] مقدمہ ابن الصلاح۔ مطبوعہ لکھنو صفحہ ۱۲۵۰۔

اماموں کی نسبت جو انکے ہمعصر تھے مثلاً اوزاعی شام میں۔ حماد بن بصرہ میں۔ ثوری۔ کوفہ میں۔ مالک مدینہ شریف میں لیث مصر میں ثابت نہیں ہوا واللہ اعلم[1]

ابن سعد کی جس روایت کا حافظ ابن حجر نے حوالہ دیا ہے وہ صرف ایک واسطہ یعنی سیف بن جابر کے ذریعہ سے امام ابو حنیفہ تک پہنچتی ہے یعنی ابن سعد نے بن جابر سے سنا اور سیف نے خود امام ابو حنیفہ سے ابن سعد وہ شخص ہیں جنکی نسبت علامہ نووی نے تہذیب الاسماء میں لکھا ہے کہ اگرچہ انکا شیخ واقدی ثقہ نہیں مگر وہ خود نہایت ثقہ ہیں، سیف ابن جابر بصرہ کے قاضی اور صحیح الروایت تھے اس لحاظ سے یہ روایت اس قدر صحیح اور مستند ہے کہ قوی سے قوی حدیث بھی اس سے زیادہ صحیح نہیں ہو سکتی۔ اسی بنا پر تمام بڑے بڑے محدثین مثلاً خطیب بغدادی علامہ سمعانی مصنف کتاب الانساب۔ علامہ نووی شارح صحیح مسلم۔ علامہ ذہبی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی زین الدین عراقی سخاوی ابو المحاسن دمشقی نے جن پر اب حدیث و روایت کا مدار ہے قطعاً فیصلہ کر دیا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے حضرت انس کو دیکھا تھا[2]

ابن خلکان نے بھی خطیب بغدادی کا یہ قول نقل کیا ہے لیکن چونکہ مورخ مذکور نے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ کو کسی صحابی سے ملاقات اور روایت حاصل نہیں ہوئی، لوگوں کو دھوکا ہوا کہ ابن خلکان تابعیت کے منکر ہیں حالانکہ ابن خلکان کو ملاقات اور روایت سے انکار ہے نہ رویت سے لیکن اگر ابن خلکان کی عبارت کا وہی مطلب ہو جو بعض ظاہر بینوں نے قرار دیا ہے تاہم کون کہہ سکتا ہے کہ ایسے بڑے بڑے محدثین کے مقابلہ میں انکی شہادت کچھ بھی اعتبار کے قابل ہوگی اصول روایت میں یہ مسئلہ طے ہو چکا ہے کہ اگر کسی واقعہ کے اثبات و نفی میں برابر درجے کی شہادتیں موجود ہوں تو اثبات کا اعتبار ہوگا۔ یہاں نفی کی شہادت ثبوت کے مقابل میں بالکل کم رتبہ ہے۔

بعض حنفیوں نے رویت سے بڑھکر روایت کا بھی دعویٰ کیا ہے اور تعجب ہے کہ علامہ عینی شارح ہدایہ بھی اس غلطی کے حامی ہیں۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ دعویٰ ہرگز پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا۔ حافظ ابو المحاسن نے عقود الجمان میں ان تمام حدیثوں کو مع سند نقل کیا ہے جنکی نسبت یہ خیال ہے کہ امام نے صحابہ سے سنی تھیں پھر اصول حدیث سے انکی جانچ کی ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ ہرگز ثابت نہیں محدثانہ بحثیں تو وقت طلب ہیں صاف بات یہ ہے کہ امام نے صحابہ سے ایک بھی روایت کی ہوتی تو سب سے پہلے امام کے تلامذہ خاص اسکو شہرت دیتے لیکن قاضی ابو یوسف امام محمد۔ حافظ عبد الرزاق بن ہمام عبد اللہ بن المبارک۔ ابو نعیم فضل بن دکین علی بن ابراہیم ابو عاصم النبیل وغیرہ سے کہ امام کے مشہور اور با اخلاص شاگرد تھے اور سچ پوچھئے تو زیادہ تر انہیں کی روایت سے

صحابہ سے روایت نہیں کی

---

[1] اس فتوی کو حافظ ابو المحاسن نے عقود الجمان میں بعبارتہا نقل کیا ہے اور میں نے اسی کا لفظی ترجمہ کیا ہے۔ [1] تذکرۃ الحفاظ ذہبی میں یہ تصریح موجود ہے۔ [2] مختصر تاریخ خطیب بغدادی و کتاب الانساب و تہذیب الاسماء و اللغات و تذکرۃ الحفاظ و عقود الجمان فی الاخبار النعمان تذہیب التہذیب و تہذیب التہذیب میں امام ابو حنیفہ کا ترجمہ دیکھو۔

انکی نام آوری کے سکے بٹھاتے ہیں۔ ایک حرف بھی اس واقعہ کے متعلق منقول نہیں۔

امام کی کنیت جو نام سے زیادہ مشہور ہے حقیقی کنیت نہیں ہے۔ امام کی کسی اولاد کا نام حنیفہ نہ تھا یہ کنیت وصفی معنی کے اعتبار سے ہے ابو الملۃ الحنیفۃ قرآن میں خدا نے مسلمانوں سے خطاب کر کے کہا ہے وَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا امام ابوحنیفہ نے اسی نسبت سے اپنی کنیت ابوحنیفہ اختیار کی۔

سن رشد، تعلیم و تربیت، شیوخ و اساتذہ

امام کے بچپن کا زمانہ نہایت پرآشوب زمانہ تھا۔ حجاج بن یوسف خلیفہ عبدالملک کی طرف سے عراق کا گورنر تھا اور ہر طرف ایک قیامت برپا تھی چونکہ مذہبی گروہ کی مخالفت کی وجہ سے عرب و عراق میں ابتک مروانی حکومت کے پاؤں نہیں جمے تھے۔ حجاج کی سفاکیاں زیادہ تر انہیں لوگوں پر مبذول تھیں جو ائمہ مذہب اور علم و فضل کی حیثیت سے مقتدائے عام تھے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے نہایت سچ کہا ہے اگر اور پیغمبروں کی امتیں سب ملکر اپنے زمانہ کے بدکاروں کو پیش کریں اور ہم صرف حجاج کو پیش کریں تو واللہ ہمارا پلہ بھاری رہیگا عبدالملک نے سنہ ۸۶ھ میں وفات کی اور اسکا بیٹا ولید تخت نشین ہوا۔ ولید کے زمانہ میں اگرچہ فتوحات نے نہایت ترقی کی اسپین و سندھ دو بڑی مملکتیں اسلام کے قبضہ میں آگئیں خوارزم و سمرقند سے گزر کر کابل و فرغانہ پر علم اسلام نصب ہوا مغرب کی طرف جزائر سلورقہ و میورقہ فتح ہوئے لیکن اسلام کی روحانی برکتوں کا نشان نہ تھا۔ ملکی عہدہ داروں میں سے جو لوگ جسقدر زیادہ معزز اور با اختیار تھے اسی قدر ظالم اور سفاک تھے اسی زمانہ کی نسبت حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے تھے کہ ولید شام میں۔ حجاج عراق میں۔ عثمان حجاز میں قرۃ مصر میں واللہ تمام دنیا ظلم سے بھر گئی،، اس عالمگیر آشوب میں بھی اگرچہ درس و تعلیم کا سلسلہ بند نہیں ہوا تھا۔ جا بجا حدیث و روایت کی درسگاہیں موجود تھیں اور فقہا و محدثین باوجود بے اطمینانی کے درس و تدریس میں مشغول تھے تاہم اسلام کی حوصلہ مندیوں اور جوش کے لحاظ سے جسقدر تھا نہایت کم تھا۔

ملک کی خوش قسمتی تھی کہ حجاج سنہ ۹۵ھ میں مرگیا۔ ولید نے بھی سنہ ۹۶ھ میں وفات پائی ولید کے بعد سلیمان بن عبدالملک نے مسند خلافت کو زینت دی جسکی نسبت مورخین کا بیان ہے کہ خلفائے بنی امیہ میں سب سے افضل تھا سلیمان نے اسلامی دنیا پر سب سے بڑا یہ احسان کیا کہ عمر بن عبدالعزیز کو مشیر سلطنت بنایا اور مرتے دم تحریری وصیت کی کہ میرے بعد عمر بن عبدالعزیز تخت نشین ہوں، سلیمان نے سنہ ۹۹ھ میں وفات پائی اور وصیت کے موافق عمر بن عبدالعزیز مسند خلافت پر بیٹھے انکی خلافت نے دفعۃً حکومت مروانی کا رنگ بدل دیا اور تمام ملک میں عدل و انصاف علم و عمل خیر و برکت کی جان تازہ ڈالدی ایک مدت سے حضرت علی

پر خطبوں میں جو لعن طعن پڑھا جاتا تھا یک لخت موقوف کر دیا شہزادگان بنو امیہ کے ہاتھوں سے جاگیریں چھین لیں جہاں جہاں ظالم عمال تھے یک قلم معزول کر دئے سب سے بڑھکر یہ کہ علوم مذہبی کو وہ رونق دی کہ گھر گھر ہی چرچے پھیل گئے امام زہری کو حکم دیا کہ حدیثوں کو یکجا کریں۔ یہ مجموعہ تیار ہوا تو ممالک اسلامیہ میں اسکی نقلیں بھجوائیں غرض حجاج اور ولید کے عہد تک تو امام ابو حنیفہ کو تحصیل علم کیطرف متوجہ ہونے کی نہ رغبت ہو سکتی تھی نہ کافی موقع مل سکتا تھا تجارت باپ دادا کی میراث بھی اسلئے خز بافی کا کارخانہ قائم کیا۔ اور حسن تدبیر سے اسکو بہت کچھ ترقی دی لیکن سلیمان کے عہد خلافت میں جب درس و تدریس کے چرچے زیادہ عام ہوئے تو انکے دل میں بھی ایک تحریک پیدا ہوئی حسن اتفاق یہ کہ ان ہی دنوں میں ایک اتفاقی واقعہ پیش آیا جس سے انکے ارادہ کو اور بھی استحکام ہوا۔

تحصیل علم کی تحریک۔

ایک دن بازار جارہے تھے۔ امام شعبی جو کوفہ کے مشہور امام تھے انکا مکان راہ میں تھا۔ سامنے سے نکلے تو انہوں نے یہ سمجھکر کہ کوئی نوجوان طالب علم ہے پاس بلا لیا اور پوچھا کہ کہاں جارہے ہو انہوں نے ایک سوداگر کا نام لیا۔ امام شعبی نے کہا "میرا مطلب یہ نہ تھا تم پڑھتے کس سے ہو" انھوں نے افسوس کیساتھ جواب دیا کہ "کسی سے بھی نہیں"۔ شعبی نے کہا کہ "مجکو تم میں قابلیت کے جوہر نظر آتے ہیں تم علماء کی صحبت میں بیٹھا کرو"[1] اس نصیحت نے انکے دل میں گھر کر لیا اور نہایت اہتمام سے تحصیل علم پر متوجہ ہوئے اس وقت تک علم جس چیز کا نام تھا وہ ادب انساب ایام العرب۔ فقہ۔ حدیث۔ کلام تھا۔ کلام اگرچہ آجکل کا علم کلام نہ تھا کیونکہ اس عہد تک مسائل اسلام پر فلسفہ کا پرتو نہیں پڑا تھا۔ تاہم ان علوم میں دقت نظر۔ بلندی خیال زور طبع کے لئے اس سے وسیع تر میدان نہ تھا اسلام جب تک عرب کی آبادی میں محدود رہا اسکے مسائل نہایت سادہ اور صاف رہے لیکن فارس اور مصر و شام پہنچکر ان میں رنگ آمیزیاں شروع ہو گئیں۔ ان ملکوں میں اگرچہ حکمت و فلسفہ کا وہ زور باقی نہ رہا تھا تاہم فلسفہ کے بگڑے بگڑائے مسائل عام لوگوں میں پھیلے ہوئے تھے اور طبیعتیں عموماً باریک بینی اور احتمال آفرینی کی عادی تھیں قرآن پاک میں خدا کی ذات و صفات۔ مبدا و معاد وغیرہ کے متعلق جو کچھ مذکور ہے عرب نے اسکو اجمالی نگاہ سے دیکھا اور خلوص اعتقاد کے لئے وہی کافی تھا بخلاف اسکے فارس و شام میں نہایت دقیق بحثیں پیدا ہو گئیں جو وسعت تمدن اور ترقی خیالات کے لحاظ سے ضرور پیدا ہونی چاہئیں تھیں تنزیہ و تشبیہ صفات عینیت و غیریت حدوث و قدم۔ غرض اس قسم کے بہت سے مضامین نکل آئے جنکو بحث و تدقیق کی وسعت نے مستقل فن بنا دیا رفتہ رفتہ عام اعتقادی مسائل میں بھی موشگافیاں شروع ہوئیں اور رایوں کے اختلافات سے مختلف فرقے بنتے گئے جو قدری۔ مرجی معتزلی جہمی خارجی۔ رافضی کہلاتے ہیں یہ فتنہ یہانتک بڑھا کہ اہل حق جو ابتک ان بحثوں سے الگ تھے انکو بھی مخالفت کی ضرورت سے اس طرف متوجہ ہونا پڑا اس طرح علم کلام پیدا ہو گیا جسکو تدوین و ترتیب کی وسعت نے اس رتبہ کو پہنچایا کہ بڑے بڑے آئمہ مذہب مثلاً

[1] عقود الجمان باب سادس ۲

امام اشعری وابوالمنصور ماتریدی) کا مایہ ناز ٹھہرا۔

علم کلام کی طرف توجہ

علم کلام زمانہ مابعد میں اگرچہ مدون و مرتب ہوکر اکتسابی علوم میں داخل ہو گیا لیکن اسوقت تک اسکی تحصیل کے لئے صرف قدرتی ذہانت اور مذہبی معلومات درکار تھیں قدرت نے امام ابوحنیفہ میں یہ تمام باتیں جمع کر دی تھیں رگوں میں ایرانی خون اور طبیعت میں زور اور جدت تھی مذہبی روایتیں اور مسائل کونہیں ایسے عام تھے کہ ایک معمولی شخص بھی تعلیم یافتہ لوگوں میں اٹھ بیٹھکر حاصل کر سکتا تھا امام ابوحنیفہ نے اس فن میں وہ کمال پیدا کیا کہ بڑے بڑے اساتذہ فن بحث کرنے میں انسے جی چراتے تھے تجارت کی ضرورت سے اکثر بصرہ جانا ہوتا تھا جو ان تمام فرقوں کا دنگل اور خاصکر خارجیوں کا مرکز تھا اباضیہ صفریہ حشویہ وغیرہ سے اکثر بحثیں کیں اور ہمیشہ غالب رہے اگرچہ آخر ان جھگڑوں کو چھوڑ کر وہ علم فقہ پر مائل ہوئے اور تمام عمر اس کی نذر کر دی لیکن اخیر تک یہ مذاق طبیعت سے نہ گیا خارجیوں وغیرہ سے انکے مناظرے علم کلام کی جان ہیں انکی علمی زندگی کے تذکرے میں ہم بعض واقعات کی تفصیل بیان کریں گے۔

شروع شروع میں تو امام صاحب اس فن کے بہت دلدادہ رہے لیکن جسقدر عمر اور تجربہ بڑھتا جاتا تھا انکی طبیعت رکتی جاتی تھی خود انکا بیان ہے کہ آغاز عمر میں میں اس علم کو سب سے افضل جانتا تھا کیونکہ مجکو یقین تھا کہ عقیدہ و مذہب کی بنیاد انھیں باتوں پر ہے لیکن پھر خیال آیا کہ صحابہ کبار ان بحثوں سے ہمیشہ الگ رہے حالانکہ ان باتوں کی حقیقت انسے زیادہ کون سمجھ سکتا تھا انکی توجہ جسقدر تھی فقہی مسائل پر تھی اور یہی مسائل وہ دوسرونکو تعلیم دیتے تھے ساتھ ہی خیال گزرا کہ جو لوگ علم کلام میں مصروف ہیں انکا طرز عمل کیا ہے اس خیال سے اور بھی بیدلی پیدا ہوئی کیونکہ ان لوگوں میں وہ اخلاقی پاکیزگی اور روحانی اوصاف نہ تھے جو اگلے بزرگوں کا طغرائے امتیاز تھا[1] اسی زمانہ میں ایک دن ایک عورت نے آکر مسئلہ پوچھا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو سنت کے طریقہ پر طلاق دینی چاہتا ہے کیونکر دے۔ خود تو بتا نہ سکا عورت کو ہدایت کی کہ امام حماد جنکا حلقہ درس یہاں سے قریب ہی جاکر پوچھے یہ بھی کہدیا کہ حماد جو کچھ بتائیں مجھ سے کہتے جانا تھوڑی دیر کے بعد واپس آئی اور کہا حماد نے یہ جواب دیا۔ مجکو سخت عبرت ہوئی اسیوقت اٹھ کھڑا ہوا اور حماد کے حلقہ درس میں جا بیٹھا"

حماد کی شاگردی

امام کی ابتدائی تحصیل کے متعلق ایک اور روایت ہے جسکا سلسلہ سند خطیب نے امام تک پہنچایا ہے یعنی امام صاحب کا بیان ہے کہ جب میں نے تحصیل علم پر توجہ کی تو بہت سے علوم پیش نظر تھے اور میں متردد تھا کہ کس کو اختیار کروں سب سے پہلے کلام کا خیال آیا ساتھ ہی دل میں گزرا کہ کوہ کندن وکاہ برآوردن ہے ایک مدت کی محنت و دردسری کے بعد کمال بھی پیدا کیا تو علانیہ اظہار نہیں کر سکتے کہ لوگ الحاد کی تہمت نہ لگائیں۔ ادب

[1] عقود الجمان باب سادس ۱۲

اور قرأت کا بجز اسکے کہ مکتب پڑھائیں اور کچھ فائدہ نہ تھا شعر و شاعری میں ہجو اور جھوٹی مدح کے سوا اور کیا دھرا تھا۔ حدیث کے لئے اولاً تو ایک مدت درکار تھی اسکے علاوہ کم سنوں سے واسطہ پڑتا اور ہر وقت یہ فکر رہتی کہ لوگ جرح و تعدیل کا نشانہ نہ بنائیں۔ آخر فقہ پر نظر پڑی اور دنیا و دین کی حاجتیں اس سے وابستہ نظر آئیں لیکن یہ روایت محض غلط ہے تمام معتمد روایتیں اس کے خلاف ہیں جو ریمارک امام صاحب کیطرف منسوب کئے ہیں ایسے جاہلانہ ریمارک ہیں کہ ایک معمولی آدمی کیطرف بھی نسبت نہیں کیجا سکتی۔ اس روایت کو صحیح مانیں تو ماننا پڑیگا کہ حدیث و کلام کیطرف امام ابوحنیفہ نے توجہ ہی نہیں کی حالانکہ ان فنون میں امام ابوحنیفہ کا جو پایہ ہے اس سے کون انکار کرسکتا ہے یہ ممکن ہے کہ تحصیل علوم کے بعد امام نے خیال کیا ہو کہ کس فن کو اپنا خاص فن بنائیں اور چونکہ عام خلائق کی ضرورتیں فقہ سے وابستہ دیکھیں اسی کو ترجیح دی یہی بات طرز بیان کی رنگ آمیزیوں سے اس حد تک پہنچ گئی جس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ روایت باایں ہمہ کہ قید کتابت میں آچکی تھی عقود الجمان کے مصنف نے نقل کی تو بہت سے اختلافات پیدا ہوگئے ابن جزلہ نے تاریخ بغداد کا جو اختصار کیا ہے ہمارے پیش نظر ہے اس میں اس روایت کا جہاں ذکر ہے ہر علم کے متعلق جو ریمارک ہیں دوسروں کی طرف منسوب ہیں امام ابوحنیفہ کی نسبت صرف انکا تسلیم کرنا بیان کیا ہے۔

حماد کوفہ کے مشہور امام اور استاد وقت تھے حضرت انسؓ سے جو رسول اللہ کے خادم خاص تھے حدیث سُنی تھی اور بڑے بڑے تابعین کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے تھے اس وقت کوفہ میں انھیں کا مدرسہ مرجع عام سمجھا جاتا تھا مسعر و شعبہ نے جو ائمہ فن خیال کئے گئے ہیں انھیں کے حلقہ درس میں تعلیم پائی تھی حضرت عبداللہ بن مسعود (صحابی) سے فقہ کا جو سلسلہ چلا آتا تھا اس کا مدار انھیں پر رہ گیا تھا ان باتوں کیساتھ زمانہ نے بھی ان کا ساتھ دیا تھا یعنی دولتمند اور فارغ البال تھے اس وجہ سے نہایت اطمینان اور دلجمعی کے ساتھ اپنے کام میں مشغول رہتے تھے ان وجوہ سے امام ابوحنیفہ نے علم فقہ پڑھنا چاہا تو استادی کیلئے انہی کو انتخاب کیا اسوقت درس کا طریقہ یہ تھا کہ استاد کسی خاص مسئلہ پر زبانی گفتگو کرتا تھا جسکو شاگرد یاد کرلیتے اور کبھی لکھ بھی لیا کرتے تھے امام ابوحنیفہ پہلے دن بائیں صف میں بیٹھے کیونکہ مبتدیوں کیلئے یہ امتیاز عموماً قائم رکھا جاتا تھا لیکن چند روز کے بعد جب حماد کو تجربہ ہوگیا کہ تمام حلقہ میں ایک شخص بھی حافظہ اور ذہانت میں انکا ہمسر نہیں ہے تو حکم دیدیا کہ ابوحنیفہ سب سے آگے بیٹھا کریں۔

امام نے اگرچہ اسی زمانہ میں حدیث پڑھنی شروع کردی تھی جسکا تفصیلی بیان آگے آتا ہے تاہم حماد کے حلقہ درس میں ہمیشہ حاضر ہوتے رہے۔ خود ان کا بیان ہے کہ میں دس برس تک حماد کے حلقہ درس میں حاضر ہوتا رہا پھر خیال ہوا کہ اب خود درس و تعلیم کا سلسلہ قائم کروں لیکن استاد کا ادب مانع ہوتا تھا اتفاق سے

انھیں دنون حماد کا ایک رشتہ دار جو بصرہ میں رہا کرتا تھا مر گیا حماد کے سوا اور کوئی اسکا وارث نہ تھا اس ضرورت سے انکو بصرہ جانا پڑا چونکہ مجکو اپنا جانشین کر گئے تھے تلامذہ اور ارباب حاجت نے میری طرف رجوع کیا۔ بہت سے ایسے مسئلے پیش آئے جن میں استاد سے میں نے کوئی روایت نہیں سنی تھی اسلیے اپنے اجتہاد سے جواب دیے اور احتیاط کیلیے ایک یادداشت لکھتا گیا دو مہینے کے بعد حماد بصرہ سے واپس آئے میں نے وہ یادداشت پیش کی کل ساٹھ مسئلے تھے ان میں سے بیس میں غلطیاں نکالیں باقی کی نسبت فرمایا کہ تمہارے جواب صحیح ہیں میں نے عہد کیا کہ حماد جبتک زندہ ہیں انکی شاگردی کا تعلق کبھی نہ چھوڑوں گا۔ حماد نے سنہ ۱۲۰ھ میں انتقال کیا۔ امام ابو حنیفہ نے اگرچہ حماد کے سوا اور بزرگوں کی خدمت میں بھی فقہ کی تحصیل کی لیکن کچھ شبہ نہیں کہ اس فن خاص میں وہ حماد ہی کے تربیت یافتہ ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ حد سے زیادہ انکی تعظیم کرتے تھے۔

حدیث کی تحصیل

حماد کے زمانہ میں ہی امام نے حدیث کی طرف توجہ کی کیونکہ مسائل فقہ کے مجتہدانہ تحقیق جو امام کو مطلوب تھی حدیث کی تکمیل کے بغیر ممکن نہ تھی۔ اسوقت تمام ممالک اسلامیہ میں بڑے زور شور سے حدیث کا درس جاری تھا اور ہر جگہ سند اور روایت کے دفتر کھلے ہوئے تھے صحابہ جنکی تعداد کم از کم دس ہزار ہے تمام ممالک میں پہنچ گئے تھے اور انکی وجہ سے اسناد و روایت کا ایک عظیم الشان سلسلہ قائم ہو گیا تھا۔ لوگ جہان کسی صحابی کا نام سن پاتے تھے ہر طرف سے ٹوٹ پڑتے تھے کہ چلکر رسول اللہ صلعم کے حالات سنیں یا مسائل شرعیہ کی تحقیق کریں اسی طرح تابعین کا جو صحابہ کے شاگرد کہلاتے تھے بیشمار گروہ پیدا ہو گیا تھا جنکے سلسلے تمام ممالک اسلامیہ میں پھیل گئے تھے جن شہروں میں صحابہ یا تابعین کا زیادہ مجمع تھا وہ دار العلم کے لقب سے ممتاز تھے ان میں مکہ معظمہ مدینہ منورہ میں بصرہ و کوفہ کو خاص امتیاز تھا کیونکہ اسلامی آثار کے لحاظ سے کوئی شہر ان مقامات کا ہمسر نہ تھا۔

کوفہ

کوفہ۔ جو امام ابو حنیفہ کا مولد و مسکن تھا اسلام کی وسعت و تمدن کا گویا دیباچہ تھا اہل عرب کی روز افزوں ترقی کے لئے عرب کی مختصر آبادی کافی نہ تھی۔ اس ضرورت سے حضرت عمرؓ نے سعد بن ابی وقاص کو جو اسوقت حکومت کسریٰ کا خاتمہ کر کے مداین میں اقامت گزین تھے خط لکھا کہ مسلمانوں کیلیے ایک شہر بساؤ جو ان کا دار الہجرت اور قرارگاہ ہو۔ سعد نے کوفہ کی زمین پسند کی سنہ ۱۷ھ میں اس کی بنیاد کا پتھر رکھا گیا اور معمولی سادہ وضع کی عمارتیں تیار ہوئیں اسی وقت عرب کے قبائل ہر طرف سے آآکر آباد ہونے شروع ہوئے یہانتک کہ تھوڑے دنوں میں وہ عرب کا ایک خطہ بنگیا۔ حضرت عمرؓ نے یمن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمیوں کے لئے جو وہاں جاکر آباد ہوئے تھے روزینے مقرر کر دیئے چند روز میں جمعیت کے اعتبار سے کوفہ نے وہ حالت پیدا کی کہ جناب فاروق کوفہ کو "رمح اللہ" "کنز الایمان" "جمجمۃ العرب" یعنی خدا کا علم۔ ایمان کا خزانہ۔ عرب کا سر فرمایا کرتے تھے اور خط لکھتے تو اس عنوان سے لکھتے "الی راس الاسلام" "الی راس العرب" حضرت

علیؓ نے اس شہر کو دارالخلافہ قرار دیا صحابہ میں سے ایک ہزار پچاس شخص جن میں چوبیس وہ بزرگ تھے جو غزوہ بدر میں رسول اللہ کے ہمرکاب رہے تھے وہاں گئے اور بہتوں نے سکونت اختیار کرلی۔ ان بزرگوں کی بدولت ہر جگہ حدیث و روایت کے چرچے پھیل گئے تھے۔ اور کوفہ کا ایک ایک گھر حدیث و روایت کا درسگاہ بن گیا تھا[1]

بصرہ بھی اسی مقدس خلیفہ کے حکم سے آباد ہوا تھا اور وسعت علم اور اشاعت حدیث کے اعتبار سے کوفہ کا ہمسر تھا۔ یہ دونوں شہر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی طرح علوم اسلامی کے دارالعلم خیال کئے جاتے تھے۔ علامہ ذہبی نے اسلام کے دوسرے تیسرے دور میں جن لوگوں کو حاملین حدیث کا لقب دیا ہے اور انکے مستقل ترجمے لکھے ہیں ان میں اکثر مثلاً مسروق بن الاجدع۔ عبیدہ بن عمر اسود بن یزید۔ ابو عمر النخعی۔ ذر بن حبیش۔ ربیع بن خثیم۔ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ۔ ابو عبدالرحمٰن السلمی شریح بن الحرث۔ شریح بن ہانی۔ ابو وائل شقیق بن سلمہ۔ قیس بن ابی حازم محمد بن سیرین۔ حسن بصری۔ شعبہ بن حجاج۔ قتادہ بن دعامہ انھیں دونوں شہروں کے رہنے والے یا خوشباش تھے[2] سفیان بن عیینہ جو ائمہ حدیث میں شمار کئے جاتے ہیں اکثر فرماتے تھے کہ مناسک کے لئے مکہ قرأت کیلئے مدینہ اور حلال و حرام یعنی فقہ کیلئے کوفہ ہے[3] فقہ میں امام نے زیادہ تر حماد کا حلقہ درس کافی سمجھا تھا لیکن حدیث میں یہ قناعت ممکن نہ تھی یہاں صرف ذہانت اور اجتہاد سے کام نہیں چل سکتا تھا بلکہ درایت کے ساتھ روایت کی بھی ضرورت تھی۔ حدیثیں اسوقت تک نہایت پریشان اور غیر مرتب تھیں یہانتک کہ بڑے بڑے اساتذہ دو چار سو حدیثوں سے زیادہ یاد نہیں رکھتے تھے یہ تعداد ضروری مسائل کیلئے بھی کافی نہ تھی اسکے علاوہ طریق روایت میں اس قدر اختلافات پیدا ہوگئے تھے کہ ایک حدیث جب تک متعدد طریقوں سے نہ معلوم ہو اسکے مفہوم اور تعبیر کا ٹھیک ٹھیک متعین ہونا دشوار تھا امام ابو حنیفہ کو حماد کی صحبت اور پختگی عمر نے ان ضرورتوں سے اچھی طرح واقف کر دیا تھا اس لئے نہایت سعی اور اہتمام سے حدیثوں کے بہم پہنچانے پر توجہ کی۔ تقریباً کوفہ میں کوئی ایسا محدث باقی نہ تھا جس کے سامنے امام صاحب نے زانوئے شاگردی طے نہ کیا ہو اور حدیثیں نہ سیکھی ہوں ابو المحاسن شافعی نے جہاں انکے شیوخ حدیث کے نام گنائے ہیں ترانوے شخصوں کی نسبت لکھا ہے کہ کوفہ کے رہنے والے یا نزیل تھے۔ تہذیب التہذیب۔ تہذیب الاسماء و تذکرۃ الحفاظ وغیرہ میں اگرچہ (جیسا کہ ان کتابوں کا عام طریقہ ہے) امام کے شیوخ کا استقصا نہیں کیا ہے تاہم انھیں کتابوں کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ایک گروہ کثیر سے روایت کی جنمیں ۲۹ شخص خاص کوفہ کے رہنے والے تھے اور ان میں اکثر تابعی تھے شیوخ کوفہ میں خاصکر

[1] یہ تمام تفصیل فتوح البلدان بلاذری ذکر آثار کوفہ و معجم البلدان و فتح المغیث صفحہ ۳۸۰ میں مذکور ہے۔
[2] تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی۔ [3] معجم البلدان ذکر کوفہ۔

امام شعبی سلمہ بن کہیل۔ محارب بن دثار۔ ابو اسحٰق سبیعی۔ عون بن عبداللہ۔ سماک بن حرب۔ عمرو بن مرۃ۔ منصور بن المعتمر۔ اعمش۔ ابراہیم بن محمد عدی بن ثابت الانصاری۔ عطا بن السائب۔ موسیٰ ابن ابی عائشہ۔ علقمہ بن مرثد بہت بڑے محدث اور سند و روایت کے مرجع عام تھے سفیان ثوری اور امام حنبل وغیرہ کا سلسلہ سند اکثر انہیں بزرگوں تک پہنچتا ہے۔

امام شعبی وہی بزرگ ہیں جنھوں نے اول اول امام ابوحنیفہ کو تحصیل علم کی رغبت دلائی تھی بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کی تھیں مشہور ہے کہ پانسو صحابہ کو دیکھا تھا۔ عراق۔ عرب۔ شام میں چار شخص جو استاد کامل تسلیم کئے جاتے تھے انہیں ایک یہ تھے امام زہری کہا کرتے تھے کہ عالم صرف چار ہیں۔ مدینہ میں ابن المسیب بصرہ میں حسن۔ شام میں مکحول۔ کوفہ میں شعبی"۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے انکو ایک بار مغازی کا درس دیتے دیکھا تو فرمایا کہ "واللہ یہ شخص اس فن کو مجھسے اچھا جانتا ہے"۔ ایک مدت تک منصب قضا پر مامور رہے خلفاء اور اعیان دولت انکا نہایت احترام کرتے تھے سنہ ۱۰۴ ہجری یا سنہ ۱۰۶ ہجری میں وفات پائی۔

سلمہ بن کہیل مشہور محدث اور تابعی تھے جندب ابن عبداللہ ابن ابی اوفی ابو الطفیل اور ان کے علاوہ اور بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کیں ابن سعد نے انکو کثیر الحدیث لکھا ہے سفیان بن عیینہ (امام شافعیؒ کے استاد) فرماتے تھے کہ سلمہ بن کہیل ایک رکن ہیں ارکان میں سے ابن مہدی کا قول تھا کہ کوفہ میں چار شخص سب سے زیادہ صحیح الروایۃ تھے منصور۔ سلمہ۔ عمرو بن مرۃ۔ ابو حصین۔

ابو اسحٰق سبیعی۔ کبار تابعین سے تھے عبداللہ بن عباس۔ عبداللہ بن عمر۔ ابن زبیر۔ نعمان بن بشیر۔ زید بن ارقم اور بہت سے صحابہ سے جنکے نام علامہ نووی نے تہذیب الاسماء میں بتفصیل لکھے ہیں حدیثیں سنی تھیں عجلی نے کہا ہے کہ ۳۸ صحابہ سے انکو بالمشافہ روایت ہے۔ علی بن المدینی جو امام بخاری کے استاد تھے انکا قول ہے کہ ابو اسحٰق کے شیوخ حدیث میں سے شمار کئے تو کم و بیش تین سو ٹھہرے حافظ ابن حجر نے تہذیب میں انکا مفصل تذکرہ لکھا ہے۔

سماک بن حرب۔ بہت بڑے تابعی اور محدث تھے۔ امام سفیان ثوری نے کہا ہے کہ سماک نے کبھی حدیث میں غلطی نہیں کی خود سماک کا بیان ہے کہ میں اسی صحابہ سے ملا ہوں۔

محارب بن دثار نے عبداللہ بن عمر اور جابر وغیرہ سے روایت کی امام سفیان ثوری کہا کرتے تھے کہ میں نے کسی زاہد کو نہیں دیکھا جسکو محارب پر ترجیح دوں علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ محارب عموماً حجۃ ہیں امام احمد بن حنبل ابوزرعہ۔ دارقطنی۔ ابوحاتم۔ یعقوب بن سفیان۔ نسائی نے انکو ثقہ تسلیم کیا ہے۔ کوفہ میں منصب قضا پر مامور تھے سنہ ۱۱۶ھ میں وفات کی۔

عون بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود حضرت ابو ہریرہ اور عبداللہ بن عمر سے حدیثیں روایت کیں

نہایت ثقہ اور پرہیزگار تھے۔

ہشام بن عروہ معزز و مشہور تابعی تھے۔ بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کیں بڑے بڑے
آئمہ حدیث مثلاً سفیان ثوری۔ امام مالک۔ سفیان بن عیینہ انکے شاگرد تھے ابوجعفر منصور کے زمانے
میں کوفہ گئے اہل کوفہ نے اسی زمانے میں ان سے حدیثیں روایت کیں خلیفہ منصور انکا نہایت احترام کرتا
تھا ایک بار لاکھ درہم انکو عطا کئے انکے جنازے کی نماز بھی منصور ہی نے پڑھائی تھی۔ ابن سعد نے لکھا ہے
کہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔ ابوحاتم نے انکو امام حدیث کہا ہے۔

سلیمان بن مہران معروف باعمش کوفہ کے مشہور امام تھے صحابہ میں سے انس بن مالک سے
ملے تھے اور عبداللہ بن ابی اوفی سے حدیث سنی تھی سفیان ثوری و شعبہ انکے شاگرد تھے۔ امام کی تحصیل
حدیث کا دوسرا مدرسہ بصرہ تھا جو امام حسن بصری و شعبہ و قتادہ کے فیض تعلیم سے مالامال تھا تعجب ہے کہ
حسن بصری باوجودیکہ ۱۱۰ھ تک زندہ رہے لیکن امام ابوحنیفہ کا انکے درس سے مستفید ہونا ثابت نہیں ہوتا البتہ
قتادہ کی شاگردی کا ذکر عام محدثین نے کیا ہے اور عقود الجمان کے مختلف مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام نے
شعبہ سے حدیث روایت کی اور انہوں نے اپنے سامنے ہی فتویٰ و روایت کی اجازت بھی دیدی تھی۔

قتادہ۔ بہت بڑے محدث اور مشہور تابعی تھے حضرت انس بن مالک و عبداللہ بن سرجس و ابوالطفیل
اور دیگر صحابہ سے حدیثیں روایت کیں حضرت انس کے دو شاگرد جو نہایت نامور ہیں انہیں ایک یہ ہیں اس
خصوصیت میں انکو نہایت شہرت تھی کہ حدیث کو بعینہ ادا کرتے تھے یعنی الفاظ و معانی میں بالکل فرق نہیں
ہوتا تھا انکی قوت حافظہ کی ایک عجیب مثال لکھی ہے عمرو بن عبداللہ کا بیان ہے کہ یہ مدینہ میں سعید بن المسیب سے فقہ
و حدیث پڑھتے تھے ایک دن اونہوں نے فرمایا کہ تم ہر روز بہت سی باتیں پوچھتے ہو تمکو انمیں سے کچھ یاد بھی
ہیں انہوں نے کہا ایک ایک حرف محفوظ ہے چنانچہ جسقدر انسے سنا تھا بقید تاریخ اور دن کے بیان کرنا شروع
کیا۔ وہ نہایت متعجب ہوئے اور کہا خدا نے دنیا میں تم جیسے لوگ بھی پیدا کئے ہیں" اسی بناپر لوگ انکو احفظ
الناس کہا کرتے تھے۔ امام حنبل نے انکی فقہ و واقفیت اختلافات و تفسیر دانی کی نہایت تعریف کی ہے اور کہا ہے
کہ "کوئی شخص ان باتوں میں انکی برابر ہو تو ہو مگر ان سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا۔ حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں
ان کا حال تفصیل سے لکھا ہے جس سے انکی عظمت و شان کا اندازہ ہو سکتا ہے

شعبہ بھی بڑے رتبہ کے محدث تھے دو ہزار حدیثیں یاد تھیں سفیان ثوری نے فن حدیث میں انکو امیر المومنین
مانا ہے عراق میں یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے جرح و تعدیل کے مراتب مقرر کئے امام شافعی فرمایا کرتے تھے کہ
شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں حدیث کا رواج نہ ہوتا ۱۶۰ھ میں انتقال کیا سفیان ثوری کو جب انکے مرنے کی خبر پہنچی تو کہا

"آج فن حدیث بھی مرگیا۔" شعبہ کو امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ ایک خاص ربط تھا غیبت میں اکثر انکی ذہانت اور خوبی فہم کی تعریف کرتے ایک بار انکا ذکر آیا تو کہا کہ "جس طرح میں جانتا ہوں کہ آفتاب روشن ہو اسی یقین کیساتھ کہہ سکتا ہوں کہ علم اور ابو حنیفہ ہم نشین ہیں" یحییٰ بن معین سے جو امام بخاری کے استاد تھے کسی نے پوچھا کہ آپ ابو حنیفہؒ کی نسبت کیا خیال رکھتے ہیں فرمایا "اس قدر کافی ہے کہ شعبہ نے انکو حدیث و روایت کی اجازت دی اور شعبہ آخر شعبہ ہی ہیں"[1] بصرہ کے اور شیوخ جنسے امام ابو حنیفہ نے حدیثیں روایت کیں انمیں عبدالکریم بن امیہ اور عاصم بن سلیمان الاحول زیادہ ممتاز ہیں۔

امام ابو حنیفہ کو اگرچہ ان درسگاہوں سے بڑا ذخیرہ ہاتھ آیا تاہم تکمیل کی سند حاصل کرنیکے لئے حرمین جانا ضرور تھا جو علوم مذہبی کے اصلی مرکز تھے۔ تاریخوں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ امام کا پہلا سفر کس سنہ میں واقع ہوا تاہم ظن غالب ہو کہ جب انھوں نے حرمین کا سفر کیا تو تحصیل کا آغاز تھا مورخ ابن خلکان نے لکھا ہے[2] کہ وکیع نے خود امام ابو حنیفہ سے روایت کی ہے کہ "حج میں ایک حجام نے جس سے میں نے بال منڈوائے تھے کئی باتوں میں مجھ پر گرفت کی میں نے اجرت پوچھی تو بولا "مناسک چکاتے نہیں جاتے" میں چپ ہو کر جھلانے بنوانے لگا اس نے پھر ٹوکا کہ "حج میں چپ نہیں رہنا چاہئے تکبیر کہے جاؤ" حجامت سے فارغ ہو کر میں گھر چلا تو اسنے کہا "پہلے دو رکعت نماز پڑھ لو پھر کہیں جانا" میں نے متعجب ہو کر پوچھا یہ مسائل تم نے کہاں سیکھے۔ بولا عطاء بن ابی رباح کا فیض ہو" اس واقعہ سے زیادہ تر یہی قیاس ہو سکتا ہے کہ ابتدائی زمانہ تھا۔

عطا بن ابی رافع

جس زمانہ میں امام ابو حنیفہ مکہ معظمہ پہنچے درس و تدریس کا نہایت زور تھا متعدد اساتذہ کی جو فن حدیث میں کمال رکھتے تھے اور اکثر صحابہ کی خدمت سے مستفید ہوئے تھے الگ الگ درس گاہ قائم تھے انمیں عطاء بن ابی رباح کا حلقہ سب سے زیادہ وسیع اور مستند تھا عطا مشہور تابعی تھے اکثر صحابہ کی خدمت میں رہے تھے اور انکے فیض صحبت سے اجتہاد کا رتبہ حاصل کیا تھا حضرت عبداللہ بن عباس۔ ابن عمر۔ ابن زبیر۔ اسامۃ بن زید۔ جابر بن عبداللہ۔ زید بن ارقم۔ عبداللہ بن سائب۔ عقیل۔ رافع۔ ابو درداء۔ ابوہریرہ۔ اور بہت سے صحابہ سے حدیثیں سنی تھیں خود انکا بیان ہے کہ "میں دو سو بزرگوں سے ملا ہوں جنکو رسول اللہ کی صحبت کا شرف حاصل تھا" مجتہدین صحابہ انکے علم و فضل کے معترف تھے عبداللہ بن عمر جو حضرت فاروق کے فرزند رشید اور صاحب افتا تھے اکثر فرماتے تھے کہ "عطا ابن رباح کے ہوتے لوگ میرے پاس کیوں آتے ہیں" حج کے زمانہ میں ہمیشہ سلطنت کی طرف سے ایک منادی مقرر ہوتا تھا کہ عطا کے سوا کوئی شخص فتوی دینے کا مجاز نہیں[3] ہو بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً امام اوزاعی زہری۔ عمرو بن دینار انھیں کے حلقہ درس سے نکلکر استاد کہلائے۔

---

[1] عقود الجمان باب دہم ۱۲ [2] تاریخ ابن خلکان ترجمہ عطا ابن ابی رباح ۱۲ [3] ابن خلکان اور کتب رجال میں انکی حالات پڑھو ۱۲

امام ابوحنیفہؒ استفادہ کی غرض سے انکی خدمت میں حاضر ہوتے تو انھوں نے احتیاط کے لحاظ سے عقیدہ پوچھا۔ امام نے کہا "میں اسلاف کو برا نہیں کہتا۔ گنہگار کو کافر نہیں سمجھتا۔ قضا و قدر کا قائل ہوں" عطا نے اجازت دی کہ حلقہ درس میں شامل ہوا کریں[1]۔ روز بروز انکی ذہانت و طباعی کے جوہر ظاہر ہوتے گئے اور اسکے ساتھ استاد کی نظر میں انکا وقار بھی بڑھتا گیا۔ یہانتک کہ جب یہ حلقہ درس میں جاتے تو عطا اوروں کو ہٹا کر انکو اپنے پہلو میں جگہ دیتے[2]۔ عطا ۱۱۵ھ تک زندہ رہے اس مدت میں امام ابوحنیفہؒ کو جب مکہ معظمہ جانے کا اتفاق ہوتا تو انکی خدمت میں اکثر حاضر رہتے اور مستفید ہوتے۔

عکرمہ

عطا کے سوا مکہ معظمہ کے اور محدثین جنسے امام نے حدیث کی سند لی انہیں سے عکرمہ کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا جاسکتا ہے عکرمہ حضرت عبداللہ بن عباس کے غلام اور شاگرد تھے انھوں نے نہایت توجہ اور کوشش سے انکی تعلیم و تربیت کی تھی۔ یہانتک کہ اپنی زندگی ہی میں اجتہاد و فتویٰ کا مجاز کر دیا تھا۔ عکرمہ نے اور بہت سے صحابہ مثلاً حضرت علی۔ ابوہریرہ۔ عبداللہ بن عمر۔ عقبہ بن عمر۔ صفوان۔ جابر۔ ابوقتادہ سے حدیثیں سیکھی تھیں اور فقہی مسائل تحقیق کئے تھے۔ کم و بیش ستر مشہور تابعین حدیث و تفسیر میں انکے شاگرد ہیں۔ امام شعبی کہا کرتے تھے کہ قرآن کا جاننے والا عکرمہ سے بڑھکر نہیں رہا۔ سعید بن جبیر کہ تابعین کے سرتاج تھے انسے ایک شخص نے پوچھا کہ دنیا میں آپسے بڑھکر بھی کوئی عالم ہے فرمایا ہاں عکرمہ۔

فقہائے سبعہ

اسی زمانہ میں یعنی سنہ ۱۰۲ھ سے پہلے امام ابوحنیفہ نے مدینہ کا قصد کیا کہ حدیث کا مخزن اور نبوت کا اخیر قرارگاہ تھا۔ صحابہ کے بعد تابعین کے گروہ میں سے سات شخص علم فقہ و حدیث کے مرجع بن گئے تھے اور مسائل شرعیہ میں عموماً انکی طرف رجوع کیا جاتا تھا ان لوگوں نے بڑے بڑے صحابہ کے دامن فیض میں تعلیم پائی تھی اور یہ مرتبہ حاصل کیا تھا کہ تمام ممالک اسلامی میں واسطہ در واسطہ انکے درس کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا یہ لوگ ہمعصر تھے اور ایک مشترکہ مجلس افتا کے ذریعہ سے تمام شرعی مسائل کا فیصلہ کرتے تھے مدینہ کی فقہ جسکی تدوین امام مالک نے کی اسکی بنیاد زیادہ تر انھیں کے فتووں پر ہے۔

امام ابوحنیفہ جب مدینہ میں پہنچے تو ان بزرگوں میں سے صرف دو شخص زندہ تھے سلیمان و سالم بن عبداللہ۔ سلیمان حضرت میمونہ کے جو رسول اللہ کی ازواج مطہرات میں سے تھیں غلام تھے اور فقہائے سبعہ میں فضل و کمال کے لحاظ سے انکا دوسرا نمبر تھا۔ سالم حضرت فاروقؓ کے پوتے تھے اور اپنے والد بزرگوار سے تعلیم پائی تھی۔ امام ابوحنیفہ دونوں بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انسے حدیثیں روایت کیں۔

امام ابوحنیفہ کی طالب العلمی کی مسافت اگرچہ مدینہ تک محدود ہے تاہم تعلم کا سلسلہ اخیر زندگی تک

---

[1] مختصر تاریخ بغداد لابن جزلہ ۱۲ [2] عقود الجمان باب حاشیہ ۱۲

قائم رہا۔ اکثر حرمین جاتے اور مہینوں قیام کرتے۔ حج کی تقریب میں ممالک اسلامی کے ہر گوشہ سے بڑے بڑے اہل کمال مکہ آکر جمع ہو جاتے تھے جنکا مقصد حج کے ساتھ افادہ و استفادہ بھی ہوتا تھا امام صاحب اکثر ان لوگوں سے ملتے اور مستفید ہوتے امام اوزاعی اور مکحول شامی کہ شام کے امام المذہب کہلاتے تھے امام ابوحنیفہ نے مکہ ہی میں ان سے تعارف حاصل کیا اور حدیث کی سند لی یہ وہ زمانہ تھا کہ امام صاحب کی ذہانت اور اجتہاد کی شہرت دور دور پہنچ گئی تھی یہانتک کہ ظاہر بینوں نے انکو قیاس مشہور کر دیا تھا انھیں دنوں میں عبداللہ بن مبارک نے جو امام ابوحنیفہ کے مشہور شاگرد ہیں بیروت کا سفر کیا کہ امام اوزاعی سے فن حدیث کی تکمیل کریں۔ پہلی ہی ملاقات میں اوزاعی نے ان سے پوچھا کہ "کوفہ میں ابوحنیفہ کون شخص پیدا ہوا ہے جو دین میں نئی باتیں نکالتا ہے" انھوں نے کچھ جواب نہ دیا اور گھر چلے آئے دو تین دن کے بعد پھر گئے تو کچھ اجزاء ساتھ لیتے گئے اوزاعی نے انکے ہاتھ سے وہ اجزاء لے لئے سرنامہ پر لکھا تھا "قال نعمان بن ثابت" دیر تک غور سے دیکھا کئے پھر عبداللہ سے پوچھا نعمان کون بزرگ ہیں۔ انہوں نے کہا عراق کے ایک شیخ ہیں جنکی صحبت میں میں رہا ہوں" فرمایا بڑے پایہ کا شخص ہے۔ عبداللہ نے عرض کی یہ وہی ابوحنیفہ ہیں جنکو آپ مبتدع بتاتے تھے اوزاعی کو اپنی غلطی پر افسوس ہوا۔ حج کی تقریب سے اوزاعی مکہ گئے تو امام ابوحنیفہ سے ملاقات ہوئی انھیں مسائل کا ذکر آیا اتفاق سے عبداللہ بن المبارک بھی موجود تھے انکا بیان ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اس خوبی سے تقریر کی کہ اوزاعی حیران رہ گئے۔ امام ابوحنیفہ کے جانے کے بعد مجھ سے کہا کہ "اس شخص کے کمال نے اسکو لوگوں کا محسود بنا دیا ہے بے شبہ میری بدگمانی غلط تھی جسکا میں افسوس کرتا ہوں" تاریخوں سے ثابت ہے کہ امام ابوحنیفہ نے فن حدیث میں امام اوزاعی کی شاگردی کی ہے غالباً یہی زمانہ ہوگا۔

اوزاعی

امام باقر علیہ السلام کی شاگردی

حضرت امام باقر علیہ السلام کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ امام ابوحنیفہ دوسری بار مدینہ گئے تو امام موصوف کی خدمت میں حاضر ہوئے انکے ایک ساتھی نے پہچنوایا کہ یہ ابوحنیفہ ہیں انھوں نے ابوحنیفہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "ہاں تمھیں قیاس کی بنا پر ہمارے دادا کی حدیثوں سے مخالفت کرتے ہو" انھوں نے نہایت ادب سے کہا "معاذ اللہ حدیث کی کون مخالفت کر سکتا ہے آپ تشریف رکھیں تو کچھ عرض کروں" پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی (ابوحنیفہ) مرد ضعیف ہے یا عورت (امام باقر) عورت (ابوحنیفہ) وراثت میں مرد کا حصہ زیادہ ہے یا عورت کا (امام باقر) مرد کا (ابوحنیفہ) میں قیاس لگاتا تو کہتا کہ عورت کو زیادہ حصہ دیا جائے کیونکہ ضعیف کو ظاہر قیاس کی بنا پر زیادہ ملنا چاہیے۔ پھر پوچھا نماز افضل ہے یا روزہ (امام باقر) نماز (ابوحنیفہ) اس اعتبار سے حائضہ عورت پر نماز کی قضا واجب ہونی چاہیے نہ روزہ کی۔ حالانکہ میں روزہ ہی کی قضا کا

سلہ مختصر تاریخ بغداد ۱۲

فتوی دیتا ہوں۔ امام باقرؑ اس قدر خوش ہوئے کہ اُٹھکر انکی پیشانی چوم لی۔[1] ابو حنیفہ ایک مدت تک استفادہ کی غرض سے انکی خدمت میں حاضر رہے اور فقہ و حدیث کے متعلق بہت سی نادر باتیں حاصل کیں شیعہ سُنّی دونوں نے مانا ہے کہ امام ابو حنیفہ کی معلومات کا بڑا ذخیرہ حضرت ممدوح کا فیض صحبت تھا امام صاحب نے انکے فرزند رشید حضرت جعفر صادق علیہ السلام کی فیض صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا جس کا ذکر عموماً تاریخوں میں پایا جاتا ہے ابن تیمیہ نے اس سے انکار کیا ہے اور اس کی وجہ یہ خیال کی ہے کہ امام ابو حنیفہ حضرت جعفر صادق کے معاصر اور ہمسر تھے اسلئے انکی شاگردی کیونکر اختیار کرتے لیکن یہ ابن تیمیہ کی گستاخی اور خیرہ چشمی ہے امام ابو حنیفہ لاکھ مجتہد اور فقیہ ہوں لیکن فضل و کمال میں انکو حضرت جعفر صادق سے کیا نسبت ؟ حدیث و فقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہل بیت کے گھر سے نکلے وصاحب البیت ادری بما فیھا یا

تو وہ زمانہ تھا کہ امام ابو حنیفہ نے ایک طالب العلم کی حیثیت سے حرمین کا سفر کیا تھا یا اب یہ نوبت پہنچی کہ سفر کا قصد کرتے تو تمام اطراف میں شہرہ ہو جاتا کہ فقیہ عراق عرب کو جا رہا ہے جس شہر یا گاؤں میں گزر ہوتا ہزاروں آدمیوں کا مجمع ہو جاتا۔ ایک دفعہ مکہ معظمہ گئے تو لوگوں کی وہ کثرت ہوئی کہ مجلس میں تل رکھنے کو جگہ نہ تھی ارباب حدیث، و فقہ دونوں فرقے کے لوگ تھے اور شوق کا یہ عالم تھا کہ ایک پر ایک گرا پڑتا تھا۔ آخر امام صاحب نے تنگ آکر فرمایا "کاش ہمارے میزبان سے جاکر کوئی کہتا کہ اس ہجوم کا انتظام کرتے"، ابو عاصم نبیل حاضر تھے عرض کی کہ میں جاتا ہوں لیکن چند مسئلے دریافت کرنے رہ گئے ہیں۔ امام نے پاس بلایا اور زیادہ توجہ کیساتھ ان کی باتیں سنیں اس میں میزبان کا خیال جاتا رہا۔ ابو عاصم سے فارغ ہو کر ایک اور طالب العلم کی طرف متوجہ ہوئے اور پھر وہی سلسلہ قائم ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد خیال آیا تو فرمایا کسی شخص نے میزبان کے پاس جانے کا اقرار کیا تھا وہ کہاں گیا۔ ابو عاصم بولے میں نے عرض کیا تھا۔ فرمایا پھر تم گئے نہیں ؟ ابو عاصم نے مناظرانہ شوخی سے کہا "میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ ابھی جاتا ہوں جب فرصت ہوگی جاؤنگا" امام نے فرمایا "عام بول چال میں ان احتمالات کا موقع نہیں۔ ان لفظوں کے معنی ہمیشہ وہی لئے جائیں گے جو عوام کی غرض ہوتی ہے"[2] ایک اعتبار سے یہ بھی ایک فقہی مسئلہ تھا جسکو امام صاحب نے باتوں باتوں میں حل کر دیا۔

امام صاحب کے اساتذہ انکی نہایت عزت کرتے تھے۔

امام صاحب کے اساتذہ انکا اس قدر ادب و احترام کرتے تھے کہ لوگوں کو تعجب ہوتا تھا۔ محمد بن الفضل کا بیان ہے کہ ایک دفعہ امام ابو حنیفہ ایک حدیث کی تحقیق کیلئے خصیب کے پاس گئے میں بھی ساتھ تھا خصیب نے انکو آتے دیکھا تو اٹھ کھڑے ہوئے اور نہایت تعظیم کیساتھ لاکر اپنے برابر بٹھایا۔ امام صاحب نے پوچھا کہ "بیضۂ نعام کے بارے میں کیا حدیث آئی ہے" خصیب نے کہا "اخبرنی ابو عبیدۃ عن عبد اللہ بن مسعود فی بیضۃ النعام یصیبھا المحرم

---

[1] عقود الجمان باب تاسع و تم ۱۷ [2] الجواہر المضیۃ باب الکنی ترجمہ ابو عاصم النبیل ۱۲

ان فیہ قیمۃ، عمرو بن دینار جو کہ مشہور محدث تھے ابو حنیفہ کے ہوتے حلقہ درس میں اور کسی کیطرف خطاب نہیں
کرتے تھے۔ اس عظمت کیساتھ امام صاحب کو طلب علم میں کسی سے عار نہ تھی۔ امام مالک عمر میں ان سے
تیرہ برس کم تھے انکے حلقہ درس میں بھی اکثر حاضر ہوئے اور حدیثیں سنیں۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا
ہے کہ "امام مالک کے سامنے ابو حنیفہ اس طرح مودب بیٹھتے تھے جس طرح شاگرد استاد کے سامنے بیٹھتا
ہے" اسکو بعض کوتاہ بینوں نے امام کی کسر شان پر محمول کیا ہے لیکن ہم اسکو علم کی قدر شناسی اور شرافت
کا تمغہ سمجھتے ہیں۔ امام مالک بھی انکا نہایت احترام کرتے تھے۔ عبداللہ بن المبارک کی زبانی منقول ہے کہ میں امام
مالک کی خدمت میں حاضر تھا ایک بزرگ آئے جنکی اونھوں نے نہایت تعظیم کی اور اپنی برابر بٹھایا انکے جانیکے بعد
فرمایا جانتے ہو یہ کون شخص تھا، یہ ابو حنیفہ عراقی تھے جو اس ستون کو سونے کا ثابت کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں"
ذرا دیر کے بعد ایک اور بزرگ آئے امام مالک نے انکی بھی تعظیم کی لیکن نہ اس قدر جتنی ابو حنیفہ کی کی تھی وہ
اٹھ گئے تو لوگوں سے کہا یہ سفیان ثوری تھے

امام کی صحبت

حجاز و عراق کے ائمہ فن روایت کے متعلق جدا جدا اصول رکھتے تھے طرز تعلیم بھی مختلف تھا بعضوں کے
نزدیک لکھنے کا زیادہ اعتبار تھا بعض مثلاً ابراہیم شعبی صرف حافظہ سند سمجھتے تھے اکثروں نے اس بات کو
جائز رکھا تھا کہ مطلب میں فرق نہ آئے تو روایت میں حدیث کا ایک ٹکڑا چھوڑ دیا جاسکتا ہے بعض اس کے
بالکل خلاف تھے ایک فریق کہتا تھا کہ راوی جب تک سامنے نہ ہو اس سے روایت نہیں کیجا سکتی شعبہ جو امام
صاحب کے استاد تھے ان کا یہی مذہب تھا۔ دوسرا گروہ پردہ کی اوٹ سے تحریر کی بنا پر روایت کرنے کو جائز سمجھتا
تھا۔ امام زہری کی عادت تھی کہ روایت کے ساتھ الفاظ و مطالب کی تفسیر بھی کرتے جاتے تھے بعض لوگ
اس کے سخت مخالف تھے یہاں تک کہ ایک شخص نے خود زہری کو ٹوکا "کہ حدیث نبوی میں آپ اپنے الفاظ
نہ ملائیں" امام مالک کو یہ طریقہ زیادہ پسند تھا کہ شاگرد پڑھیں اور وہ سنتے جائیں بعض اس کے مخالف تھے
یحیی بن سلام اتنی بات پر انکے حلقہ درس سے ناراض ہو کر اٹھ آئے کہ "وہ خود نہیں پڑھتے۔ شاگردوں سے
پڑھواتے ہیں" اسی طرح اور بہت سے اختلافات تھے جنکو فتح المغیث میں تفصیل سے ذکر کیا ہے امام ابو حنیفہ
کی کثرت شیوخ اور ریزہ چینیوں کا ایک بڑا مقصد یہ تھا کہ ان مختلف اصول سے آگاہ ہوں تاکہ سب کے
مقابلہ سے خود ایک مستقل اور جنچی ہوئی رائے قائم کرسکیں۔ امام موصوف نے اصول میں جو اصلاحیں کی ہیں
ان کا بیان آگے آئے گا۔

تعلیم حدیث کے مختلف طریقے

امام کی یہ بڑی خوش قسمتی تھی کہ انکی آغاز تحصیل ہی میں حدیث کی تعلیم کا طریقہ مرتب اور باقاعدہ ہو چلا
تھا اس سے پہلے عموماً زبانی روایت کا رواج تھا بعض ائمہ حدیث کتابت کو قریباً ناجائز سمجھتے تھے حضرت عمر

طریقہ تعلیم کی ترقی

بن عبدالعزیز نے تقریباً سنہ ۱۰۱ھ میں اہل مدینہ کو خط لکھا جسکے الفاظ یہ تھے انظروا ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاکتبوہ فانی خشیت دروس العلم و ذھاب العلماء یعنی رسول اللہ کی جسقدر حدیثیں ہیں قلمبند کرلی جائیں ورنہ ضائع ہونے کا ڈر ہے" اور شہروں میں بھی اسی مضمون کے فرامین بھیجے۔ چنانچہ مدینہ میں امام زہری نے ایک مجموعہ مرتب کیا جس کی نقلیں سلطنت کی طرف سے تمام ممالک اسلامی میں شائع کی گئیں۔[1] اُس وقت سے تدوین کا عام رواج ہوگیا اور جہاں جہاں اہل حدیث تھے اسی طریقہ کو برتنے لگے۔ شعبی (امام ابوحنیفہ کے استاد) کو اگرچہ زبانی روایت پر اصرار تھا تاہم کتاب ساتھ رکھتے تھے۔ طرز تعلیم نے بھی نہایت ترقی کی۔ شیخ مجمع عام میں ایک بلند مقام پر بیٹھتا اور حدیث کا مجموعہ ہاتھ میں ہوتا۔ شاگرد قلم دوات لیکر بیٹھتے اور استاد جو کچھ روایت کرتا اسی کے الفاظ میں لکھتے جاتے۔ شائقین کی زیادہ کثرت ہوتی تو ایک مستملی کھڑا ہو کر وہ الفاظ دور کے بیٹھنے والوں تک پہنچاتا مگر یہ التزام تھا کہ مطلب بلکہ جہاں تک ممکن ہو الفاظ میں فرق نہ آئے۔ اس ضرورت سے مستملی ہمیشہ ایسا شخص مقرر ہوتا تھا جسکا حافظہ قوی اور معلومات وسیع ہوں۔ ساتھ ہی خوش لہجہ اور بلند آواز ہو۔ چنانچہ امام شعبہ کی مجلس درس میں آدم بن ابی ایاس اور امام مالک کے حلقہ میں ابن علیہ اس خدمت پر مامور تھے۔

امام کے شیوخ حدیث بہت تھے

امام ابوحنیفہ اس خصوصیت کے ساتھ مشہور ہیں کہ انکے شیوخ حدیث بیشمار ہیں۔ ابوحفص کبیر نے دعوی کیا ہے کہ امام نے کم از کم چار ہزار شخصوں سے حدیثیں روایت کیں اگرچہ تاریخ اسلام میں یہ کوئی عجیب بات نہیں مسلمانوں نے حدیثوں کے جمع کرنے میں جو محنتیں اور جانفشانیاں کی ہیں دنیا کی اور قومیں اسکا اندازہ بھی نہیں کر سکتیں، ہم متعدد شخصوں کے نام بتا سکتے ہیں جنکے شیوخ حدیث چار ہزار سے کم نہ تھے اور ایسے تو بہت گزرے ہیں جنکے اساتذہ ہزار سے زیادہ تھے علامہ سخاوی نے فتح المغیث میں ان لوگوں کے نام بھی گنائے ہیں لیکن انصاف یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کی نسبت یہ دعویٰ محدثانہ اصول پر ثابت نہیں ہو سکتا البتہ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ امام نے ایک گروہ کثیر سے روایت کی ہے اور اسکا خود محدثین کو اعتراف ہے علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں جہاں انکے شیوخ حدیث کے نام گنوائے ہیں اخیر میں لکھ دیا ہے "وخلق کثیر" حافظ ابوالمحاسن شافعی نے عقود الجمان میں تین سو انیس شخصوں کے نام بقید نسب لکھے ہیں اور اخیر میں لکھدیا ہے کہ میں نے ایک دوسری کتاب میں جسکا نام تحصیل السبیل الی معرفۃ الثقات والمجاہیل ہے ان لوگوں کے حالات بھی تفصیل سے لکھے ہیں لیکن چونکہ انکی فہرست زیادہ تر فقہاء حنفیہ سے ماخوذ ہے ممکن ہے کہ محدثین کو کلیۃً اس سے اتفاق نہ ہو۔

افسوس ہے کہ محدثین نے امام مالک کے حالات میں جو کتابیں لکھی ہیں اور جنمیں انکے شیوخ کا پورا پورا

[1] فتح المغیث صفحہ ۲۳۹ و مقدمہ قسطلانی شرح بخاری مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۱۲۶۔

استقصا کیا ہے ہماری نظر سے نہیں گزریں رجال کی مستند کتابیں جن میں[1] کا ذکر ہے ہمارے سامنے ہیں لیکن انمیں سینکڑوں ہزاروں آدمیوں کے حالات ہیں اسوجہ سے کسی خاص شخص کے متعلق پوری تفصیل نہیں مل سکتی۔ مختصر تاریخ بغداد۔ تہذیب الکمال۔ تہذیب الاسماء واللغات۔ تذکرۃ الحفاظ۔ ملخص طبقات الحفاظ تہذیب التہذیب۔ انساب سمعانی۔ موطا امام محمد۔ کتاب الآثار امام محمد کے تتبع سے جسقدر انکے شیوخ انتخاب ہو سکتے ہیں انکے نام حسب ذیل ہیں۔ ان میں سے اکثر کے اجمالی حالات ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ عطا بن ابی رباح مکی۔ عاصم بن ابی النجود کوفی۔ علقمہ بن مرثد کوفی۔ حکم بن عتیبہ کوفی۔ سلمہ بن کہیل کوفی۔ حضرت امام باقر علیہ السلام مدنی۔ علی بن الاقمر الکوفی۔ زیاد بن علاقہ کوفی۔ سعید بن مسروق کوفی۔ عدی بن ثابت انصاری کوفی عطیہ بن سعید کوفی۔ ابو سفیان سعدی۔ عبدالکریم بن امیہ بصری۔ یحییٰ بن سعید مدنی۔ ہشام بن عروہ مدنی (التہذیب التہذیب حافظ ابن حجر عسقلانی)۔ ابو اسحٰق السبیعی کوفی۔ نافع بن عمر مدنی۔ عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج المدنی۔ قتادہ بصری عمرو بن دینار المکی۔ محارب بن دثار کوفی۔ ہیثم بن حبیب الصراف کوفی۔ قیس بن مسلم کوفی۔ محمد المنکدر المدنی یزید الفقیر کوفی۔ سماک بن حرب کوفی۔ عبدالعزیز بن رفیع المکی۔ مکحول شامی۔ عمرو بن مرۃ الکوفی۔ ابو الزبیر محمد بن مسلم مکی۔ عبدالملک بن عمیر کوفی۔ منصور بن زاذان۔ منصور المعتمر۔ عطا بن السائب الثقفی۔ عطا بن ابی مسلم الخراسانی عاصم بن سلیمان الاحول بصری۔ اعمش کوفی۔ عبداللہ بن عمر بن حفص المدنی۔ امام اوزاعی (طبقات الحفاظ ذہبی ازمقامات مختلفہ) ابراہیم بن محمد الکوفی۔ اسمٰعیل بن عبدالملک المکی۔ حارث بن عبدالرحمٰن المکی۔ خالد بن علقمہ الوداعی ربیعۃ الرائی۔ شداد بن عبدالرحمٰن بصری۔ شیبان بن عبدالرحمٰن بصری۔ طاؤس بن کیسان یمنی۔ عبدالرحمٰن بن دینار المدنی۔ عکرمہ مولیٰ بن عباس مکی۔ ابن عون عبداللہ کوفی۔ قابوس بن ابی ظبیان کوفی۔ محمد بن السائب الکلبی کوفی۔ محمد بن مسلم بن شہاب الزہری۔ ابو سعید مولیٰ بن عباس (تہذیب کمال) موسیٰ بن ابی عائشہ کوفی۔ صلت بن بہرام۔ عثمان بن عبداللہ بن حوشب۔ ہلال۔ ہیثم بن ابی الہیثم۔ حصین بن عبدالرحمٰن۔ معن۔ میمون بن سیاہ۔ جواب التیمی۔ سالم الافطس۔ یحییٰ بن عمرو بن سلمہ۔ عمرو بن جبیر۔ عبیداللہ بن عمر۔ محمد بن مالک الہمدانی۔ ابو السوار۔ خارجۃ بن عبداللہ۔ عبدالصمد بن ابی زیاد۔ حکم بن زیاد۔ کثیر الاصم۔ حمید الاعرج۔ ابو العطوف۔ عبداللہ بن الحسن۔ سلیمان الشیبانی۔ سعید المرزبان عثمان بن عبداللہ۔ ابو حجیہ (کتاب الآثار امام محمد)۔

ہمنے اسقدر نام سرسری طور سے انتخاب کیے ہیں زیادہ چھان بین کرتے تو شاید عقود الجمان کی فہرست کی برابر اترتے لیکن سچ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کیلیے کثرت شیوخ اسقدر فخر کا باعث نہیں جتنا کہ انکی احتیاط اور تحقیق ہے وہ اس نکتہ سے خوب واقف تھے کہ روایتوں میں جسقدر واسطے زیادہ ہوتے ہیں اسی قدر تغیر و تبدل کا

شیوخ حدیث کا شمار

[1] ان کتابوں میں تہذیب الکمال میری نظر سے نہیں گزری مولوی عبدالحی صاحب مرحوم نے التعلیق الممجد میں امام ابوحنیفہ کے شیوخ تہذیب الکمال کے حوالے سے لکھے ہیں میں نے انہی کے حوالے سے لکھے ہیں ۱۲

احتمال بڑھتا جاتا ہے۔ یہی بات ہے کہ انکے اساتذہ اکثر تابعین ہیں جنکو رسول اللہ تک صرف ایک واسطہ ہے یا وہ لوگ ہیں جو مدت تک بڑے بڑے تابعین کی صحبت میں رہے تھے اور علم و فضل دیانت و پرہیزگاری کے نمونے خیال کئے جاتے تھے ان دو قسموں کے سوا اگر ہیں تو شاذ ہیں۔ انکی تعلیم کا طریقہ بھی عام طالبعلموں سے الگ تھا بحث و اجتہاد کی شروع سے عادت تھی اور یہ سبب ہیں وہ استادوں کی مخالفت کی بھی کچھ پروا نہ کرتے تھے ایک دفعہ حماد کے ساتھ امام اعمش کی مشائعت کو نکلے چلتے چلتے مغرب کا وقت آگیا وضو کے لئے پانی کی تلاش ہوئی مگر کہیں نہ ملسکا حماد نے تیمم کا فتوی دیا۔ امام نے مخالفت کی کہ اخیر وقت تک پانی کا انتظار کرنا چاہئے۔ اتفاق یہ کہ کچھ دور چلکر پانی ملگیا اور سب نے وضو سے نماز ادا کی کہتے ہیں یہ پہلا موقع تھا کہ استاد سے مخالفت کی اور غالباً یہ زمانہ تحصیل علم کا آغاز تھا۔ امام شعبی انکے استاد قائل تھے کہ معصیت میں کفارہ نہیں۔ ایکدفعہ استاد و شاگرد کشتی میں سوار جا رہے تھے اس مسئلہ کا ذکر آیا۔ انھوں نے کہا ضرور معصیت میں کفارہ ہے۔ کیونکہ خدا نے ظہار میں کفارہ مقرر کیا ہے اور اس آیت میں "انھم لیقولون منکرا من القول وزورا" تصریح کردی ہے کہ ظہار معصیت ہے۔" امام شعبی کچھ جواب نہ دے سکے خفا ہوکر فرمایا اقیاس انت عطا ابن ابی رباح سے کسی نے اس آیت کے معنے پوچھے "واتیناہ اھلہ ومثلھم معھم" عطا نے کہا "خدا نے حضرت ایوب کی آل و اولاد جو مرگئی تھی زندہ کردی اور انکے ساتھ اور نئی پیدا کردی۔ امام ابو حنیفہ نے کہا جو شخص کسی کی صلب سے نہ پیدا ہوا ہو وہ اسکی اولاد کیونکر ہو سکتا ہے[۲]

امام صاحب کی علمی ترقی کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ انکو بڑے بڑے اہل کمال کی صحبتیں میسر آئیں جن شہروں میں انکو رہنے کا اتفاق ہوا یعنی کوفہ۔ بصرہ۔ مکہ۔ مدینہ۔ یہ وہ مقامات تھے کہ مذہبی روایتیں وہاں کی ہواؤں میں سرایت کر گئی تھیں علماء سے ملنے اور علمی جلسوں میں شریک ہونیکا شوق امام کے خمیر میں داخل تھا ساتھ ہی انکی شہرت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ جہاں جاتے تھے استفادہ۔ ملاقات۔ مناظرہ کی غرض سے خود انکے پاس ہزاروں آدمیوں کا مجمع رہتا تھا۔

درس و افتا و بقیہ زندگی

استاد کا ادب

اگرچہ حماد کی زندگی ہی میں امام صاحب نے اجتہاد کا رتبہ حاصل کرلیا تھا عمر بھی کچھ کم نہ تھی یعنی حماد کی وفات کے وقت کم و بیش چالیس برس کا سن تھا تاہم شاگردانہ خلوص نے یہ گوارا نہ کیا کہ استاد کے ہوتے اپنا دربار الگ جمائیں اگلے زمانہ میں استاد کے ساتھ جو محبت اور ادب آمیز تعلق ہوتا تھا آج اسکا اندازہ کرنا بھی

---

[۱] عقود الجمان۔ باب ثامن ۱۲ [۲] مختصر تاریخ بغداد ترجمہ امام ابو حنیفہ ۱۲

مشکل ہے۔ خود امام سے منقول ہے کہ حماد جب تک زندہ رہے میں نے انکے مکان کی طرف کبھی پاؤں نہیں
پھیلائے حماد نے سنہ ۱۲۰ھ میں قضا کی چونکہ ابراہیم نخعی کے بعد فقہ کا دارومدار انہیں پر رہ گیا تھا انکی موت نے
کوفہ کو بے چراغ کر دیا حماد نے ایک لائق بیٹا چھوڑا تھا لوگوں نے انہیں کو مسند درس پر بٹھایا لیکن وہ لغت
اور عرب کی طرف زیادہ مائل تھے۔ آخر موسیٰ بن کثیر نے کہ حماد کے شاگردوں میں تجربہ کار اور سن کے لحاظ
سے سب سے ممتاز تھے انکی جگہ لی۔ وہ اگرچہ فقہ کے پورے ماہر نہ تھے لیکن اکثر بزرگوں کی صحبتیں اٹھائی
تھیں اور اس وجہ سے لوگوں پر انکا ایک خاص اثر تھا چند روز تک حلقہ درس انکی وجہ سے قائم رہا وہ حج
کو چلے گئے تو تمام بزرگوں نے متفقاً امام ابوحنیفہ سے درخواست کی کہ مسند درس کو مشرف فرمائیں مختلف
حالتوں کا اقتضا یہ ہوا یا تو وہ زمانہ تھا کہ جوانی ہی میں استادی کی مسند پر بیٹھنے کی آرزو تھی یا اب اور لوگ
درخواست کرتے ہیں اور انکو اس کی ذمہ داریوں کے لحاظ سے انکار ہے تاہم لوگوں کا اصرار غالب آیا
اور چار و ناچار قبول کرنا پڑا پھر بھی دل مطمئن نہ تھا حافظ ابوالمحاسن نے لکھا ہے کہ انہیں دنوں میں خواب
دیکھا کہ پیغمبر خدا کی قبر مبارک کھود رہے ہیں [1] ڈر کر چونک پڑے اور سمجھے کہ میری ناقابلیت کی طرف اشارہ ہے
امام ابن سیرین علم تعبیر کے استاد مانے جاتے تھے انھوں نے تعبیر بتائی کہ اس سے ایک مردہ علم کو زندہ کرنا
مقصود ہے امام صاحب کو تسکین ہو گئی اور اطمینان کے ساتھ درس میں مشغول ہوئے۔ خواب کا ذکر تمام
مورخوں اور محدثوں نے بھی کیا ہے اس لحاظ سے گمان غالب ہے کہ اصل واقعہ صحیح ہو لیکن یہ زمانہ اور ابن
سیرین کی تعبیر کوئی غلط ہے کیونکہ ابن سیرین اس سے بہت پہلے سنہ ۱۱۰ھ میں قضا کر چکے تھے بہر حال امام
صاحب نے استقلال کے ساتھ تدریس شروع کی۔ اول اول حماد کے پرانے شاگرد درس میں شریک ہوتے
تھے لیکن چند روز میں وہ شہرت ہوئی کہ کوفہ کی اکثر درسگاہیں ٹوٹ کر انکے حلقہ میں آ ملیں نوبت یہاں تک پہنچی
کہ خود انکے اساتذہ مثلاً مسعر بن کدام۔ امام اعمش وغیرہ ان سے استفادہ کرتے تھے اور دوسروں کو ترغیب
دلاتے تھے اسپین کے سوا اسلامی دنیا کا کوئی حصہ نہ تھا جو انکی شاگردی کے تعلق سے آزاد رہا ہو جن جن
مقامات کے رہنے والے انکی خدمت میں پہنچے ان سب کا شمار نہیں ہو سکتا لیکن جن اضلاع یا ممالک کا نام
خصوصیت کے ساتھ لیا گیا ہے وہ یہ ہے۔ مکہ۔ مدینہ۔ دمشق۔ بصرہ۔ واسط۔ موصل۔ جزیرہ۔ رقہ۔ نصیبین
رملہ۔ مصر۔ یمن۔ یمامہ۔ بحرین۔ بغداد۔ اہواز۔ کرمان۔ اصفہان۔ حلوان۔ استرآباد۔ ہمدان۔ نہاوند۔ رے۔ قومس
دامغان۔ طبرستان۔ جرجان۔ نیشاپور۔ سرخس۔ نسا۔ بخارا۔ سمرقند۔ کس۔ صغانیان۔ ترمذ۔ ہرات۔ قہستان۔
خوارزم۔ سیستان۔ مدائن۔ مصیصہ۔ حمص[1]۔ مختصر یہ کہ انکی استادی کے حدود خلیفہ وقت کی حدود مملکت کے

سلسلہ درس کی وسعت

[1] عقود الجمان باب عاشر ۱۲

برابر ستے رفتہ رفتہ عراق میں انکا علمی اثر قائم ہوگیا یہاں تک کہ ملک میں جو انقلابات ہوتے تھے لوگوں کو انکی شرکت کا عموماً گمان ہوتا تھا۔ شاہ عبد العزیز صاحب نے تحفہ میں لکھا ہو کہ زید بن علی[۱] نے بنو امیہ کے عہد میں جو بغاوت کی تھی امام صاحب بھی اس میں شریک تھے۔ "نامۂ دانشوران" کے مولفوں نے بھی ایسا ہی گمان کیا ہو لیکن ہم اسپر یقین نہیں کر سکتے جسقدر تاریخیں اور رجال کی کتابیں ہمارے سامنے ہیں ان میں کہیں اسکا ذکر نہیں حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو ایک قابل ذکر واقعہ تھا۔ زید بن علی نے ۱۲۱ھ میں بغاوت کی تھی اسوقت ہشام بن عبد الملک تخت خلافت پر متمکن تھا ہشام اگرچہ کفایت شعار اور بعض امور میں نہایت جزرس تھا لیکن اسکی سلطنت نہایت امن و امان کی سلطنت تھی ملک میں ہر طرف امن و امان کا سکہ بیٹھا ہوا تھا رعایا عموماً رضامند تھی بیت المال میں ناجائز آمدنیاں داخل نہیں ہو سکتی تھیں اس حالت میں امام ابو حنیفہ کو مخالفت کی کوئی وجہ نہ تھی زید بن علی سادات میں ایک صاحب اوعا شخص تھے۔ بے شبہ انکو بغاوت کرنی ضرور تھی کیونکہ (بخیال انکے) خلافت انکا خاص حق تھا غالباً اس غلط فہمی کا منشا یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کا خاندان اہلبیت کے ساتھ ایک خاص ارادت رکھتا تھا۔ امام صاحب نے ایک مدت تک امام باقر کے دامن فیض میں تربیت پائی تھی۔ کوفہ کی ہوا میں ایک مدت تک شیعہ پن کا اثر تھا ان اتفاقی واقعات نے امام ابو حنیفہ کی نسبت یہ گمان پیدا کر دیا ورنہ تاریخی شہادتیں بالکل اسکے خلاف ہیں ہشام نے ۱۲۵ھ میں وفات کی اس کے بعد ولید بن یزید، یزید الناقص۔ ابراہیم بن ولید۔ مروان الحمار یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے عباسی خلافت کی سلسلہ جنبانی جو ایک مدت سے ہو رہی تھی مروان کے عہد میں نہایت قوت پکڑ گئی۔ ابو مسلم خراسانی نے تمام ملک میں سازشوں کا جال پھیلا دیا اور مروانی حکومت کی جڑ ہلا دی چونکہ زیادہ تر فساد کا مرکز عراق اور عراق میں بھی خاص کوفہ تھا۔ مروان نے یزید بن عمرو بن ہبیرہ کو وہاں کا گورنر مقرر کیا جو نہایت مدبر۔ دلیر۔ فیاض خاندانی اور صاحب اثر شخص تھا۔ یزید نے حکومت مروانی کی ترکیب کو غور سے دیکھا تھا وہ سمجھ چکا تھا کہ اس کل میں اور سب کچھ ہے لیکن مذہبی پرزے نہیں اس بنا پر اُسنے چاہا کہ ایوان حکومت مذہبی ستونوں پر قائم کیا جائے۔ عراق کے تمام فقہا کو جنہیں قاضی ابن ابی لیلیٰ ابن شبرمہ داؤد بن ہند۔ بھی شامل تھے بلا کر بڑی بڑی ملکی خدمتیں دیں امام صاحب کو میر منشی اور افسر خزانہ مقرر کرنا چاہا انھوں نے صاف انکار کیا۔ یزید نے قسم کھا کر کہا کہ جبراً منظور کرنا ہوگا اُسکے ہمصحبت بزرگوں نے بھی سمجھایا مگر یہ اپنے انکار پر قائم رہے اور کہا کہ اگر یزید کہے کہ مسجد کے دروازے گن دو تو بھی مجھکو گوارا نہیں نہ کہ وہ کسی مسلمان کے قتل کا فرمان لکھے اور میں اسپر مُہر کروں[۲] یزید نے غصہ میں آکر حکم دیا کہ ہر روز انکو دس درے

زید بن علی کے خروج میں امام صاحب شریک نہ تھے

قبول خدمت سے انکار

---

[۱] عقود الجمان باب عاشر ۱۲　[۲] عقود الجمان باب بست ویکم ۱۲

لگائے جائیں۔ اس ظالمانہ حکم کی تعمیل ہوئی تاہم وہ اپنی ضد سے باز نہ آئے آخر مجبور ہو کر یزید نے چھوڑ دیا ایک روایت میں ہے کہ اسی وقت مکہ معظمہ روانہ ہوئے اور سنہ ١٣٠ھ تک وہیں رہے ابن قتیبہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ یہ جھگڑا قضا کے قبول کرنے پر تھا ممکن ہے کہ یہ عہدہ بھی انکے لئے تجویز ہوا ہو اور انہوں نے اس سے بھی انکار کیا ہو سنہ ١٣٢ھ میں سلطنت اسلام نے دوسرا پہلو بدلا یعنی بنو امیہ کا خاتمہ ہو گیا اور آل عباس تاج و تخت کے مالک ہوئے اس خاندان کا پہلا فرمانروا ابو العباس سفاح تھا اسنے چار برس کی حکومت کے بعد سنہ ١٣٦ھ میں قضا کی سفاح کے بعد اسکا بھائی منصور تخت نشین ہوا عباسیوں نے گو اموی خاندان کو بالکل تباہ کر دیا تھا یہاں تک کہ خلفائے بنی امیہ کی قبریں اکھڑوا کر انکی ہڈیاں تک جلادیں تاہم چونکہ نئی نئی سلطنت تھی اور انتظام کا سکہ نہیں بیٹھا تھا جا بجا بغاوتیں اٹھیں۔ ان فتنوں کے فرو کرنے میں سفاح اور منصور اعتدال کی حد سے بہت دور نکل گئے اور وہ زیادتیاں کیں کہ مروانی حکومت کا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا تمام ملک کی آنکھیں ان نئے جانشینوں پر لگی تھیں لیکن ان خونریزیوں نے سب کے دل افسردہ کر دیئے چنانچہ ایک موقع پر منصور نے عبد الرحمن سے جو اسکا بچپن کا یار تھا پوچھا کہ ہماری سلطنت کو مروان کی سلطنت سے کیا نسبت ہے" اسنے کہا "میرے نزدیک تو کچھ فرق نہیں" منصور نے کہا "کیا کروں کام کے آدمی نہیں ملتے" عبد الرحمن نے کہا "بازار میں جس جنس کی زیادہ مانگ ہوتی ہے کثرت بھی اسی کی ہوتی ہے"

سفاح اور منصور کی سفاکیاں

اور بے رحمیاں تو تھی ہی منصور نے یہ ستم کیا کہ سادات کی خانہ بربادی شروع کی اس میں شبہ نہیں کہ سادات ایک مدت سے خلافت کا خیال پکا رہی تھی اور ایک لحاظ سے انکا حق بھی تھا تاہم سفاح کی وفات تک انکی کوئی سازش ظاہر نہ ہوئی تھی۔ صرف بدگمانی پر منصور نے سادات و علویین کی بیخ کنی شروع کی جو لوگ ان میں ممتاز تھے ان کے ساتھ زیادہ بیرحمیاں کیں محمد بن ابراہیم کہ حسن و جمال میں یگانہ روزگار تھے اور اس وجہ سے دیباج کہلاتے تھے انکو زندہ دیوار میں چنوا دیا ان بیرحمیوں کی ایک بڑی داستان ہے جس کے بیان کرنے کو بڑا سخت دل چاہیئے آخر تنگ آکر سنہ ١٤٥ھ میں انھیں مظلوم سادات میں سے محمد نفس زکیہ نے تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ مدینہ منورہ میں خروج کیا اور چند روز میں ایک بڑی جمعیت پیدا کر لی بڑے بڑے پیشوایان مذہب حتی کہ امام مالک نے فتوی دیا کہ منصور کی "جبراً بیعت لی" خلافت نفس زکیہ کا حق ہے نفس

نفس زکیہ اور ابراہیم کی بغاوت

زکیہ اگرچہ نہایت دلیر قوی بازو فن جنگ سے واقف تھے لیکن تقدیر سے کس کا زور چل سکتا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ رمضان سنہ ١٤٥ھ میں نہایت بہادری سے لڑ کر میدان جنگ میں مارے گئے انکے بعد ابراہیم انکے بھائی نے علم خلافت بلند کیا اور اس سر و سامان سے مقابلہ کو اٹھے کہ منصور کے حواس جاتے رہے کہتے ہیں کہ اس اضطراب میں منصور نے دو مہینے تک کپڑے نہیں بدلے۔ سرہانے سے تکیہ اٹھا لیا تھا اور کہتا تھا کہ میں

نہیں جانتا کہ یہ بچہ میرا ہے یا ابراہیم کا"۔ انھیں دنوں میں دو کنیزیں حرم میں آئیں لیکن بات تک نہ کی۔ ایک شخص نے سبب پوچھا تو کہا یہ فرصت کے کام ہیں اسوقت تو یہ دھن ہے کہ ابراہیم کا سر میرے آگے آئے یا میرا سر ابراہیم کے آگے رکھا جائے"

ابراہیم چونکہ شجاعت اور دلیری کے ساتھ بہت بڑے عالم اور مقتدائے عام تھے اُنکے دعویٰ خلافت پر ہر طرف سے لبیک کی صدائیں بلند ہوئیں۔ خاص کوفہ میں کم و بیش لاکھ آدمی انکے ساتھ جان دینے کو تیار ہو گئے۔ مذہبی گروہ خاصکر علماء و فقہا نے عموماً انکا۔ ساتھ دیا امام ابوحنیفہؒ شروع سے عباسیوں کی بے اعتدالیاں دیکھتے آتے تھے سفاح ہی کے زمانہ میں انکی رائے قائم ہو چکی تھی کہ یہ لوگ منصب خلافت کے شایاں نہیں۔ ابراہیم بن میمون جو ایک نہایت دیندار عالم تھے امام صاحب کے خالص دوستوں میں سے تھے وہ اکثر کہتے کہ ان مظالم پر کیا ہمکو چپ رہنا چاہیئے۔ امام صاحب فرماتے کہ امر بالمعروف بے شبہہ فرض ہے مگر اسکے لیے سامان شرط ہے، لیکن وہ مذہبی جوش میں صبر کی تاب نہ لاسکے ابومسلم خراسانی کہ ان ظلموں کا بانی تھا اسکے پاس گئے اور نہایت بیباکی کے ساتھ اس امر کی متعلق گفتگو کی اسنے انکی گستاخی یا فساد پیدا ہونیکے احتمال سے انکو قتل کر دیا امام ابوحنیفہ سنکر بہت روئے[1] لیکن کیا کر سکتے تھے یہ ۱۳۱ھ کا واقعہ ہے ۱۴۵ھ میں ابراہیم نے جب علم خلافت بلند کیا تو اور پیشوایان مذہب کیساتھ امام صاحب نے بھی انکی تائید کی خود شریک جنگ ہونا چاہتے تھے لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے نہو سکے جسکا ان کو ہمیشہ افسوس رہا۔ نامہ دانشوران میں امام صاحب کا ایک خط نقل کیا ہے جو انھوں نے ابراہیم کو لکھا تھا اسکے یہ الفاظ ہیں اما بعد فانی قد جهزت اليك اربعة آلاف درهم ولم يكن عندي غيرها ولولا امانات عندي للحقت بك فاذا لقيت القوم وظفرت بهم فافعل كما فعل ابوك في اهل صفين اقتل مدبرهم واجهز على جريحهم ولا تفعل كما فعل ابوك في اهل الجمل فان القوم لهم فيه۔ یعنی میں آپ کے پاس چار ہزار درہم بھیجتا ہوں کہ اسوقت اسی قدر موجود تھے اگر لوگوں کی امانتیں میرے پاس نہ رکھی ہوتیں تو میں ضرور آپ سے آملتا جب آپ دشمنوں پر فتح پائیں تو وہ برتاؤ کریں جو آپ کے باپ (حضرت علی) نے صفین والوں کیساتھ کیا تھا زخمی اور بھاگ جانے والے سب قتل کیے جائیں وہ طریقہ نہ اختیار کیجیئے گا جو آپ کے والد نے حرب جمل میں جائز رکھا تھا کیونکہ مخالف بڑی جمعیت رکھتا ہے۔ نامہ دانشوران میں اس خط کی نسبت لکھا ہے کہ معتبر کتابوں میں منقول ہے لیکن کسی خاص کتاب کا نام نہیں بتایا اس لیئے ہم اسکی صحت پر یقین نہیں کر سکتے۔ یہ خط صحیح ہو یا غلط مگر اس میں شبہہ نہیں کہ امام صاحب ابراہیم کے علانیہ طرفدار تھے اور بجز لیئے

---

[1] الجواہر المضیئہ۔ ترجمہ ابراہیم بن میمون "

کر خود شہر کیا جنگ نہ ہو سکے اور ہر طرح پر اونکی مدد کی۔ ابراہیم نے اپنی بے تدبیری سے شکست کھائی اور بصرہ میں نہایت دلیری سے لڑکر مارے گئے اس مہم سے فارغ ہو کر منصور ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوا جنہوں نے ابراہیم کا ساتھ دیا تھا۔ ان میں امام صاحب بھی تھے اسوقت تک منصور کا پایہ تخت ہاشمیہ ایک مقام تھا جو کوفہ سے چند میل پر ہے لیکن چونکہ کوفہ والے سادات سے سوا اور کسی خاندان کو خلافت کا مستحق نہیں سمجھتے تھے منصور نے ایک دوسرے دار الخلافہ کی تجویز کی اور بغداد کو انتخاب کیا ۱۴۶ھ میں بغداد پہنچکر امام ابو حنیفہ کے نام فرمان بھیجا کہ فوراً پایہ تخت میں حاضر ہوں۔ وہ بنو امیہ کی تباہی کے بعد مکہ معظمہ سے چلے آئے تھے اور کوفہ میں مقیم تھے منصور نے گو پہلے ہی انکے قتل کا ارادہ کر لیا تھا تاہم بہانہ ڈھونڈ رہا تھا۔ دربار میں حاضر ہوئے تو ربیع نے کہ حاجب کا عہدہ رکھتا تھا ان لفظوں سے انکو دربار میں پیش کیا "یہ دنیا میں آج سب سے بڑا عالم ہے" منصور نے پوچھا تم نے کس سے علم کی تحصیل کی امام نے استادوں کے نام بتائے جنکا سلسلہ شاگردی بڑے بڑے صحابہ تک پہنچتا تھا۔ منصور نے انکے لئے قضا کا عہدہ تجویز کیا۔ امام صاحب نے صاف انکار کیا اور کہا کہ "میں اس کی قابلیت نہیں رکھتا" منصور نے غصہ میں آکر کہا "تم جھوٹے ہو" امام صاحب نے کہا "اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ دعوی ضرور سچا ہے کہ میں عہدۂ قضا کے قابل نہیں کیونکہ جھوٹا شخص قاضی نہیں مقرر ہو سکتا۔

یہ تو ایک منطقی لطیفہ تھا لیکن دراصل وہ قضا کی ذمہ داریاں نہیں اوٹھا سکتے تھے اونھوں نے منصور کے سامنے اپنی ناقابلیت کی جو وجہیں بیان کیں وہ بالکل بجا تھیں یعنی یہ کہ "مجکو اپنی طبیعت پر اطمینان نہیں۔ میں عربی النسل نہیں ہوں۔ اسلئے اہل عرب کو میری حکومت ناگوار ہوگی۔ درباریوں کی تعظیم کرنی پڑے گی اور یہ مجھسے نہیں ہوسکتا۔" پھر بھی منصور نے نہ مانا اور قسم کھا کر کہا تمکو قبول کرنا ہوگا۔ امام صاحب نے بھی قسم کھائی کہ ہرگز نہ قبول کروں گا۔

اس جرات اور بیباکی پر تمام دربار حیرت زدہ تھا۔ ربیع نے غصہ میں آکر کہا ابو حنیفہ! تم امیر المومنین کے مقابلہ میں قسم کھاتے ہو۔ امام صاحب نے فرمایا "ہاں کیونکہ امیر المومنین کو قسم کا کفارہ ادا کرنا میری نسبت زیادہ آسان ہے"

خطیب کی ایک اور روایت ہے کہ منصور نے زیادہ جبر کیا تو مجبوراً دار القضا میں جاکر بیٹھے ایک مقدمہ پیش ہوا جس میں قرضہ کا دعوی تھا لیکن ثبوت کے گواہ نہ تھے مدعا علیہ کو سرے سے انکار تھا امام صاحب نے حسب قاعدہ مدعا علیہ سے کہا تم قسم کھاؤ کہ مدعی کا تم پر کچھ دینا نہیں آمادہ تیار ہو گیا "واللہ" کا لفظ کہا تھا کہ امام صاحب نے گھبراکر روک دیا اور آستین سے کچھ روپیہ نکالکر مدعی کے حوالے کئے کہ تم

امام ابو حنیفہ بغداد طلب کئے گئے

عہدۂ قضا سے انکار

اپنا قرض لو ایک مسلمان کو قسم کیوں کھلواتے ہو۔ عدالت سے آکر منصور سے کہدیا کہ مجھ سے کسی طرح کام نہیں چل سکتا اسپر حکم ہوا کہ قید خانہ بھیجے جائیں جسکے اوسوقت چھوٹے کہ قید حیات سے چھوٹے اس مدت میں منصور اکثر انکو قید خانہ سے بلالیتا اور علمی بحثیں کیا کرتا۔

قید

وفات رجب ۱۵۰ ہجری

منصور نے امام کو ۱۴۶ھ میں قید کیا لیکن اس حالت میں بھی اسکو انکی طرف سے اطمینان نہ تھا بغداد دار الخلافہ ہونے کیوجہ سے علوم و فنون کا مرکز بن گیا تھا طالبان کمال ممالک اسلامی کے ہر گوشے سے اٹھکر بغداد ہی کا رخ کرتے تھے امام صاحب کی شہرت دور دور پہنچ چکی تھی۔ قید کی حالت نے انکے اثر اور قبول عام کو بجائے کم کرنے کے اور زیادہ کر دیا تھا۔ بغداد کی علمی جماعت جسکا شہر میں بہت کچھ اثر تھا انکے ساتھ نہایت خلوص رکھتی تھی ان باتوں کا یہ اثر تھا کہ منصور نے انکو گو نظر بند رکھا لیکن کوئی امر انکے ادب اور تعظیم کے خلاف نہ کرسکتا تھا قید خانہ میں انکا سلسلہ تعلیم بھی برابر قائم رہا امام محمد نے کہ فقہ حنفی کے دست بازو ہیں قید خانہ ہی میں انسے تعلیم پائی ان وجوہ سے منصور کو امام صاحب کیطرف سے جو اندیشہ تھا وہ قید خانہ کیحالت میں بھی باقی رہا جسکی آخری تدبیر یہ تھی کہ بے خبری میں انکو زہر دلوا دیا جب انکو زہر کا اثر محسوس ہوا تو سجدہ کیا اور اسی حالت میں قضا کی انکے مرنے کی خبر نہایت جلد تمام شہر میں پھیل گئی اور سارا بغداد امنڈ آیا حسن بن عمارہ نے کہ قاضی شہر تھے غسل دیا۔ نہلاتے تھے اور کہتے جاتے تھے "واللہ تم سب سے بڑے فقیہ بڑے عابد بڑے زاہد تھے۔ تم میں تمام خوبیاں جمع تھیں تم نے اپنے جانشینوں کو مایوس کر دیا کہ وہ تمہارے مرتبہ کو پہنچ سکیں" غسل سے فارغ ہوتے ہوتے لوگوں کی وہ کثرت ہوئی کہ پہلی بار نماز جنازہ میں کم و بیش پچاس ہزار کا مجمع تھا اسپر بھی آنیوالوں کا سلسلہ قائم تھا یہانتک کہ چھ بار نماز پڑھی گئی اور عصر کے قریب جاکر لاش دفن ہو سکی امام صاحب نے وصیت کی تھی کہ خیزران کے مقبرے میں دفن کئے جائیں کیونکہ یہ جگہ انکے خیال میں مغصوبہ نہ تھی اس وصیت کے موافق خیزران کے شرقی جانب انکا مقبرہ تیار ہوا۔ مورخ خطیب نے لکھا ہے کہ "دفن کے بعد بھی بیس دن تک لوگ انکے جنازہ کی نماز پڑھا کئے"۔ قبول عام کی اس سے زیادہ کیا دلیل ہوگی؟ اسوقت ان ممالک میں بڑے بڑے ائمہ مذہب موجود تھے جنمیں بعض خود امام صاحب کے استاد تھے سب نے انکے مرنیکا رنج کیا اور نہایت تاسف آمیز کلمات کہے ابن جریج مکہ میں تھے سنکر کہا "انا للہ بہت بڑا علم جاتا رہا" شعبہ بن الحجاج نے کہ امام ابوحنیفہ کے شیخ اور بصرہ کے امام تھے نہایت افسوس کیا اور کہا

امام صاحب کو زہر دیا گیا

دنیا نظروں میں اندھیرا ہوگیا،، اس واقعہ کے چند روز کے بعد عبداللہ بن المبارک کو بغداد جانیکا اتفاق ہوا امام کی قبر پر گئے اور رو کر کہا "ابو حنیفہ! خدا تمپر رحم کرے ابراہیم مرے تو اپنا جانشین چھوڑ گئے۔ حماد مرے تو اپنا جانشین چھوڑ گئے افسوس۔ تم نے تمام دنیا میں کسی کو اپنا جانشین نہ چھوڑا۔"

امام کا مزار ایک مدت تک بوسہ گاہ خلائق رہا اور آج بھی ہے الپ ارسلان سلجوقی جو بڑی عظمت و شان کا فرمانروا اور نہایت عادل و فیاض تھا ۴۵۹ھ میں انکی قبر پر ایک قبہ اور اسکے قریب ایک مدرسہ طیار کرایا۔ غالبًا بغداد میں یہ پہلا مدرسہ تھا کیونکہ نظامیہ جو تمام اسلامی مدرسوں کا آدم خیال کیا جاتا ہے وہ اسی سنہ میں لیکن اسکے بعد تعمیر ہوا۔ رفعت اور خوبی عمارت کے لحاظ سے بھی لاجواب تھا۔ ابو سعید شرف الملک کہ الپ ارسلان کا مستوفی تھا اسکے اہتمام سے عمارت تیار ہوئی افتتاح کی رسم میں بغداد کے تمام علما اور عمائد شریک تھے۔ اتفاق سے اسی وقت ابوجعفر مسعود جو ایک مشہور شاعر تھا آنکلا اور برجستہ یہ اشعار پڑھے۔

الم تر ان العلم کان مبددا	فجمعه هذا المغیب فی اللحد
کذلک کانت هذه الارض میتة	فانشرها فعل الجواد ابی سعد

یعنی،، تم دیکھتے نہیں! علم کس طرح ابتر ہو رہا تھا پھر اس شخص نے اسکو ترتیب دی جو اس لحد میں مدفون ہے اسی طرح یہ زمین مردہ پڑی تھی ابو سعد کی کوشش نے اسکو دوبارہ زندہ کیا۔ یہ مدرسہ جو مشہد ابو حنیفہ کے نام سے مشہور ہے مدت تک قائم رہا اور بڑے بڑے نامور علما اس کے پروفیسر مقرر ہوئے جنکے نام اور اجمالی حالات الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیہ میں اکثر پائے جاتے ہیں ۴۹۳ھ میں حکیم بن جزلہ نے کہ خلیفہ مقتدر باللہ کے دربار کا ایک مشہور حکیم تھا اپنی تمام کتابیں اس مدرسہ پر وقف کیں[۲] اس مدرسہ کے متعلق ایک مسافرخانہ بھی تھا شائقان علم جو اطراف ملک سے آکر بغداد میں عارضی قیام کرتے تھے انکو وہاں سے کھانا ملتا تھا۔ ایشیا کا مشہور سیاح ابن بطوطہ جسوقت بغداد میں پہنچا ہے عباسی حکومت کا اخیر زمانہ تھا وہ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ "اس وقت تمام بغداد میں مشہد ابی حنیفہ کے سوا کوئی زاویہ موجود نہیں ہے جہاں سے مسافروں کو کھانا ملتا ہو،، آج بھی انکا مقبرہ بغداد کے مشہور اور متبرک مقامات میں سے ہے حال کے شاہ ایران سلطان ناصرالدین قاچار خلد اللہ سلطنتہ نے اپنے حالات سفر میں اس کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ کے مزار پر فاتحہ پڑھی اور نذر چڑھائی،، علم کی شان دیکھو جس کی بدولت کوفہ کے ایک خزاز نے یہ رتبہ حاصل کیا کہ بارہ سو برس کے بعد آج اس کے مزار پر بڑے بڑے شاہنشاہوں کے سر جھکتے ہیں۔

[۱] عقود الجمان میں یہ تمام تفصیل مذکور ہے ۱۲ [۲] ابن خلکان ترجمہ یحییٰ بن عیسی بن جزلہ الطبیب ۱۲

امام کی اولاد

امام صاحب کی اولاد کا مفصل حال معلوم نہیں مگر اسقدر یقینی ہے کہ وفات کے وقت حماد کے سوا کوئی اولاد موجود نہ تھی حماد بڑے رتبہ کے فاضل تھے بچپن میں انکی تعلیم نہایت اہتمام سے ہوئی تھی۔ چنانچہ جب الحمد ختم کی تو انکے پدر بزرگوار نے اس تقریب میں معلم کو پانچسو درہم نذر کئے بڑے ہوئے تو خود امام صاحب سے مراتب علمی کی تکمیل کی۔ علم و فضل کے ساتھ بے نیازی اور پرہیزگاری میں بھی باپ کے خلف الرشید تھے امام صاحب نے جب انتقال کیا تو انکے گھر میں لوگوں کا بہت سامان و اسباب امانت رکھا تھا انھوں نے قاضی شہر کے پاس حاضر کیا کہ جنکی امانتیں ہیں انکو پہنچا دی جائیں قاضی صاحب نے کہا کہ ابھی اپنے ہی پاس رہنے دو کہ زیادہ حفاظت سے رہیگا انھوں نے کہا کہ آپ انکی جانچ کر لیں کہ میرے باپ کا ذمہ بری ہو جائے غرض تمام مال و اسباب قاضی صاحب کو سپرد کر کے خود روپوش ہو گئے اور اس وقت ظاہر ہوئے کہ وہ چیزیں کسی اور مہتمم کے اہتمام میں دیدی گئیں۔ تمام عمر کسی کی ملازمت نہیں کی نہ شاہی دربار سے کچھ تعلق پیدا کیا۔ ذیقعدہ ۱۷۶ھ میں قضا کی چار بیٹے چھوڑے عمر۔ اسمٰعیل ابو حیان۔ عثمان۔ اسمٰعیل نے علم و فضل میں نہایت شہرت حاصل کی چنانچہ مامون الرشید نے انکو عہدۂ قضا پر مامور کیا جسکو انھوں نے اس دیانت داری اور انصاف سے انجام دیا کہ جب بصرہ سے چلے تو سارا شہر انکی مشائعت کو نکلا اور سب لوگ انکی جان و مال کو دعائیں دیتے تھے ایک شاعر نے انکی مدح میں کہا ہے[1]

اذا ما الناس یوما قایسونا		بآبدۃ من الفتیا طریفہ
اتینا ھم بقیاس صحیح		تلاد من طراز ابی حنیفہ
اذا سمع الفقیہ بھا وعاھا		واثبتھا بحبر فی صحیفہ

امام صاحب کی معنوی اولاد تو آج تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اور شاید چھ سات کروڑ سے کم نہ ہوگی لیکن انکی جسمانی اولاد بھی جابجا موجود ہے خود ہندوستان میں متعدد خاندان ہیں جنکا سلسلۂ نسب امام تک پہنچتا ہے اور خدا کے فضل سے علم و فضل کا جوہر بھی نسلاً بعد نسلٍ انکی میراث میں چلا آتا ہے۔

اخلاق و عادات

مبالغہ آمیز روایتیں

ہمارے تذکرہ نویسوں نے امام کے اخلاق و عادات کی جو تصویر کھینچی ہے اسمیں خوش اعتقادی اور مبالغہ کا

[1] ابن خلکان ترجمہ حماد ۱۲ [5] معارف ابن قتیبہ ترجمہ امام ابو حنیفہ ۱۲

اسقدر رنگ بھرا ہے کہ امام صاحب کی اصلی صورت اچھی طرح پہچانی نہیں جاتی۔ چالیس برس تک عشا کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی" تیس برس تک متصل روزے رکھے" جہاں وفات کی اس جگہ سات ہزار بار قرآن ختم کیا" شہر کوفہ میں مشتبہ گوشت کا ٹکڑا پڑ گیا تو اس خیال سے کہ مچھلیوں نے کھایا ہوگا اور مچھلیاں بہت دنوں تک زندہ رہتی ہیں ایک مدت تک مچھلی نہیں کھائی اسی طرح ایک شبہہ پر بکری کا گوشت کھانا چھوڑ دیا۔ انکا ذاتی صرف صرف دس آنہ ماہوار تھا" یہ اور اس قسم کے بہت سے افسانے انکی نسبت مشہور ہیں اور لطف یہ کہ ہمارے مورخین انھیں دوراز کار قصوں کو امام کے کمالات کا جوہر سمجھتے ہیں حالانکہ یہ واقعات نہ تاریخی اصول سے ثابت ہیں نہ انسے کسی کے شرف پر استدلال ہوسکتا ہے یہ سچ ہے کہ امام صاحب کے جن فضائل یا عام حالات کو ہم صحیح تسلیم کرتے ہیں وہ بھی ان ہی کتابوں سے ماخوذ ہیں جنہیں یہ فضول قصے مذکور ہیں لیکن ہر واقعہ کی حیثیت الگ ہوتی ہے اور اسی اعتبار سے شہادت کی حیثیت بھی بدلجاتی ہے معمولی واقعات میں عام شہادتیں کافی ہیں لیکن اس قسم کے واقعات کیلئے ایسی سند درکار ہے جسمیں ذرا بھی شبہہ کی گنجایش نہو یعنی حدیث صحیح مرفوع متصل کیلئے جو قیدیں ضروری ہیں ان سے بھی کچھ بڑھکر۔ ساتھ ہی درایت کے اصول پر منطبق ہو امام صاحب کی دانشمندی وقیقہ سنجی۔ نکتہ شناسی پر جب نگاہ پڑتی ہے جنکا ثبوت سمعی نہیں عیانی موجود ہے تو ان واقعات پر مشکل سے یقین آسکتا ہے جو رہبانیۃ اور بے اعتدالی کی حد سے بھی متجاوز ہیں۔ امام صاحب کے محاسن اخلاق کی صحیح (مگر اجمالی) تصویر دیکھنی ہو تو قاضی ابو یوسف کی تقریر سنو جو انھوں نے ہارون الرشید کے سامنے بیان کی تھی۔ ہارون نے ایک موقع پر قاضی صاحب موصوف سے کہا کہ ابو حنیفہ کے اوصاف بیان کیجئے انھوں کہا" جہانتک میں جانتا ہوں ابو حنیفہ کے اخلاق و عادات یہ تھے کہ نہایت پرہیز گار تھے منہیات سے بچتے تھے اکثر چپ رہتے تھے اور سوچا کرتے تھے کوئی شخص مسئلہ پوچھتا اور انکو معلوم ہوتا تو جواب دیتے ورنہ خاموش رہتے نہایت سخی اور فیاض تھے کسی کے آگے حاجت نہ لیجاتے اہل دنیا سے احتراز تھا دنیوی جاہ و عزت کو حقیر سمجھتے تھے۔ غیبت سے بہت بچتے تھے۔ جب کسیکا ذکر کرتے تو بھلائی کیساتھ کرتے بہت بڑے عالم تھے اور مال کیطرح علم کے صرف کرنے میں بھی فیاض تھے" ہارون الرشید نے یہ سنکر کہا" صالحین کے یہی اخلاق ہوتے ہیں" عام نگاہوں میں یہ باتیں چنداں وقعت نہیں رکھتیں لیکن روحانی اوصاف کے نکتہ شناس سمجھ سکتے ہیں کہ طرز زندگی ظاہر میں جسقدر سادہ اور آسان ہے درحقیقت اسی قدر مشکل اور قدر کے قابل ہے۔

امام صاحب کا حلیہ اور گفتگو

امام صاحب کو خدا نے حسن سیرت کیساتھ جمال صورت بھی دیا تھا۔ میانہ قد۔ خوش رو اور موزوں اندام تھے۔ گفتگو نہایت شیریں اور آواز بلند اور صاف تھی کیسا ہی پیچیدہ مضمون ہو نہایت صفائی اور فصاحت

سے ادا کر سکتے تھے۔ مزاج میں تکلف تھا اور اکثر خوش لباس رہتے تھے کبھی کبھی سنجاب و قاقم کے جبے بھی استعمال کرتے تھے۔ ابو مطیع بلخی انکے شاگرد کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن انکو نہایت قیمتی چادر اور قمیص پہنے دیکھا جنکی قیمت کم از کم چار سو درہم ہوگی۔" ایک دن نضر بن محمد ان سے ملنے گئے امام صاحب کہیں باہر جانیکی تیاری کر رہے تھے ان سے کہا کہ ذرا دیر کے لئے اپنی چادر مجھے دیدو۔ واپس آئے تو شکایت کی کہ دو ناحق تمہاری چادر لیکر مجھے شرمندہ ہونا پڑا۔" اونھوں نے کہا کیوں؟ فرمایا بہت گندہ ہے نضر کہتے ہیں میں نے وہ چادر پانچ دینار کو خریدی تھی اور مجکو اسپر ناز تھا۔ اسلئے امام صاحب کی شکایت سے تعجب ہوا لیکن دوسرے موقع پر جب میں نے انکو ایک چادر اوڑھے دیکھا جو تیس دینار سے کم قیمت کی نہ تھی تو وہ تعجب جاتا رہا۔" خلیفہ منصور نے درباریوں کے لئے خاص قسم کی ٹوپیاں ایجاد کی تھیں جو نرکل وغیرہ سے بنی تھیں اور انپر سیاہ کپڑا منڈھا ہوتا تھا چونکہ نہایت لمبی ہوتی تھیں ابو دلامہ شاعر نے ظرافتاً کہا۔

فزاد الامام المرتضى فی القلانس	وکنا نرجی من امام زیادة

یعنی ہمکو خلیفہ سے اضافہ کی امید تھی۔ سو حضرت نے اضافہ کیا تو ٹوپیوں میں کیا۔" امام صاحب اگرچہ دربار سے کوسوں بھاگتے تھے لیکن اس قسم کی ٹوپی جو اہل دربار اور امرا کے ساتھ مخصوص تھی کبھی کبھی استعمال کرتے تھے دنیا دار دولتمندوں کے لئے تو ایک معمولی بات ہو لیکن علما کے دائرے میں یہ امر تعجب کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ کہ امام صاحب کے توشہ خانہ میں اکثر سات آٹھ ٹوپیاں موجود رہتی تھیں اور باتوں میں بھی امام صاحب کا معاشرت ان حیثیتوں میں اور علما سے بالکل جدا تھا انکے ہمعصر عموماً شاہی دربار۔ یا وزرا و امرا کے وظیفہ خوار تھے اور اسکو عیب نہیں سمجھتے تھے قاضی ابن عبد البر پر کسی نے اعتراض کیا تھا کہ آپ امرا کے وظیفہ خوار ہیں انھوں نے اسکے جواب میں بعض صحابہ اور بہت سے تابعین اور تبع تابعین کی نظیریں پیش کیں جو امرا کے روزینے اور انعامات سے زندگی بسر کرتے تھے۔ اگرچہ ہم اسکو نئے خیال والوں کیطرح کاہلی اور مفت خواری کا اثر نہیں سمجھتے کیونکہ اس زمانہ تک تعلیم کا سلسلہ معاوضہ کی بنیاد پر نہیں قائم ہوا تھا علما بطور خود اپنے گھروں پر یا مسجدوں میں لوگوں کو مفت تعلیم دیتے تھے اور یہ سلسلہ اسقدر وسیع اور مفید تھا کہ آجتک اس سے بڑھکر نہ ہوسکا۔ امرا کے ہاں سے ان لوگوں کے لئے جو وظیفے مقرر تھے یا کبھی کبھی صلہ و نذر کے طور پر ملجاتا تھا اس کو ان آنریری پروفیسروں کی تنخواہ سمجھ لینا چاہئے لیکن اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ رفتہ رفتہ انھیں مثالوں سے پیرزادگی اور مفت خواری کی بنیاد قائم ہوگئی جسنے قوم کے ایک بڑے حصہ کو بالکل نکما اور اپاہج بنا دیا بے شبہ امام ابوحنیفہ اس اصول کے سرے سے مخالف تھے اور اس لحاظ سے انکی مخالفت بجا بھی تھی اس بے تعلقی سے ایک بڑا فائدہ یہ تھا کہ امر حق کے اظہار میں امام صاحب کو کسی سے باک نہیں ہوتا تھا انسان کتنا ہی

لباس

درباری ٹوپی

وظیفہ خواری سے اجتناب

آزاد مزاج اور صاف گو ہو لیکن احسان وہ چھپا ہوا جادو ہے کہ اسکے اثر سے بچنا ناممکن نہیں تو قریباً ناممکن ہے امام
صاحب تمام عمر کسی کے احسانمند نہوئے اور اس وجہ سے انکی آزادی کو کوئی چیز دبا نہ سکتی تھی اکثر موقعوں پر وہ
اس خیال کا اظہار بھی کر دیا کرتے تھے ابن ہبیرہ نے کہ کوفہ کا گورنر اور نہایت نامور شخص تھا ان سے یہ بجاجت
کہا کہ آپ کبھی کبھی قدم رنجہ فرماتے تو مجھ پر احسان ہوتا فرمایا "میں تم سے ملکر کیا کروں گا۔ مہربانی سے پیش آؤ گے
تو خوف ہے کہ تمہارے دام میں آ جاؤں عتاب کروگے تو میری ذلت ہے تمہارے پاس جو زر و مال ہے مجھکو اسکی حاجت
نہیں میرے پاس جو دولت ہے اسکو کوئی شخص چھین نہیں سکتا" عیسیٰ بن موسیٰ کیساتھ بھی ایسا ہی واقعہ گذرا۔

آزادی اور بے نیازی

خلیفہ منصور اور حرہ خاتون (منصور کی بیوی) میں کچھ شکر رنجی ہو گئی تھی۔ خاتون کو شکایت تھی کہ خلیفہ انصاف
عدل نہیں کرتا۔ منصور نے کہا کسی کو منصف قرار دو۔ اس نے امام صاحب کا نام لیا اسی وقت طلبی کا
فرمان گیا خاتون پردہ کے قریب بیٹھی کہ امام صاحب جو فیصلہ کریں خود اپنے کانوں سے سنے منصور نے
پوچھا شرع کی رو سے مرد کتنے نکاح کر سکتا ہے امام صاحب نے کہا چار۔ منصور خاتون کی طرف مخاطب ہوا کہ
سنتی ہو۔ پردہ سے آواز آئی کہ ہاں سنا۔ امام صاحب نے منصور کیطرف خطاب کر کے کہا مگر یہ اجازت اس شخص
کے لئے خاص ہے جو عدل پر قادر ہو ورنہ ایک سے زیادہ نکاح کرنا اچھا نہیں خدا خود فرماتا ہے۔ "اِنْ خِفْتُمْ
اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً" منصور چپ ہو گیا امام صاحب گھر آئے تو ایک خادم پچاس ہزار درہم کے توڑے
لئے ہوئے حاضر ہوا کہ خاتون نے نذر بھیجی ہے اور کہا ہے کہ "آپکی کنیز آپکو سلام کہتی ہے اور آپکی حق گوئی کی نہایت
مشکور ہے" امام صاحب نے روپے پھیر دئے اور خادم سے فرمایا جا کر خاتون سے کہنا کہ "میں نے جو
کچھ کہا کسی غرض سے نہیں کہا۔ بلکہ میرا فرض منصبی تھا"

بلاغرض حق گوئی

امام صاحب کی تجارت نہایت وسیع تھی لاکھوں کا لین دین تھا اکثر شہروں میں گماشتے مقرر
تھے بڑے بڑے سوداگروں سے معاملہ رہتا تھا ایسے بڑے کارخانہ کے ساتھ دیانت اور احتیاط کا اسقدر
خیال رکھتے تھے کہ ناجائز طور پر ایک حبہ بھی انکے خزانہ میں نہیں داخل ہو سکتا تھا اس احتیاط میں کبھی کبھی
نقصان اٹھانا پڑتا تھا مگر انکو کچھ پروا نہیں ہوتی تھی۔ ایک دفعہ حفص بن عبدالرحمن کے پاس خز کے تھان
بھیجے اور کہلا بھیجا کہ فلاں فلاں تھان میں عیب ہے خریدار کو جتا دینا حفص کو اس ہدایت کا خیال نہ رہا تھان
بیچ ڈالے اور خریداروں کو عیب سے اطلاع نہ دی۔ امام صاحب کو معلوم ہوا تو نہایت افسوس کیا تھانوں
کی قیمت جو تیس ہزار درہم تھی سب خیرات کر دی۔

تجارت اور دیانت

ایک دن ایک عورت خز کا تھان لیکر آئی کہ فروخت کرا دیجئے۔ امام صاحب نے دام پوچھے اس نے
سو روپیہ بتائے۔ فرمایا کہ کم ہیں۔ اس نے کہا تو دو سو روپئے۔ فرمایا یہ تھان پانسو سے کم قیمت کا نہیں

اس نے متعجب ہو کر کہا آپ شاید ہنسی کرتے ہیں۔ امام صاحب نے پانچسو روپے اپنے پاس سے دیدیے اور تھان رکھ لیا۔ اس احتیاط اور دیانت سے انکے کارخانہ کو بجائے نقصان پہنچانے کے اور بھی چمکا دیا

فیاضی

تجارت اور اکتساب دولت سے انکا مقصود زیادہ تر عام کو فائدہ پہنچانا تھا جتنے احباب اور ملنے والے تھے سب کے روزینے مقرر کر رکھے تھے شیوخ اور محدثین کیلئے تجارت کا ایک حصہ مخصوص کر دیا تھا کہ اس سے جو نفع ہوتا تھا سال کے سال ان لوگوں کو پہنچا دیا جاتا تھا۔[1] عام معمول تھا کہ گھر والوں کے لئے کوئی چیز خریدتے تو اسی قدر محدثین اور علماء کے پاس بھجواتے اتفاقیہ کوئی شخص ملنے آتا تو اس کا حال پوچھتے اور حاجتمند ہوتا تو حاجت روائی کرتے شاگردوں میں جسکو تنگ حال دیکھتے اسکی ضروریات خانگی کی کفالت کرتے کہ اطمینان سے علم کی تکمیل کر سکے بہت سے لوگ جنکو مفلسی کیوجہ سے تحصیل علم کا موقع نہیں مل سکتا امام صاحب ہی کی دستگیری کی بدولت بڑے بڑے رتبوں پر پہنچے انھیں میں ابو یوسف صاحب بھی ہیں جنکا مفصل تذکرہ آگے آتا ہے۔

شاگردوں کیساتھ سلوک

ایک دفعہ کچھ لوگ ملنے آئے۔ انمیں ایک شخص ظاہری صورت سے شکستہ حال معلوم ہوتا تھا لوگ رخصت ہو کر چلے تو امام صاحب نے اس سے فرمایا ذرا ٹھہر جاؤ۔ جانماز کیطرف اشارہ کیا کہ اس کو اٹھانا اس نے دیکھا تو ہزار درہم کی تھیلی تھی، عرض کی کہ میں دولتمند ہوں مجکو اسکی ضرورت نہیں فرمایا تو صورت ایسی بنانی چاہیئے کہ دوسروں کو شبہہ نہ ہو۔

ایک دفعہ کسی بیمار کی عیادت کو جا رہے تھے راہ میں ایک شخص ملا جو انکا مقروض تھا اس نے دور سے انکو دیکھ لیا اور کترا کر دوسری طرف چلا انہوں نے پکارا کہ "کہاں جاتے ہو" وہ کھڑا ہو گیا قریب پہنچے تو پوچھا مجکو دیکھ کر تم نے راستہ کیوں کاٹا اس نے کہا آپ کے دس ہزار درہم مجھ پر آتے ہیں جو مجھ سے اب تک ادا نہ ہو سکے۔ اس شرم سے آنکھ برابر نہیں ہوتی" امام صاحب اسکی غیرت سے متعجب ہوئے اور فرمایا جاؤ میں نے سب معاف کر دیا۔ ایک بار سفر حج میں عبداللہ سہمی کا ساتھ ہوا کسی منزل میں ایک بدوی نے انکو پکڑا اور امام صاحب کے سامنے لایا کہ اسپر میرے روپے آتے ہیں اور ادا نہیں کرتا امام صاحب نے عبداللہ سے اسکی حقیقت پوچھی اونھوں نے سرے سے انکار کیا۔ امام صاحب نے بدوی سے پوچھا آخر کتنے درہموں پر جھگڑا ہے اسنے کہا چالیس درہم۔ متعجب ہو کر فرمایا کہ زمانے سے حمیت اٹھ گئی اتنے سے معاملہ پر یہ فضیحتی!! پھر کل درہم اپنے پاس سے ادا کر دیئے۔ ابراہیم بن عتبہ چار ہزار درہم کے مقروض تھے اور اس تعداد کیوجہ سے لوگوں سے ملنا جانا چھوڑ دیا تھا۔ انکے ایک دوست نے چندہ کر کے

---

[1] علامہ نووی نے تہذیب الاسماء میں ان واقعات کو بسند بیان کیا ہے ۱۲

انکا قرض ادا کرنا چاہا لوگوں نے بقدر حیثیت اعانت کی امام صاحب کے پاس گئے تو فرمایا کہ کل کس قدر قرضہ ہے
انھوں نے کہا چار ہزار۔ فرمایا اتنی سی رقم کے لئے لوگوں کو کیوں تکلیف دیتے ہو۔ یہ کہکر پورے چار ہزار روپے
خود دیدیے۔ تاریخوں میں اس قسم کے اور بہت سے واقعات انکی نسبت منقول ہیں ہمنے اختصار کے لحاظ
سے قلم انداز کئے۔ اس دولتمندی اور عظمت و شان کے ساتھ نہایت متواضع حلیم۔ اور خلیق تھے ایک
دفعہ مسجد خیف میں تشریف رکھتے تھے شاگردوں اور ارادتمندوں کا حلقہ تھا۔ ایک اجنبی شخص نے مسئلہ پوچھا
امام صاحب نے جواب مناسب دیا اس نے کہا، "مگر حسن بصری نے اسکے خلاف بتایا ہے امام صاحب نے
فرمایا حسن نے غلطی کی "حاضرین میں سے ایک شخص کہ حسن کا معتقد تھا طیش میں آگیا اور چلا کر کہا بد
او ابن الفاحشہ! تو حسن کو خاطی کہتا ہے" اس گستاخی اور بیہودہ گوئی نے تمام مجلس کو برہم کر دیا اور لوگوں
نے چاہا کہ اسکو پکڑ کر سزا دیں امام صاحب نے روکا انکے لحاظ سے لوگ مجبور ہو گئے مگر دیر تک مجلس میں
سناٹا رہا۔ لوگوں کا جوش کم ہوا تو امام صاحب نے اس شخص کیطرف خطاب کیا اور فرمایا کہ "ہاں حسن نے
غلطی کی عبد اللہ بن مسعود نے اس باب میں جو روایت کی ہو وہ صحیح ہے۔

حلم عفو

یزید بن کیست کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں امام ابو حنیفہ کیخدمت میں حاضر تھا ایک شخص نے انسے
گستاخانہ گفتگو شروع کی۔ امام صاحب تحمل سے جواب دیتے تھے وہ اور شوخ ہوتا جاتا تھا یہانتک کہ اسنے
امام کو زندیق کہدیا۔ اسپر فرمایا کہ خدا تمکو بخشے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ میری نسبت جو تم نے لفظ کہا صحیح نہیں
ہے۔ امام صاحب خود فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کسی پر لعنت نہیں کی کسی سے انتقام نہیں لیا کسی
مسلمان یا ذمی کو نہیں ستایا کسی سے فریب اور بدعہدی نہیں کی۔

امام سفیان ثوری اور امام صاحب میں کچھ شکر رنجی تھی۔ ایک شخص نے امام صاحب سے
آکر کہا کہ سفیان ثوری آپ کو برا کہہ رہے تھے۔ امام صاحب نے فرمایا کہ "خدا میری اور سفیان دونوں کی مغفرت
کرے سچ یہ ہے کہ ابراہیم نخعی کے موجود ہوتے بھی اگر سفیان دنیا سے اٹھ جاتے تو مسلمانوں کو سفیان کے مرنیکا
ماتم کرنا پڑتا"۔ ایک دن مسجد میں درس دے رہے تھے ایک شخص نے جسکو ان سے کچھ عداوت تھی عام مجلس
میں انکی نسبت ناسزا الفاظ کہے۔ انھوں نے کچھ التفات نہ کی اور اسی طرح درس میں مشغول رہے شاگردوں کو
بھی منع کر دیا کہ اسکی طرف متوجہ نہوں۔ درس سے اٹھے تو وہ شخص ساتھ ہوا اور جو کچھ منہ میں آتا تھا بکتا جاتا
تھا۔ امام صاحب اپنے گھر کے قریب پہنچے تو کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ بھائی یہ میرا گھر ہے کچھ باقی رہ گیا
ہو تو اٹھا نہ رکھو کہ اب میں اندر جاتا ہوں اور تمکو موقع نہ ملے گا"۔

ایک اور دن حلقہ درس قائم تھا ایک نو عمر نے مسئلہ پوچھا امام صاحب نے جواب دیا اس نے کہا ابو حنیفہ

تم نے جواب میں غلطی کی۔ ابو الخطاب جرجانی بھی حلقہ میں شریک تھے انکو نہایت غصہ آیا اور حاضرین کو ملامت کی کہ تم لوگ بڑے بے حمیت ہو امام کی شان میں ایک لونڈا جو جی میں آتا ہے کہہ جاتا ہے تمکو ذرا جوش نہیں آتا۔ امام صاحب نے ابو الخطاب کی طرف خطاب کیا اور فرمایا کہ "ان لوگوں پر کچھ الزام نہیں ہے میں اس جگہ بیٹھا ہوں تو اسی لئے بیٹھا ہوں کہ لوگ آزادانہ میری رائے کی غلطیاں ثابت کریں اور میں تحمل کیساتھ سنوں"

ہمدردی اور ہمسائگی کا لحاظ

محلہ میں ایک موچی رہتا تھا جو نہایت رنگین طبع اور خوش مزاج تھا۔ اس کا معمول تھا کہ دن بھر مزدوری کرتا شام کو بازار جاکر گوشت اور شراب مول لاتا۔ کچھ رات گئے دوست احباب جمع ہوتے خود سیخ پر کباب لگاتا اور یاروں کو کھلاتا۔ ساتھ ہی شراب کا دور چلتا اور مزے میں آکر یہ شعر گاتا

اضاعونی وای فتی اضاعوا　　　لیوم کریهة وسداد ثغر

یعنی "لوگوں نے مجکو ہاتھ سے کھو دیا اور کیسے بڑے شخص کو کھویا جو لڑائی اور رخنہ بندی کے دن کام آتا" امام صاحب ذکر و شغل میں رات کو کم سوتے تھے اسکی نغمہ سنجیاں سنتے اور فرط اخلاق کی وجہ سے کچھ تعرض نہ کرتے ایک رات کوتوال شہر ادہر آنکلا اور اس غریب کو گرفتار کرکے قید خانہ میں بھیجدیا۔ صبح کو امام صاحب نے دوستوں سے تذکرہ کیا کہ رات ہمارے ہمسایہ کی آواز نہیں آئی۔ لوگوں نے رات کا ماجرا بیان کیا اسی وقت سواری طلب کی۔ دربار کے کپڑے پہنے اور دار الامارۃ کا قصد کیا۔ عباسیہ کا عہد حکومت تھا عیسیٰ بن موسیٰ کہ خلیفہ منصور کا برادرزادہ اور تمام خاندان میں عقل و تدبیر، دلیری اور شجاعت کے لحاظ سے ممتاز تھا کوفہ کا گورنر تھا لوگوں نے اطلاع کی کہ امام ابوحنیفہ آپ کے ملنے کو آتے ہیں اسنے درباریوں کو استقبال کیلئے بھیجا اور حکم دیا کہ دار الامارۃ کے صحن تک امام صاحب کو سواری پر لائیں۔ سواری قریب آئی تو تعظیم کو اٹھا اور نہایت ادب سے لاکر بٹھایا پھر عرض کی کہ "آپنے کیوں تکلیف فرمائی مجکو بلا بھیجتے کہ میں خود حاضر ہوتا" امام صاحب نے فرمایا کہ "ہمارے محلہ میں ایک موچی رہتا تھا۔ کوتوال نے اسکو گرفتار کر لیا ہے میں چاہتا ہوں کہ وہ رہا کر دیا جائے" عیسیٰ نے اسیوقت داروغہ جیل کو حکم بھیجا اور وہ رہا کر دیا گیا۔ امام صاحب عیسیٰ سے رخصت ہو کر چلے تو موچی بھی ہمرکاب ہوا۔ امام اسکی طرف مخاطب ہوئے کہ "کیوں ہمنے تمکو ضائع تو نہیں کیا؟" یہ اس شعر کی طرف اشارہ تھا جسکو وہ ہمیشہ پڑھا کرتا تھا اضاعونی وای فتی اضاعوا اس نے عرض کی "نہیں آپنے ہمسائگی کا پورا حق ادا کیا" اسکے بعد اسنے عیش پرستی سے توبہ کی اور امام صاحب کے حلقہ درس میں بیٹھنے لگا۔ رفتہ رفتہ علم فقہ میں مہارت حاصل کی اور فقیہ کے لقب سے ممتاز ہوا۔

۱؎ یہ واقعہ بہت سی کتابوں میں مختلف طریقہ سے مذکور ہے میں نے کتاب الاغانی و ابن خلکان و عقود الجمان کی روایت اختیار کی ہے۔

والدہ کی خدمت

امام صاحب کے والد نے امام کے سن رشد سے پہلے قضا کی لیکن والدہ مدت تک زندہ رہیں اور امام کو ان کی خدمت گزاری کا کافی موقع ہاتھ آیا۔ وہ مزاج کی ذرا تنگ تھیں اور جیسا کہ عورتوں کا قاعدہ ہے واعظوں اور قصہ گویوں کیساتھ نہایت عقیدت رکھتی تھیں کوفہ میں عمر بن ذر ایک مشہور واعظ تھے۔ انکے ساتھ خاص عقیدت تھی کوئی مسئلہ پیش آتا تو امام صاحب کو حکم دیتیں کہ عمر بن ذر سے پوچھ آؤ۔ امام تعمیل ارشاد کے لئے انکے پاس جاکر مسئلہ پوچھتے وہ عذر کرتے کہ آپ کے سامنے میں کیا زبان کھول سکتا ہوں۔ فرماتے "والدہ کا یہی حکم ہے" اکثر ایسا ہوتا کہ عمر کو مسئلہ کا جواب نہ آتا۔ امام صاحب سے درخواست کرتے کہ "آپ مجھکو بتا دیں میں اسی کو آپکے سامنے دہرا دوں۔ کبھی کبھی اصرار کرتیں کہ میں خود چلکر پوچھوں گی خچر پر سوار ہوتیں امام صاحب پاپیادہ ساتھ ہوتے خود مسئلہ کی صورت بیان کرتیں اور اپنے کانوں سے جواب سن لیتیں تب تسکین ہوتی ایک دفعہ امام صاحب سے پوچھا کہ یہ صورت پیش آئی ہے مجھکو کیا کرنا چاہئے۔ امام صاحب نے جواب بتایا۔ بولیں "تمہاری سند نہیں۔ زرعہ واعظ تصدیق کریں تو مجھکو اعتبار آئے"۔ امام صاحب انکو لیکر زرعہ کے پاس گئے اور مسئلہ کی صورت بیان کی زرعہ نے کہا کہ آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں آپ کیوں نہیں بتا دیتے امام صاحب نے فرمایا میں نے یہ فتوی دیا تھا زرعہ نے کہا بالکل صحیح ہے سنکر انکو تسکین ہوئی اور گھر واپس آئیں ابن ہبیرہ نے جب امام صاحب کو بلاکر میر منشی مقرر کرنا چاہا اور انکار کے جرم پر درّے لگوائے اس وقت امام کی والدہ زندہ تھیں انکو نہایت صدمہ ہوا۔ امام صاحب فرمایا کرتے تھے کہ مجھکو اپنی تکلیف کا چنداں خیال نہ تھا البتہ یہ رنج ہوتا تھا کہ میری تکلیف کی وجہ سے والدہ کے دلکو صدمہ پہنچتا ہے"۔

رقت طبع

امام صاحب اگرچہ نہایت رقیق القلب تھے اور کسی کو تکلیف اور رنج کی حالت میں دیکھتے تو بیتاب ہو جاتے ایک دفعہ مسجد میں بیٹھے تھے کسی نے آکر کہا کہ فلاں شخص کوٹھے سے گر پڑا دفعتہ اس زور سے چیخ اٹھے کہ مسجد میں تہلکہ پڑ گیا۔ حلقہ درس چھوڑ کر برہنہ پا دوڑے اور اس شخص کے گھر پر جاکر بہت کچھ غمخواری اور ہمدردی کی جبتک وہ اچھا نہ ہوا روزانہ صبح کو جاتے اور اسکی تیمارداری کرتے۔ تاہم اپنے اوپر کوئی مصیبت آن پڑتی تو اس استقلال

استقلال

سے برداشت کرتے کہ لوگوں کو تعجب ہوتا۔ عمال اور اہل دربار کے ہاتھ سے اکثر انکو تکلیفیں پہنچیں مگر کبھی انکے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوئی۔ نہایت مضبوط دل رکھتے تھے اور ضبط و استقلال گویا مایۂ خمیر تھا۔

ایک دن جامع مسجد میں درس دے رہے تھے مستفیدوں اور ارادتمندوں کا مجمع تھا۔ اتفاقاً چھت سے سانپ گرا۔ امام کی گود میں آیا۔ تمام لوگ گھبرا کر بھاگ گئے مگر وہ اسی اطمینان سے بیٹھے رہے امام مالک کو بھی ایک بار ایسا ہی اتفاق پیش آیا۔ اور وہ انکی تاریخ زندگی کا مشہور اور دلچسپ واقعہ ہے۔

بات نہایت کم کرتے اور غیر ضروری باتوں میں کبھی دخل نہ دیتے۔ درس میں بھی معمول تھا کہ شاگرد

آپس میں نہایت آزادی سے بحثیں کرتے آپ چپ بیٹھے سنا کرتے جب بحث زیادہ بڑھ جاتی اور کسی بات کا تصفیہ نہ ہوتا تو قول فیصل بیان کر دیتے کہ سب کو تشفی ہو جاتی۔

احتیاط لسان

غیبت سے پرہیز رکھتے اس نعمت کا شکر ادا کرتے کہ خدا نے میری زبان کو اس آلودگی سے پاک رکھا ایک شخص نے کہا حضرت! لوگ آپکی شان میں کیا کچھ نہیں کہتے مگر آپسے میں نے کسی کی برائی نہیں سنی فرمایا ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔ امام سفیان ثوری سے کسی نے کہا ابو حنیفہ کو میں نے کسی کی غیبت کرتے نہیں سنا انھوں نے کہا کہ ابو حنیفہ ایسے بیوقوف نہیں کہ اپنے اعمال صالحہ کو آپ برباد کریں" قسم کھانی بُرا جانتے تھے اور اس سے بہت پرہیز کرتے تھے عہد کر لیا تھا کہ اتفاقاً بھی اس خطا کا مرتکب ہونگا تو ایک درہم کفارہ دونگا اتفاق سے بھولکر کسی موقع پر قسم کھائی اسکے بعد عہد کیا کہ اب بجائے درہم کے دینار دونگا۔

ذکر و عبادت

نہایت مرتاض اور زاہد تھے ذکر و عبادت میں انکو مزہ آتا تھا اور بڑے ذوق و خلوص سے ادا کرتے تھے اس باب میں انکی شہرت ضرب المثل ہو گئی تھی. علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ انکی پرہیزگاری اور عبادت کے واقعات تواتر کی حد کو پہنچ گئے ہیں" اکثر نماز میں یا قرآن پڑھنے کے وقت رقت طاری ہوتی اور گھنٹوں رویا کرتے ابراہیم بصری کا بیان ہے کہ ایک دفعہ نماز فجر میں امام ابو حنیفہ کے ساتھ شریک تھا امام نماز نے یہ آیت پڑھی وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰہَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ یعنی خدا کو ظالموں کی کردار سے بیخبر نہ سمجھنا امام ابو حنیفہ پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ سارا بدن کانپنے لگا. زائدہ کہتے ہیں کہ مجھکو ایک ضروری مسئلہ دریافت کرنا تھا امام ابو حنیفہ کے ساتھ نماز عشا میں شریک ہوا اور منتظر رہا کہ نوافل سے فارغ ہوں تو دریافت کروں وہ قرآن پڑھتے پڑھتے اس آیت پر پہنچے وقانا عذاب السموم بار بار اس آیت کو پڑھتے تھے یہانتک کہ صبح ہو گئی اور وہ یہی آیت پڑھتے رہے ایک بار نماز میں یہ آیت پڑھی بل الساعۃ موعدھم والساعۃ ادھی وامر یعنی "قیامت گنہگاروں کا وعدہ گاہ ہے اور قیامت سخت مصیبت کی چیز اور ناگوار چیز ہے" اسی آیت میں رات ختم ہو گئی بار بار پڑھتے تھے اور روتے جاتے تھے۔ یزید بن کمیت ایک مشہور عابد اور امام صاحب کے ہمعصر تھے انکا بیان ہے کہ میں ایک دفعہ نماز عشا میں امام ابو حنیفہ کے ساتھ شریک تھا امام نماز نے اذا زلزلت پڑھی لوگ نماز پڑھکر چلے گئے میں ٹھہرا رہا امام ابو حنیفہ کو دیکھا کہ بیٹھے ٹھنڈی سانسیں بھر رہے ہیں یہ دیکھکر میں اٹھ آیا کہ انکے اوقات میں خلل نہ ہو صبح کو مسجد میں گیا تو دیکھا کہ غمزدہ بیٹھے ہیں ڈاڑھی ہاتھ میں ہے اور بڑی رقت سے کہہ رہے ہیں "اے وہ! جو ذرہ بھر نیکی اور ذرہ بھر بدی دونوں کا بدلہ دیگا نعمان اپنے غلام کو آگ سے بچانا" ایک دن بازار میں چلے جاتے تھے ایک لڑکے کے پاؤں پر پاؤں پڑ گیا وہ چیخ اٹھا اور کہا کہ تو خدا سے نہیں ڈرتا امام کو غش آ گیا مسعر بن کدام ساتھ تھے

عبرت پذیری

اونھوں نے سنبھالا ہوش میں آئے تو پوچھا کہ ایک لڑکے کی بات پر اس قدر بیقرار ہوجانا کیا تھا؟ فرمایا دیکھا عجب کہ اسکی آواز غیبی ہدایت ہو" ایک دفعہ حسب معمول دوکان پر گئے۔ نوکر نے کپڑوں کے تھان نکالکر رکھے اور تفاول کے طور پر کہا خدا ہمکو جنت دے۔ امام صاحب پر رقت طاری ہوئی اور اس قدر روئے کہ شانے تر ہوگئے۔ نوکر سے کہا کہ دوکان بند کردو آپ چہرہ پر رومال ڈالکر کسی طرف نکل گئے دوسرے دن دوکان پر گئے تو نوکر سے کہا بھائی! ہم اس قابل کہاں ہیں کہ جنت کی آرزو کریں۔ یہی بہت ہے کہ عذاب الٰہی میں گرفتار نہوں "حضرت عمر فاروق بھی اکثر فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے دن اگر مجھسے مواخذہ ہو نہ انعام ملے تو میں بالکل راضی ہوں" ایک دفعہ کسی کو مسئلہ بتا رہے تھے ایک شخص نے کہا ابو حنیفہ! خدا سے ڈر کر فتوی دیا کرو۔ امام صاحب پر اس کا اس قدر اثر ہوا کہ چہرہ کی رنگت زرد پڑگئی اس شخص کیطرف مخاطب ہے اور کہا "بھائی! خدا تمکو جزائے خیر دے اگر مجھکو یہ یقین نہ ہوتا کہ خدا مجھ سے مواخذہ کرے گا کہ تو نے جان کر علم کو کیوں چھپایا تو میں ہرگز فتوی نہ دیتا" کوئی مسئلہ مشکل آجاتا اور جواب نہ معلوم ہوتا تو متردد ہوتے کہ غالباً میں کسی گناہ کا مرتکب ہوا۔ یہ اسی کی شامت ہے پھر وضو کرکے نماز پڑھتے اور استغفار کرتے فضل بن عیاض کہ مشہور صوفی گذرے ہیں ان سے کسی نے یہ حکایت بیان کی بہت روئے اور کہا ابو حنیفہ کے گناہ کم تھے اس لئے انکو یہ خیال ہوتا تھا جو لوگ گناہوں میں غرق ہیں انپر ہزار آفتیں آتی ہیں اور مطلق خبر نہیں ہوتی کہ یہ غیبی تنبیہ ہے۔

تقسیم اوقات

معمول تھا کہ صبح کی نماز کے بعد مسجد میں درس دیتے۔ دور دور سے استفتے آئے ہوتے انکے جواب لکھتے پھر تدوین فقہ کی مجلس منعقد ہوتی بڑے بڑے نامور شاگردوں کا مجمع ہوتا جو مسائل اتفاق رائے سے طے ہوتے قلمبند کرلئے جاتے۔ نماز ظہر پڑھکر گھر آتے۔ گرمیوں میں ہمیشہ ظہر کے بعد سو رہتے نماز عصر کے بعد کچھ دیر تک درس وتعلیم کا مشغلہ رہتا باقی وقت دوستوں کے ملنے ملانے بیماروں کی عیادت، ماتم پرسی غریبوں کی خبرگیری میں صرف ہوتا مغرب کے بعد پھر درس کا سلسلہ شروع ہوتا اور عشا تک رہتا نماز عشا پڑھکر عبادت میں مشغول ہوتے اور اکثر رات بھر نہ سوتے۔ جاڑوں میں مغرب کے بعد مسجد ہی میں سو رہتے اور قریباً دس بجے اٹھکر نماز عشا پڑھتے پھر تمام رات تہجد اور درود وظائف میں گزرتی۔ کبھی کبھی دوکان پر بیٹھتے اور وہیں یہ تمام مشاغل انجام پاتے

ذہانت اور طباعی فتوی اور مناظرات تصانیف اور قلیفہ بریاں

جو چیزیں امام صاحب کی۔ قوت ایجاد۔ جدت طبع۔ دقت نظر۔ وسعت معلومات غرض اون کے تمام

کمالات علمی کا آئینہ ہے وہ علم فقہ ہے جسکی ترتیب و تدوین میں انکو وہ پایہ حاصل ہے جو ارسطو کو منطق اور اقلیدس کو ہندسہ میں لیکن اسپر تفصیلی بحث کرنیکے لئے ایک مستقل کتاب درکار ہے اسی ضرورت سے ہم نے اپنی کتاب کا دوسرا حصہ اس بحث کیلئے خاص کر دیا ہے اس موقع پر صرف وہ واقعات لکھتے ہیں جو امام صاحب کی علمی تاریخ کے عام واقعات ہیں لیکن غور سے دیکھو تو وہ بھی بجائے خود اصول ہیں جن پر سینکڑوں مسائل کی بنیاد قائم ہے

اس مقام پر یہ کہدینا ضرور ہے کہ امام ابو حنیفہ کے مناظرات اور نکتہ آفرینیوں کے متعلق بہت سے بیہودہ افسانے شہرت پکڑ گئے ہیں اور طرہ یہ کہ بعض مشہور مصنفوں نے بغیر تحقیق و تنقید کے انکو اپنی تالیفات میں نقل کر دیا جس سے عوام کو اپنے غلط خیالات کیلئے ایک دستاویز ہاتھ آگئی۔ یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ جو شخص کسی فن میں کمال کے ساتھ شہرت عام حاصل کرتا ہے اسکی نسبت اچھی یا بری سیکڑوں روایتیں خود بخود پیدا ہو جاتی ہیں اور بعض حالتوں میں اس قدر عام زبانوں پر قبضہ کر لیتی ہیں کہ خواص تک کو انپر تواتر کا دہوکا ہوتا ہے لطف یہ کہ معتقدین جوش اعتقاد میں ایسی باتیں بیان کر جاتے ہیں جسکو وہ مدح سمجھتے ہیں اور درحقیقت ذم ہوتی ہے اسی طرح مخالف عیب و منقصت کی مثالیں پیش کرتا ہے۔ حالانکہ غور سے دیکھئے تو ان واقعات سے بجائے اسکے کہ اس شخص کی برائی ثابت ہو مدح کا پہلو نکلتا ہے امام ابو حنیفہ بھی اس کلیہ سے مستثنی نہیں ہیں بعض مصنفوں نے انکی ذہانت اور طباعی کے ذیل میں بہت سے ایسے قصے لکھدیے ہیں جنکو خدانخواستہ ہم سچ تسلیم کریں تو عیاذاً باللہ امام صاحب کو حیلہ جو چالاک منتفی سخن ساز ماننا پڑیگا لیکن وہ روایتیں تاریخی اصول سے ثابت نہیں اور اسی وجہ سے اہل تحقیق خصوصاً محدثین نے انکے لکھنے سے ہمیشہ پرہیز کیا ہے ہم بھی انکو قلم انداز کرتے ہیں اور اونھیں روایتوں پر اکتفا کرتے ہیں جو بظن غالب ثابت اور صحیح ہیں۔

اس میں شبہہ نہیں کہ امام صاحب کو اور ائمہ کی نسبت مناظرہ اور مباحثہ کے موقعے زیادہ پیش آئے اونھوں نے علوم شرعیہ کے متعلق بہت سے ایسے نکتے ایجاد کئے تھے جو عام طبیعتوں کی دسترس سے باہر تھے اس لئے ظاہر بینوں کا ایک گروہ جن میں بعض مقدس سادہ دل بھی شامل تھے ان کا مخالف ہو گیا تھا اور ہمیشہ اونکے بحث و مناظرہ کے لئے تیار رہتا تھا۔ امام صاحب کو بھی مجبوراً انکے شبہات رفع کرنے پڑتے تھے اس اتفاقی سبب نے مناظرہ اور مباحثہ کا ایک وسیع سلسلہ قائم کر دیا تھا لیکن امام صاحب کے مناظرات اسی پر محدود نہیں مناظرہ اس وقت درس کا ایک خاص طریقہ تھا اور امام صاحب نے اکثر اساتذہ سے اسی طریقہ پر تعلیم پائی تھی عیون والحدائق کے مصنف نے انکے تذکرہ میں لکھا ہے

کہ انھوں نے شعبی، طاؤس، عطاء سے مناظرات کئے یہ لوگ امام صاحب کے اساتذہ خاص ہیں اور وہ ان لوگوں کا نہایت ادب کرتے تھے اس مناظرہ سے مقصود وہی درس کا مخصوص طریقہ ہے جو اس عہد میں عموماً مروج تھا۔[1]

رفع یدین کے مسلہ میں امام اوزاعی سے مناظرہ

امام اوزاعی کہ اقلیم شام کے امام اور فقہ میں مذہب مستقل کے بانی تھے، مکہ معظمہ میں امام ابوحنیفہ سے ملے اور کہا کہ "عراق والوں سے نہایت تعجب ہے کہ رکوع میں اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرتے تھے"، حالانکہ میں نے زہری سے انھوں نے سالم بن عبداللہ انھوں نے عبداللہ بن عمر سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان موقعوں پر رفع یدین کرتے تھے امام ابوحنیفہ نے اس کے مقابلہ میں حماد، ابراہیم نخعی، علقمہ، عبداللہ بن مسعود کے سلسلہ سے حدیث روایت کی کہ آنحضرت ان موقعوں پر رفع یدین نہیں فرماتے تھے۔ امام اوزاعی نے کہا سبحان اللہ! میں تو زہری، سالم، عبداللہ کے ذریعہ سے حدیث بیان کرتا ہوں آپ اس کے مقابلہ میں حماد، نخعی، علقمہ کا نام لیتے ہیں"، امام ابوحنیفہ نے کہا "زہری، داہ آپکی روایت سے زیادہ فقیہ ہیں اور عبداللہ بن مسعود کا رتبہ تو معلوم ہی ہے اس لئے انکی روایت کو ترجیح ہے"، امام رازی نے اس مناظرہ کو مناقب الشافعی میں نقل کیا ہے[2] گو واقعہ کی صحت سے انکار نہیں کرسکتے تاہم یہ نکتہ چینی کی ہے کہ حسّی واقعات میں تفقہ کو کیا دخل ہے۔

اس اصول پر مفصل بحث کتاب کے دوسرے حصے میں ہوگی۔ یہاں امام رازی کے حوالے سے یہ مقصود ہے کہ اصل واقعہ صحیح ہے جس سے شافعیوں کو بھی انکار نہیں اس مسئلہ کے متعلق امام محمد نے کتاب الحج میں ایک لطیف بحث کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ ہماری روایت عبداللہ بن مسعود تک منتہی ہوتی ہے اور فریق مخالف کی عبداللہ بن عمر تک اسلئے بحث کا تمام تر مدار اسپر آجاتا ہے کہ ان دونوں میں کس کی روایت ترجیح کے قابل ہے عبداللہ بن مسعود آنحضرت کے زمانے میں پوری عمر کو پہنچ چکے تھے اور جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے جماعت کی صف اول میں جگہ پاتے تھے بخلاف اسکے عبداللہ بن عمر کا محض آغاز تھا اور انکو دوسری تیسری صف میں کھڑا ہونا پڑتا تھا اسلئے آنحضرت کے حرکات و سکنات سے واقف ہونیکے جو موقعے عبداللہ بن مسعود کو مل سکے عبداللہ بن عمر کو کیونکہ حاصل ہو سکتے تھے امام محمد کا یہ طرز استدلال حقیقت میں اصول درایت پر مبنی ہے امام ابوحنیفہ صاحب نے اپنی تقریر میں عبداللہ بن مسعود کی عظمت و شان کا جو ذکر کیا اس میں

[1] امام صاحب کے بعض مناظرات مورخ خطیب نے تاریخ بغداد میں اور امام رازی نے اس آیت کی تفسیر میں علم آدم الاسمار کلہا لکھے ہیں اور عقود الجمع میں زیادہ استقصا کیا ہے انکے علاوہ اور کتابوں میں دستہ دستہ ذکر ہے۔ [2] علامہ ابن ہمام نے اس مناظرہ کو فتح القدیر میں ذکر کیا ہے اور حجۃ اللہ البالغہ کے مختلف مقامات سے اس کے اشارہ پائے جاتے ہیں۔

قرأت خلف امام

اسی کیطرف اشارہ ہے ایک دن بہت سے لوگ جمع ہو کر آئے کہ قرأۃ خلف الامام کے مسئلہ میں امام صاحب سے گفتگو کریں۔ امام صاحب نے کہا "اتنے آدمیوں میں تنہا کیونکر بحث کر سکتا ہوں البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ آپ اس مجمع میں سے کسی کو انتخاب کر لیں جو سب کی طرف سے اس خدمت کا کفیل ہو اور اسکی تقریر پورے مجمع کی تقریر سمجھی جائے"۔ لوگوں نے منظور کیا۔ امام صاحب نے کہا "آپنے یہ تسلیم کیا تو بحث کا خاتمہ بھی ہو گیا آپنے جس طرح ایک شخص کو سب کی طرف سے بحث کا مختار کر دیا۔ اسی طرح امام نماز بھی تمام مقتدیوں کی طرف سے قرأت کا کفیل ہے۔

یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ امام نے ایک شرعی مسئلہ کو صرف عقلی طور پر طے کر دیا۔ بلکہ حقیقت میں یہ اس حدیث کی تشریح ہے جسکو خود امام صاحب نے بسند صحیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا ہے کہ من صلی خلف الامام فقرأۃ الامام قرأۃ لہ یعنی جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت بھی اس کی قرأت ہے"۔ یہ امام صاحب کے مخصصات میں سے ہے کہ وہ مشکل سے مشکل مسئلہ کو ایسے عام فہم طریقہ سے سمجھا دیتے تھے کہ مخاطب کے ذہن نشین ہو جاتا تھا اور بحث نہایت جلد اور آسانی سے طے ہو جاتی تھی ایکدفعہ ضحاک خارجی جو خارجیوں کا ایک مشہور سردار تھا اور بنو امیہ کے زمانہ میں کوفہ پر قابض ہو گیا تھا امام صاحب کے پاس آیا اور تلوار دکھا کر کہا کہ "توبہ کرو"۔ اونھوں نے پوچھا کس بات سے۔ ضحاک نے کہا تمہارا عقیدہ ہے کہ علی علیہ السلام نے معاویہ کے جھگڑے میں ثالثی مان لی تھی۔ حالانکہ جب وہ حق پر تھے تو ثالث ماننے کے کیا معنی"۔ امام صاحب نے فرمایا کہ "اگر میرا قتل مقصود ہے تو اور بات ہے ورنہ اگر تحقیق حق منظور ہے تو مجکو تقریر کی اجازت دو" ضحاک نے کہا میں بھی مناظرہ ہی چاہتا ہوں۔ امام صاحب نے فرمایا اگر بحث آپس میں نہ طے ہو تو کیا علاج؟ ضحاک نے کہا ہم دونوں ایک شخص کو منصف قرار دیں چنانچہ ضحاک ہی کے ساتھیوں میں سے ایک شخص انتخاب کیا گیا کہ دونوں فریق کی صحت و غلطی کا تصفیہ کرے امام صاحب نے فرمایا "یہی تو حضرت علی علیہ السلام نے بھی کہا تھا پھر انپر الزام کیا ہے"۔ ضحاک دم بخود ہو گیا اور چپکا اٹھکر چلا گیا۔ اسی ضحاک نے ایکبار کوفہ پہنچکر قتل عام کا حکم دیدیا۔ امام صاحب نے فرمایا "پہلے ان لوگوں کا کچھ اور مذہب تھا جسکو انہوں نے چھوڑ دیا۔ یا ہمیشہ سے یہی مذہب رکھتے تھے جواب رکھتے ہیں؟ ضحاک نے کہا کیا کہا پھر کہنا! امام صاحب نے زیادہ وضاحت سے بیان کیا ضحاک نے کہا بے شبہہ میری خطا تھی۔ اسی وقت حکم دیا کہ تلواریں نیام میں کر لیجائیں۔

ایک خارجی سے گفتگو

قتادہ بصری سے مناظرہ

قتادہ بصری۔ جنکا مختصر حال امام صاحب کے اساتذہ کے ذکر میں ہم لکھ آئے ہیں۔ کوفہ میں آئے اور اشتہار دیدیا کہ مسائل فقہ میں جسکو جو پوچھنا ہو پوچھے میں ہر مسئلہ کا جواب دونگا"۔ چونکہ وہ مشہور محدث اور امام تھے بڑا مجمع ہوا جوق جوق لوگ آتے تھے اور مسئلے دریافت کرتے تھے امام ابو حنیفہ بھی موجود تھے کھڑے ہو کر پوچھا کہ "ایک

شخص سفر میں گیا برس دو برس کے بعد اسکے مرنے کی خبر آئی، اوسکی بیوی نے دوسرا نکاح کر لیا اور اوس سے اولاد ہوئی چند روز کے بعد وہ شخص واپس آیا۔ اولاد کی نسبت اسکو انکار ہے کہ میری صلب سے نہیں ہے زوج ثانی دعوے کرتا ہے کہ میری ہے تو آیا دونوں اس عورت پر زنا کا الزام لگاتے ہیں یا صرف وہ شخص جو ولدیت سے انکار کرتا ہے، قتادہ نے کہا "یہ صورت پیش آئی ہے" امام نے کہا نہیں لیکن علما کو پہلے تیار رہنا چاہئے کہ وقت پر تردد نہ ہو۔ قتادہ کو فقہ سے زیادہ تفسیر میں دعوی تھا بولے ان مسائل کو رہنے دو۔ تفسیر کے متعلق جو پوچھنا ہو پوچھو۔ امام ابو حنیفہ نے کہا اس آیت کے کیا معنی ہیں قال الذی عندہ علم من الکتاب انا اٰتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک۔ یہ وہ قصہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے درباریوں سے بلقیس کے تخت لانے کی فرمائش کی اور ایک شخص نے جو غالباً آصف ابن برخیا حضرت سلیمان کے وزیر تھے دعوی کیا کہ میں چشم زدن میں لا دونگا اہل کتاب کی روایت ہے کہ آصف بن برخیا اسم اعظم جانتے تھے جسکی تاثیر سے ایک دم میں شام سے یمن پہنچکر تخت اٹھا لائے یہی روایت عام مسلمانوں میں پھیل گئی تھی اور اسی کے مطابق اس آیت کا مطلب لگایا جاتا تھا۔ قتادہ نے بھی یہی معنی بیان کئے امام ابو حنیفہ نے کہا حضرت سلیمان خود بھی اسم اعظم جانتے تھے یا نہیں، قتادہ نے کہا "نہیں" امام صاحب نے کہا۔ کیا آپ اس بات کو جائز رکھتے ہیں کہ نبی کے زمانہ میں ایسا شخص موجود ہو جو خود نبی نہ ہو اور نبی سے زیادہ علم رکھتا ہو، قتادہ کچھ جواب نہ دے سکے اور کہا کہ عقائد کے متعلق پوچھو! امام صاحب نے کہا "آپ مومن ہیں" اکثر محدثین اپنے آپ کو مومن کہتے ہوئے ڈرتے تھے اور اسکو احتیاط میں داخل سمجھتے تھے حسن البصری سے ایک شخص نے یہی سوال کیا تھا جسکے جواب میں انھوں نے کہا کہ "انشاءاللہ" پوچھنے والے نے کہا کہ انشاءاللہ کا کیا محل ہے" فرمایا کہ "میں اپنے تئیں مومن تو کہوں مگر ڈرتا ہوں کہ خدا یہ نہ کہدے کہ تو جھوٹ کہتا ہے" قتادہ نے بھی امام ابو حنیفہ کے سوال کا یہی جواب دیا، لیکن حقیقت میں یہ ایک قسم کی وہمی حالت ہے۔ ایمان اعتقاد کا نام ہے جو شخص خدا اور رسول پر اعتقاد رکھتا ہے وہ قطعاً مومن ہے اور اوسکو سمجھنا چاہئے کہ میں مومن ہوں البتہ اگر اس میں شک ہے تو قطعی کافر ہے۔ اور پھر انشاءاللہ کہنا بھی بیکار ہے امام ابو حنیفہ نے اس عام غلطی کو مٹانا چاہا قتادہ سے پوچھا آپ نے یہ قید کیوں لگائی۔ انھوں نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا کہ مجھکو امید ہے کہ خدا قیامت کے دن میرے گناہوں کو معاف کریگا۔ امام ابو حنیفہ نے کہا خدا نے حضرت ابراہیم سے جب یہ سوال کیا کہ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ تو انھوں نے جواب میں "بلیٰ" کہا تھا یعنی ہاں میں مومن ہوں آپ نے حضرت ابراہیم کے قول کی کیوں تقلید نہ کی۔ قتادہ ناراض ہو کر اٹھے اور گھر میں چلے گئے۔

یحییٰ بن سعید سے مناظرہ

یحییٰ بن سعید انصاری کوفہ کے قاضی تھے اور منصور عباسی کے دربار میں بڑا جاہ و اعتبار رکھتے تھے تاہم کوفہ میں انکا وہ اثر قائم نہ ہو سکتا تھا جو امام ابو حنیفہ صاحب کا تھا اسپر انکو تعجب ہوتا تھا۔ اور لوگوں سے کہا

کرتے تھے کہ "کوفہ والے بھی عجب سادہ دل ہیں تمام شہر ایک شخص کے اشاروں پر حرکت کرتا ہے" امام ابوحنیفہ نے ابو یوسف و زفر اور چند ممتاز شاگردوں کو بھیجا کہ قاضی یحییٰ سے مناظرہ کریں۔ امام ابو یوسف نے تقریر شروع کی مسئلہ یہ تھا کہ اگر ایک غلام دو شخصوں میں مشترک ہو اور صرف ایک شخص آزاد کرنا چاہے تو کر سکتا ہے یا نہیں؟ قاضی یحییٰ نے کہا وہ نہیں کر سکتا کیونکہ حدیث میں آیا ہے "لاضرر و لاضرار" یعنی وہ کام جس سے کسی شخص کو ضرر پہنچے جائز نہیں صورت زیر بحث میں چونکہ شریک کا ضرر ہے اس لئے شریک اول ایسے فعل کا مجاز نہیں ہو سکتا" امام ابو یوسف نے کہا۔ اگر دوسرا شریک آزاد کرے؟ قاضی یحییٰ بولے تب جائز ہے اور غلام آزاد ہو جائیگا۔ امام ابو یوسف نے کہا "آپ نے خود اپنے قول کی مخالفت کی کیونکہ آپ کے نزدیک ایک شریک کے آزاد کرنے سے غلام آزاد نہیں ہوتا یعنی اسی طرح غلام کا غلام رہتا ہے صورت مذکور میں جب ایک شریک نے آزاد کیا تو آپ کے نزدیک اس کا یہ فعل بالکل بے اثر ہے یعنی وہ اسی طرح غلام باقی رہا جیسا پہلے تھا اب صرف دوسرے شریک کے آزاد کرنے سے کیونکر آزاد ہو سکتا ہے"

قاضی ابی لیلیٰ [illegible]

محمد بن عبدالرحمن جو زیادہ تر ابن ابی لیلیٰ کے لقب سے مشہور ہیں بڑے مشہور فقیہ اور صاحب الرائے تھے ۳۳ برس کوفہ میں منصب قضا پر مامور رہے۔ امام ابوحنیفہ اور انہیں کسی قدر شکر رنجی تھی جسکی وجہ یہ تھی کہ فیصلوں میں وہ غلطی کرتے تھے تو امام صاحب اسکی اصلاح کرنی چاہتے تھے یہ انکو ناگوار معلوم ہوتا تھا لیکن امام صاحب اظہار حق پر مجبور تھے قاضی صاحب مسجد میں بیٹھکر انفصال مقدمات کیا کرتے تھے ایک دن کام سے فارغ ہو کر مجلس قضا سے اٹھے راہ میں ایک عورت کو دیکھا کہ کسی سے جھگڑ رہی ہے کھڑے ہو گئے اثناء گفتگو میں عورت نے اس شخص کو یا ابن الزانیین کہدیا یعنی "اے زانی اور زانیہ کے بیٹے" قاضی صاحب نے حکم دیا کہ عورت گرفتار کر لیجائے پھر مجلس قضا میں واپس آئے اور حکم دیا کہ عورت کو کھڑی کر کے درے لگائیں اور دو حد ماریں امام ابوحنیفہ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی۔ فرمایا کہ قاضی صاحب نے اس فیصلہ میں چند غلطیاں کیں مجلس قضا سے اٹھکر واپس آئے اور دوبارہ اجلاس کیا یہ آئین عدالت کے خلاف ہے مسجد میں حد مارنے کا حکم دیا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے۔ عورت کو بٹھا کر حد مارنی چاہئے قاضی صاحب نے اسکے خلاف کیا۔ ایک لفظ سے ایک ہی حد لازم آتی ہے اور دو حدیں لازم بھی آئیں تو ایک ساتھ دونوں کا نفاذ نہیں ہو سکتا۔ ایک حد کے بعد مجرم کو چھوڑ دینا چاہئے کہ زخم بالکل بھر جائے پھر دوسری حد کی تعمیل ہو سکتی ہے جسکو گالی دی گئی اس نے جب دعویٰ نہیں کیا تو قاضی صاحب کو مقدمہ قائم کرنے کا کیا اختیار تھا" قاضی ابن ابی لیلیٰ نہایت برہم ہوئے اور گورنر کوفہ سے جاکر شکایت کی کہ ابوحنیفہ

عه ابن خلکان۔ ترجمہ محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ ۱۲

سله اس مناظرہ کو خطیب نے تاریخ بغداد میں اور حافظ ابو المحاسن نے عقود الجمان میں کسی قدر اختلاف کیساتھ نقل کیا ہے۔ ۱۲

نے مجکو تنگ کر رکھا ہے۔ گورنر نے حکم بھیجدیا کہ ابو حنیفہ فتوی نہ دینے پائیں امام صاحب اگرچہ حق کے خلاف کسی
حاکم و امیر کے حکم کی پروا نہیں کرتے تھے تاہم چونکہ فتوی دینا فرض کفایہ تھا اور کوفہ میں اور بہت سے علما موجود

دیانت

تھے اسلیئے حاکم وقت کی اطاعت کو مقدم رکہا اور بغیر کسی عذر کے حکم کی تعمیل کی ایک دن گھر میں بیٹھے تھے انکی
لڑکی نے مسئلہ پوچھا کہ میں آج روزے سے ہوں دانتوں سے خون نکلا اور تھوک کے ساتھ گلے سے اتر گیا
روزہ جاتا رہا یا باقی ہے "، امام صاحب نے فرمایا کہ جان پدر اپنے بھائی حماد سے پوچھ میں فتوی دینے سے منع کر دیا
گیا ہوں "، مورخ ابن خلکان نے اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ وہ اطاعت حکم اور امانت کی اس سے بڑھکر
کیا مثال ہو سکتی ہے، چند روز کے بعد گورنر کوفہ کو اتفاق سے فقہی مسائل میں مشکلات پیش آئیں اور امام ابو حنیفہ کی
طرف رجوع کرنا پڑا جسکی وجہ سے امام صاحب کو پھر فتوی دینے کی عام اجازت حاصل ہو گئی

امام صاحب کے مناظرات میں کہیں کہیں ہم اس ادعا اور جوش مقابلہ کا اثر پاتے ہیں جو بظاہر انکی تواضع
اور بے نفسی کے خلاف ہے۔ لیکن یہ انسانی جذبات ہیں جن سے کوئی شخص بری نہیں ہو سکتا۔ ہمنے امام شافعی۔ امام مالک
امام بخاری۔ امام مسلم اور بڑے بڑے ائمہ کے مناظرات کتابوں میں پڑھے ہیں۔ ان میں اس سے زیادہ ادعا اور
حوصلہ مندی کا زور پایا جاتا ہے اور سچ یہ ہے کہ اگر اس قسم کی باتیں بزرگوں کے حالات میں مذکور نہ ہوتیں تو ہم کو
شبہہ ہوتا کہ تذکرہ نویسوں نے ان بزرگوں کی اصلی تصویر نہیں دکھائی ہے بلکہ اپنی خوش اعتقادیوں کا خاکہ کھینچا ہے ایک
حکیم نے نہایت سچ کہا ہے کہ کسی نامور یا مقتدا کے حالات لکھو تو اسکے وہ خصائل بھی ضرور دکھاؤ جنمیں انسانی فطرت
کی جھلک نظر آتی ہے اس سے لوگوں کو اچھے کاموں میں انکی تقلید کی خواہش پیدا ہو گی۔ بخلاف اسکے اگر بالکل فرشتہ
بنا کر پیش کرو گے تو لوگ شاید انکی پرستش کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ لیکن انکی ریس کرنیکا خیال ہرگز نہ پیدا ہو گا وہ سمجھیں
گے کہ یہ شخص انسانی دائرہ سے باہر تھا ہم انسان ہو کر کیونکر اسکی تقلید کر سکتے ہیں "

استفتا

ایک دن حسن اتفاق سے امام سفیان ثوری۔ قاضی بن ابی لیلی۔ شریک۔ امام ابو حنیفہ ایک مجلس میں جمع تھے
شائقین علم کو اس سے عمدہ کیا موقع مل سکتا تھا۔ ایک شخص نے آکر مسئلہ پوچھا کہ چند آدمی ایک جگہ مجتمع تھے دفعۃً
ایک سانپ نکلا اور ایک شخص کے بدن پر چڑھنے لگا اوس نے گھبرا کر پھینکدیا وہ دوسرے شخص پر جا گرا۔ اس نے
بھی اضطراب میں ایسا ہی کیا۔ یوں ہی ایک دوسرے پر پھینکتے رہے یہانتک کہ اخیر شخص کو اسنے کاٹا اور وہ مر گیا دیت
کس پر لازم آئے گی " یہ فقہ کا ایک دقیق مسئلہ تھا۔ سب کو تامل ہوا کسی نے کہا سب کو دیت دینی ہو گی بعضوں نے
کہا صرف پہلا شخص ذمہ دار ہو گا سب کے سب مختلف الرائے تھے اور باوجود بحث کے کچھ تصفیہ نہیں ہوتا تھا
امام ابو حنیفہ چپ تھے اور مسکراتے جاتے تھے۔ آخر سب نے انکی طرف خطاب کیا کہ آپ بھی تو اپنا خیال ظاہر کیجیے
امام صاحب نے فرمایا جب پہلے شخص نے دوسرے پر پھینکا اور وہ محفوظ رہا تو پہلا شخص بری الذمہ ہو چکا اسی طرح

دوسرا اور تیسرا بھی ۔ بحث اگر ہے تو اخیر شخص کی نسبت ہے اوسکی دو حالتیں ہیں ۔ اگر اسکے پھینکنے کے ساتھ ہی سانپ نے اس شخص کو کاٹا تو اس پر دیت لازم آئے گی اور اگر کچھ وقفہ ہوا تو یہ شخص بھی بری الذمہ ہو چکا اب اگر سانپ نے اس کو کاٹا تو اس کی خود غفلت ہے کہ اس نے اپنی حفاظت میں جلدی اور چیز دستی کیوں نہ کی ۔" اس رائے سے سب نے اتفاق کیا اور امام کی جودت طبع کی تعریف کی ۔

رائے و تدبیر
ذہانت و
طباعی

رائے و تدبیر ۔ عقل ۔ و فراست ۔ ذہانت ۔ و طباعی امام صاحب کے وہ مشہور اوصاف ہیں جنکو موافق و مخالف سب نے تسلیم کیا ہے محمد انصاری کہا کرتے تھے کہ " امام ابو حنیفہ کی ایک ایک حرکت یہاں تک کہ بات چیت اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے میں دانشمندی کا اثر پایا جاتا تھا ۔ علی بن عاصم کا قول تھا کہ اگر آدھی دنیا کی عقل ایک پلہ میں اور ابو حنیفہ کی عقل دوسرے پلہ میں رکھی جاتی تو ابو حنیفہ کا پلہ بھاری رہتا ۔ خارجہ بن مصعب کہا کرتے تھے کہ " میں کم و بیش ایک ہزار عالموں سے ملا ہوں جن میں عاقل صرف تین چار شخص دیکھے ایک انمیں ابو حنیفہ تھے ہمارے تذکروں اور رجال کی کتابوں میں علماء کے وہ اوصاف جنکا ذکر خصوصیت کیساتھ کیا جاتا ہے ۔ تیزی ذہن قوت حافظہ بے نیازی ۔ تواضع ۔ قناعت ۔ زہد ۔ اتقا ۔ غرض اس قسم کے اوصاف ہوتے ہیں لیکن عقل و رائے فراست و تدبیر کا ذکر تک نہیں آتا ۔ گویا یہ باتیں دنیاداروں کے ساتھ مخصوص ہیں اسی بات کو علامہ ابن خلدون نے اس پیرایہ میں لکھا ہے کہ " علماء کا گروہ انتظام اور ریاست سے بالکل مناسبت نہیں رکھتا اور یہ بالکل سچ ہے ۔ حالانکہ اگر سچ پوچھئے تو علماء میں ان اوصاف کی زیادہ ضرورت ہے اسلام بخلاف اور مذہبوں کے دین کے ساتھ دنیاوی انتظامات کا بھی متکفل ہے خلفائے اولین کے حالات پڑھو سیاست اور انتظام ملکی کے لحاظ سے تمام دنیا کے سلاطین اور فرمانرواؤں میں کون شخص انکا ہمسر کہا جا سکتا ہے بے شبہہ اس خصوصیت کے اعتبار سے امام ابو حنیفہ تمام فرقہ علماء میں ممتاز ہیں کہ وہ مذہبی امور کے ساتھ دنیوی ضرورتوں کے بھی اندازہ دان تھے یہی بات ہے کہ انکا مذہب سلطنت و حکومت کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے اسلام میں سلطنت و حکومت کے جو بڑے بڑے سلسلے قائم ہوئے مذہباً اکثر حنفی ہی تھے ۔

امام ابو حنیفہ اگرچہ شاہی تعلقات سے آزاد رہے لیکن قوم اور ملک کے ساتھ انکے جو تعلقات تھے وہ خود ایک ملکی حیثیت رکھتے تھے جنکے فرائض کو انھوں نے اس دانائی اور ہوشمندی کے ساتھ انجام دیا جو ایک مدبر سلطنت کے شایاں تھا ۔ وہ اپنے ہمعصروں کی طرح اپنے تلامذہ کو یہ نہیں سکھاتے تھے کہ زندگی کی ضرورتوں میں امیروں اور رئیسوں کی فیاضیوں کا منہ تکتے رہیں ۔ وہ خود کسی کے دست نگر نہیں ہوئے اور شاگردوں کو بھی اسی کی تعلیم کی ہے انکے شاگردوں کی مفصل فہرست دیکھی ہے ان میں اکثر ایسے لوگ ہیں جو حلقہ درس سے اٹھکر ملکی عہدوں پر پہنچے اور نہایت دیانت اور قابلیت سے اپنی خدمتوں کو انجام دیا قاضی ابو یوسف صاحب

جو ہارون رشید کے عہد میں صیغہ قضا کے سرپرست تھے اور جنکی حسن و تدبیر و انتظام نے اس صیغہ کو اس قدر وسیع باقاعدہ مرتب کر دیا کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا اور زمانہ مابعد میں بھی اس سے بڑھکر نہ ہوسکا یہ امام ابوحنیفہ کی ہی صحبت کا فیض تھا۔ یہ ضروری ہے کہ ملکی تعلقات کے ساتھ مذہب اور اخلاق کے فرائض کو سنبھالنا نہایت مشکل ہوتا ہے لیکن امام صاحب اس سے بیخبر نہ تھے۔ وہ شاگردوں کو ہمیشہ ایسی ہدایتیں کرتے تھے جنکی پابندی سے دنیا و دین دونوں حاصل ہوں جو اس آیت کی تفسیر ہے اٰتینا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ قاضی ابو یوسف کو امام صاحب کی تعلیم نے جو لیاقت ان میں پیدا کر دی تھی اسکے جوہر صاف نظر آتے تھے اسی لحاظ سے امام صاحب نے انکو کچھ ہدایتیں لکھ کر دیں جو تمام مہمات دینی اور دنیوی کے لئے دستور العمل تھیں۔ یہ تحریر کتابوں میں منقول ہے افسوس ہے کہ تطویل کے لحاظ سے ہم اسکو تمام و کمال نہیں نقل کر سکتے تاہم موقع اور مقام کی رعایت سے اس کا انتخاب لکھنا ضرور ہے۔

قاضی ابو یوسف کے لئے جو ہدایت نامہ لکھا تھا اسکے بعض مقامات

اس تحریر میں پہلے سلطان وقت کے تعلقات کا ذکر کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ بادشاہ کے پاس بہت کم آمد و رفت رکھنا اس سے ہر وقت اس طرح پر خطر رہنا جیسا انسان آگ سے احتیاط رکھتا ہے جب تک کوئی خاص ضرورت نہ ہو دربار میں نہ جانا کہ اپنا اعزاز و وقار قائم رہے۔ اگر اتفاق سے دربار میں ایسے لوگ موجود ہوں جنسے تمکو واقفیت نہو تو اور بھی پرہیز کرنا کیونکہ جب انکا رتبہ معلوم نہیں تو ممکن ہے کہ مخاطبت اور گفتگو میں انسے جو برتاؤ کیا جائے انکی شان کے مناسب نہو وہ اگر تم سے زیادہ بلند رتبہ ہیں اور تم نے اس کا لحاظ نہیں کیا تو بے تمیزی سمجھی جائے گی اگر معمولی آدمی ہیں اور تم نے زیادہ تعظیم و تکریم کی تو بادشاہ کی آنکھ میں تمہاری ذلت ہوگی بادشاہ اگر تمکو عہدہ قضا پر مقرر کرنا چاہے تو پہلے دریافت کر لینا کہ وہ تمہارے طریقہ اجتہاد سے موافق ہے یا نہیں ایسا نہو کہ سلطنت کے دباؤ سے تمکو اپنی رائے کے خلاف عمل کرنا پڑے جس عہدہ اور خدمت کی تم میں قابلیت نہو اسکو ہرگز نہ قبول کرنا۔ ان ہدایتوں میں اگرچہ بادشاہ کی عزت و توقیر کی بہت تاکید کی ہے لیکن اظہار حق کے موقع پر پوری آزادی سے کام لیا ہے چنانچہ اخیر میں لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص شریعت میں کسی بدعت کا موجد ہو تو علانیہ اس کی غلطی کا اظہار کرنا کہ اور لوگوں کو اس کی تقلید کی جرأت نہو۔ اس بات کی کچھ پروا نہ کرنا کہ وہ شخص جاہ و حکومت رکھتا ہے کیونکہ اظہار حق میں خدا تمہارا مددگار ہوگا اور وہ اپنے دین کا محافظ و حامی ہے خود بادشاہ سے اگر کوئی نامناسب حرکت صادر ہو تو صاف کہدینا کہ گو میں عہدہ و خدمت کے لحاظ سے آپکا مطیع ہوں تاہم آپ کو آپکی غلطی پر مطلع کر دینا میرا فرض ہے۔ پھر بھی نہ مانے تو تنہائی میں سمجھانا کہ آپ کا یہ فعل قرآن مجید اور احادیث نبوی کے خلاف ہے۔ اگر سمجھ گیا تو خیر ورنہ خدا سے دعا کرنا کہ اس کے شر سے تمکو محفوظ رکھے۔

زندگی کے معمولی کاروبار کے متعلق بھی نہایت عمدہ ہدایتیں کی ہیں۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں کہ تحصیل علم کو سب پر مقدم

رکھنا اس سے فراغت ہو چکے تو جائز ذریعوں سے دولت حاصل کرنا کیونکہ ایک وقت علم و دولت دونوں کی تحصیل نہیں
ہو سکتی۔ پھر نکاح کرنا لیکن اسوقت جب یہ یقین ہو کہ اہل و عیال کی تمام ذمہ داریاں اٹھا سکو گے ایسی عورت سے شادی
نہ کرنا جو دوسرے شوہر سے اولاد رکھتی ہو عام آدمیوں اور خصوصاً دولتمندوں سے کم میل جول رکھنا ورنہ انکو گمان ہوگا
کہ تم ان سے کچھ توقع رکھتے ہو اور اس خیال سے وہ رشوت دینے پر آمادہ ہوں گے۔ بازار میں جانا۔ دوکانوں پر بیٹھنا
راستہ یا مسجد میں کوئی چیز کھا لینی۔ سقایات یا سقاؤں کے ہاتھ سے پانی پی لینا۔ ان باتوں سے نہایت احتراز رہے کوئی
شخص مسئلہ پوچھے تو صرف سوال کا جواب دو اپنی طرف سے کچھ نہ بڑھاؤ عقائد کے متعلق عوام سے گفتگو نہیں کرنی چاہئے
شاگردوں کے ساتھ ایسے خلوص اور محبت سے پیش آؤ کہ کوئی غیر دیکھے تو سمجھے کہ تمہاری اولاد ہیں۔ عام اور ادنیٰ رتبہ
کے لوگ مناظرہ کرنا چاہیں تو احتراز کرو کسی شہر میں جانا ہو تو وہاں کے علماء و فضلاء سے اسی طرح ملو کہ انکو رقابت کا
خیال نہ ہو علمی تذکرہ آئے تو جو بات کہو خوب سوچ سمجھ کر کہو اور جو کہو اس کا کافی ثبوت دے سکتے ہو مناظرہ کے وقت
جرأت و استقلال سے کام لو ورنہ دل میں ذرا بھی خوف ہوگا تو خیالات مجتمع نہ رہ سکیں گے اور زبان میں لغزش ہوگی
جو لوگ آداب مناظرہ سے واقف نہیں یا مکابرہ کرنا چاہتے ہیں ان سے ہرگز گفتگو نہیں کرنی چاہئے مناظرہ کے وقت
غصہ نکرنا چاہئے ہنسنا کم چاہئے زیادہ ہنسی سے دل افسردہ ہوتا ہے جو کام کرو اطمینان اور وقار کے ساتھ کرو
کوئی شخص جب تک سامنے سے نہ پکارے کبھی جواب نہ دو کیونکہ پیچھے سے پکارنا جانوروں کے لئے مخصوص ہے
رستہ چلو تو دائیں بائیں نہ دیکھو حمام میں جاؤ تو عام آدمیوں کی بہ نسبت زیادہ اجرت دو صبح اور دوپہر کو وقت حمام میں
نہ جاؤ گفتگو میں تیزی ہو اور آواز بلند نہ ہونے پائے کوئی چیز خریدنی ہو تو خود بازار نہ جاؤ بلکہ نوکروں سے منگوالو۔ خانگی
کاروبار بھی معتمد دار نوکروں کے ہاتھ میں چھوڑ دینا چاہئے کہ تم کو اپنے مشاغل کے لئے کافی وقت اور فرصت ہاتھ
آئے بادشاہ کے قریب سکونت نہ اختیار کرو۔ ہر بات سے بے پروائی اور بے نیازی ظاہر ہو۔ اور فقر کی حالت میں
بھی ہمت عالی رہے۔ عام آدمیوں میں بیٹھکر وعظ نہ کہو کیونکہ ایسے موقع پر واعظ اکثر جھوٹ بولنے پر مجبور ہوتا
ہے شاگردوں میں کسی کو فقہ کے درس کی اجازت دو تو خود بھی اس کی درسگاہ میں شریک ہو کہ اسکی غلطیوں کی اصلاح
کرسکو وہ اگر کوئی غلطی کرجائے تو بتادو ورنہ تمہارے چپ رہنے سے لوگوں کو گمان ہوگا کہ اسنے جو کہا صحیح ہے
فقہ کے سوا اور علوم کی مجلس ہو تو خود نہ جاؤ بلکہ اپنے معتمد دوستوں یا شاگردوں کو بھیجدو کہ وہ آکر تم سے پورے
حالات بیان کریں۔ ہر بات میں تقویٰ اور امانت کو پیش نظر رکھو۔ خدا کے ساتھ دل سے وہی معاملہ رکھو جو لوگوں
کے سامنے ظاہر کرتے ہو جس وقت اذان کی آواز سنو فوراً نماز کے لئے تیار ہو جاؤ۔ ہر مہینے میں دو چار دن روزہ
کے لئے مقرر کرلو۔ نماز کے بعد ہر روز کسی قدر وظیفہ پڑھا کرو۔ قرآن کی تلاوت قضا نہ ہونے پائے۔ دنیا پر بہت
نہ مائل ہو اکثر قبرستان میں نکل جایا کرو۔ لہو و لعب سے پرہیز رکھو ہمسایہ کی کوئی برائی دیکھو تو پردہ پوشی کرو

بدعت سے بچتے رہو۔ نماز میں جب تک تمکو لوگ خود امام نہ بنائیں امام نہ بنو جو لوگ تم سے ملنے آئیں انکے سامنے علمی تذکرہ کرو اگر وہ اہل علم ہونگے تو فائدہ اٹھائیں گے ورنہ کم از کم انکو تم سے محبت پیدا ہوگی"

عبدالعزیز بن رواد کو خلیفہ نے دربار میں بلایا۔ وہ امام صاحب کے شاگرد تھے۔ مشورہ کے لئے انکے پاس آئے اور کہا کہ خلیفہ نے طلب کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اسکے سامنے وعظ کہوں۔ مگر کیا کہوں اور کس طریقے سے کہوں اس میں آپ کی ہدایت چاہتا ہوں۔

امام صاحب نے فرمایا یہ کہنا کہ "اے امیرالمومنین دنیا کے طلب کرنے کی تین غرضیں ہو سکتی ہیں۔ عزت ملک۔ مال۔ یہ سب آپ کو حاصل ہیں۔ اب تقویٰ اور عمل صالح بھی اختیار کیجئے کہ دنیا و آخرت دونوں دولتیں حاصل ہوں۔

اس موقع پر امام صاحب کے حکیمانہ مقولے بھی سننے اور یاد رکھنے کے قابل ہیں فرمایا کرتے تھے کہ "جس شخص کو علم نے بھی معاصی اور فواحش سے نہ باز رکھا اس سے زیادہ زیاں کار کون ہوگا"، "جو شخص علم دین میں گفتگو کرے اور اس کو یہ خیال نہ ہو کہ ان باتوں کی باز پرس ہوگی وہ مذہب اور خود اپنے نفس کی قدر نہیں جانتا" "اگر علما خدا کے دوست نہیں ہیں تو عالم میں خدا کا کوئی دوست نہیں"، "جو شخص قبل از وقت ریاست کی تمنا کرتا ہے ذلیل ہوتا ہے"، "جو شخص علم کو دنیا کے لئے سیکھتا ہے علم اسکے دل میں جگہ نہیں پکڑتا"، "سب سے بڑی عبادت ایمان اور سب سے بڑا گناہ کفر ہے پس جو شخص افضل ترین عبادت کا پابند۔ اور بدترین معاصی سے محترز ہے اسکی مغفرت کی بہر حال امید کیجا سکتی ہے"، "جو شخص حدیث سیکھتا ہے اور اس سے استنباط مسائل نہیں کرتا وہ ایک عطار ہے جسکے پاس دوائیں ہیں لیکن یہ نہیں جانتا کہ کون کس مرض کیلئے ہے"، "جو شخص علم کا مذاق نہیں رکھتا اسکے آگے علمی گفتگو کرنی اس کو اذیت دینی ہے"، "اپنے دوست (نفس) کیلئے گناہ جمع کرنے اور دشمن (ورثا) کیلئے مال فراہم کرنا کیسی غلطی ہے"،

ایک شخص نے پوچھا فقہ کے حاصل ہونے میں کیا چیز معین ہو سکتی ہے۔ امام صاحب نے فرمایا "دلجمعی" اسنے عرض کی کہ دلجمعی کیونکر حاصل ہو ارشاد ہوا کہ تعلقات کم کئے جائیں پوچھا کہ تعلقات کیونکر کم ہوں جواب دیا کہ "انسان ضروری چیزیں لیلے اور غیر ضروری چھوڑ دے" ایکبار کسی نے سوال کیا کہ علیؓ اور امیر معاویہ کی لڑائیوں کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں۔ فرمایا کہ قیامت میں جن باتوں کی پرسش ہوگی مجکو انکا ڈر لگا رہتا ہے ان واقعات کو خدا مجھ سے نہ پوچھے گا اس لئے اسپر توجہ کرنیکی چنداں ضرورت نہیں"۔ اس سے یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ وہ اس بحث کے متعلق اپنی ذاتی رائے نہیں رکھتے تھے۔ خود ان کا قول ہے کہ حضرت علیؓ کی نظیر اگر ہمارے سامنے موجود نہ ہوتی تو ہم نہ بتا سکتے کہ باغیوں کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیئے۔ امام شافعی کا بھی یہی قول ہے

البتہ ان باتوں کو اسلام کا ایک ضروری مسئلہ قرار دینا اور اس پر بحثوں کا دفتر تیار کرنا ایک فضول کام ہے اور اسی کیطرف امام صاحب نے اشارہ کیا ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص تحصیل علم کی غرض سے امام صاحب کے پاس حاضر ہوا اور سفارشی خط پیش کیا امام صاحب نے فرمایا "علم میں سعی سفارش کا کام نہیں۔ علماء کا خود فرض ہے کہ انکو جو کچھ آتا ہو تو دوسروں کو بھی بتائیں علم کے دربار میں خاص و عام کی کوئی تفریق نہیں ایک دن گورنر کوفہ نے کہا آپ ہم سے الگ کیوں رہتے ہیں فرمایا "روٹی کا ٹکڑا اور معمولی کپڑا امن و عافیت سے ملا جائے تو اس عیش سے بہتر ہے جسکے بعد ندامت اٹھانی پڑے" اسی مضمون کو ایک شاعر نے نہایت خوبی اور سادگی سے ادا کیا ہے وہ کہتا ہے ؎

دو قرص نان اگر گندم ست یا از جو — سہ تائے جامہ اگر کہنہ است یا خود نو
بچار گوشۂ دیوار خود بخاطر جمع — کہ کس نگوید ازیں جا بخیز و آنجا رو
ہزار بار فزون تر بہ نزد ابن یمین — ز فر مملکت کیقباد کے خسرو

امام صاحب کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے لیکن تشبیب و غزل کی حیثیت سے نہیں بلکہ وعظ و پند کے طور پر چنانچہ فرماتے ہیں۔

امام صاحب کے اشعار

ومن الدار للفتی	ما عاش دار فاخرۃ
فاشکر اذا اوتیتہا	واعمل لدار الآخرۃ

یعنی انسان جب تک زندہ ہے عزت و آبرو کے لئے اسکو اچھا مکان چاہئے ایسا مکان نصیب ہو تو شکر کرنا چاہئے اور عاقبت کے مکان کے لئے کوشش کرنی چاہئے۔

ذہانت و طباعی

امام صاحب کی ذہانت اور طباعی عموماً ضرب المثل ہے یہانتک کہ انکا اجمالی ذکر بھی کہیں آجاتا ہے تو ساتھ ہی یہ صفت بھی ضرور بیان کی جاتی ہے۔ علامہ ذہبی نے عبر فی اخبار من غبر میں انکا ترجمہ نہایت اختصار کے ساتھ لکھا ہے تاہم اس فقرے کو نہ چھوڑ سکے کہ کان من اذکیاء بنی آدم یعنی "اولاد آدم میں جو نہایت ذکی گزرے ہیں امام ابو حنیفہ ان میں شمار کئے جاتے ہیں" مشکل سے مشکل مسئلوں میں انکا ذہن اس تیزی سے لڑتا تھا کہ لوگ حیران رہجاتے تھے۔ اکثر موقعوں پر انکے ہمعصر جو معلومات کے لحاظ سے انکے ہمسر تھے موجود ہوتے تھے۔ انکو اصل مسئلہ بھی معلوم ہوتا تھا لیکن جو واقعہ درپیش ہوتا تھا اس سے مطابق کرکے فوراً جواب بتا دینا امام صاحب ہی کا کام تھا۔ ایک شخص کسی بات پر اپنی بیوی سے ناراض ہوا اور قسم کھا کر کہا کہ جب تک تو مجھ سے نہ بولے گی میں تجھ سے کبھی نہ بولوں گا" عورت تند مزاج تھی اس نے بھی قسم کھالی اور وہی الفاظ دہرائے جو شوہر نے کہے تھے اسوقت تو غصہ میں کچھ نہ سوجھا مگر پھر خیال آیا تو دونوں کو نہایت افسوس ہوا۔ شوہر امام سفیان

ثوری کے پاس گیا اور صورت واقعہ بیان کی۔ سفیان نے کہا دو قسم کا کفارہ دینا ہوگا اس سے چارہ نہیں" مایوس ہو کر اٹھا اور امام ابوحنیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ للہ آپ کوئی تدبیر بتایئے امام صاحب نے فرمایا جاؤ شوق سے باتیں کرو کسی پر کفارہ نہیں ہے امام سفیان ثوری کو معلوم ہوا تو نہایت برہم ہوئے اور امام ابوحنیفہ سے جاکر کہا کہ آپ لوگوں کو غلط مسئلے بتا دیا کرتے ہیں امام صاحب نے اس شخص کو بلا بھیجا اور کہا کہ تم دوبارہ واقعہ کی صورت بیان کر جاؤ اس نے اعادہ کیا امام صاحب سفیان کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا کہ میں نے جو پہلے کہا تھا اب بھی کہتا ہوں۔ سفیان نے کہا کیوں؟ فرمایا جب عورت نے شوہر کو مخاطب کر کے وہ الفاظ کہے تو عورت کی طرف سے بولنے کی ابتدا ہو چکی پھر قسم کہاں باقی رہی" سفیان نے کہا حقیقت میں آپ کو جو بات وقت پر سوجھ جاتی ہے ہم لوگوں کا وہاں تک خیال بھی نہیں پہنچتا۔

کوفہ میں ایک شخص نے بڑی دھوم دھام سے ایک ساتھ اپنے دو بیٹوں کی شادی کی۔ ولیمہ کی دعوت میں شہر کے تمام اعیان و اکابر کو مدعو کیا مسعر بن کدام حسن بن صالح سفیان ثوری۔ امام ابوحنیفہ شریک دعوت تھے لوگ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ دفعتہً صاحب خانہ بدحواس گھر سے نکلا اور کہا غضب ہو گیا لوگوں نے کہا خیر ہے؟ بولا کہ زفاف کی رات عورتوں کی غلطی سے شوہر اور بیبیاں بدل گئیں جو لڑکی جس کے پاس رہی وہ اس کا شوہر نہ تھا اب کیا کیا جائے۔ سفیان نے کہا امیر معاویہ کے زمانہ میں بھی ایسا ہی اتفاق ہوا تھا اس سے نکاح میں کچھ فرق نہیں آتا البتہ دونوں کو مہر دینا لازم ہوگا۔ مسعر بن کدام امام ابوحنیفہ کی طرف مخاطب ہوئے کہ آپ کی کیا رائے ہے امام صاحب نے کہا شوہر خود میرے سامنے آئیں تو جواب دوں۔ لوگ جاکر بلا لائے۔ امام صاحب نے دونوں سے الگ الگ پوچھا کہ رات کو جو عورت تمہارے ساتھ رہی وہی تمہارے نکاح میں رہے تو تم کو پسند ہے دونوں نے کہا ہاں" امام صاحب نے کہا تو اپنی بیبیوں کو جن سے تمہارا نکاح بندھا تھا طلاق دیدو اور ہر شخص اس عورت سے نکاح پڑھا لے جو اس کے ساتھ ہم بستر رہ چکی" سفیان نے جو جواب دیا اگرچہ فقہ کی رو سے وہ بھی صحیح تھا کیونکہ یہ صورت وطی بالشبہ کی ہے جس سے نکاح نہیں ٹوٹتا لیکن امام صاحب نے مصلحت کو پیش نظر رکھا وہ جانتے تھے کہ موجودہ صورت میں نکاح کا قائم رہنا غیرت و حمیت کے خلاف ہوگا کسی مجبوری سے زوجین نے تسلیم بھی کر لیا تو دونوں میں وہ خلوص و اتحاد پیدا نہ ہوگا جو تزویج کا مقصود اصلی ہے اس کے ساتھ مہر کی بھی تخفیف ہے کیونکہ خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دیجائے تو صرف آدھا مہر لازم آتا ہے۔

لیث بن سعد جو مصر کے مشہور امام تھے ان کا بیان ہے کہ میں ابوحنیفہ کا ذکر اکثر سنا کرتا تھا اور ان کے دیکھنے کا نہایت مشتاق تھا حج کی تقریب سے مکہ معظمہ جانا ہوا۔ اتفاق سے ایک مجلس میں پہنچا۔ دیکھا تو بڑا ہجوم ہے ایک شخص صدر کی جانب بیٹھا ہے اور لوگ اس سے مسئلے پوچھ رہے ہیں۔ ایک شخص نے بڑھ کر کہا۔ "یا اباحنیفہ" یہ پہلا موقع

تھا کہ میں نے انکو پہچانا)، امام ابوحنیفہ اسکی طرف متوجہ ہوئے اس نے کہا "میرا ایک بدمزاج بیٹا ہے اس کی شادی کر دیتا ہوں تو بیوی کو طلاق دیدیتا ہے۔ لونڈی خرید تا ہوں تو آزاد کر دیتا ہے فرمائیے کیا تدبیر کروں" امام ابوحنیفہ نے جستہ کہا کہ وہ تم اسکو ساتھ لیکر بازار میں جہاں لونڈیاں بکتی ہیں جاؤ۔ اور جو لونڈی پسند آئے خرید کر اس کا نکاح پڑھادو اب اگر وہ آزاد کریگا تو نہیں کرسکتا کیونکہ لونڈی اس کی ملک نہیں طلاق دے گا تو تمہارا کچھ نقصان نہیں تمہاری لونڈی کہیں نہیں گئی" سعد کہتے ہیں کہ مجکو جواب پر تو کم لیکن حاضر جوابی پر بہت تعجب ہوا۔ ربیع جو خلیفہ منصور کا عرض بیگی تھا امام ابوحنیفہ سے عداوت رکھتا تھا۔ ایک دن امام صاحب حسب الطلب دربار میں گئے۔ ربیع بھی حاضر تھا منصور سے کہا کہ حضور! یہ شخص امیر المومنین کے جد بزرگوار (عبداللہ بن عباسؓ) کی مخالفت کرتا ہے انکا قول ہے کہ اگر کوئی شخص کسی بات پر قسم کھائے اور وہ ایک روز کے بعد انشاء اللہ کہہ لے تو وہ قسم میں داخل سمجھا جائیگا۔ اور قسم کا پورا کرنا کچھ ضرور نہ ہوگا۔ ابوحنیفہ اسکے خلاف فتوی دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انشاء اللہ کا لفظ قسم کیساتھ ہو تو البتہ جزو قسم سمجھا جائے گا ورنہ لغو اور بے اثر ہے" امام صاحب نے کہا امیر المومنین! ربیع کا خیال ہے کہ لوگوں پر آپ کی بیعت کا کچھ اثر نہیں، منصور نے کہا یہ کیونکر؟ امام صاحب نے کہا۔ انکا گمان ہے کہ جو لوگ دربار میں آپکے ہاتھ پر بیعت خلافت کرتے ہیں اور قسم کھاتے ہیں۔ گھر پر جاکر انشاء اللہ کہہ لیا کرتے ہیں جس سے قسم بے اثر ہوجاتی ہے اور ان پر شرعاً کچھ مواخذہ نہیں رہتا منصور ہنس پڑا اور ربیع سے کہا کہ تم ابوحنیفہ کو نہ چھیڑو ان پر تمہارا داؤ نہیں چلسکتا" امام صاحب دربار سے نکلے تو ربیع نے کہا۔ آج تو آپ میری جان ہی لے چکے تھے فرمایا یہ تو تمہارا ارادہ تھا میں نے صرف مدافعت کی"

ایک دفعہ بہت سے خارجی، امام صاحب کے گھر پر چڑھ آئے اور کہا کہ کفر سے توبہ کرو۔ امام صاحب نے کہا "ہاں میں تمہارے کفر سے توبہ کرتا ہوں" خارجیوں کا اعتقاد ہے کہ گناہ کرنے سے انسان کافر ہوجاتا ہے یعنی گناہ اور کفر ایک چیز ہے۔ امام صاحب کا مطلب یہ تھا کہ جس چیز کو تم کفر سمجھتے ہو میں اس سے توبہ کرتا ہوں کسی نے ان خارجیوں سے جالگایا کہ ابوحنیفہ نے تم لوگوں کو دہوکا دیا انکا مطلب اور تھا۔ خارجیوں نے امام صاحب کو آپکڑا کہ تم نے تاویل کیوں کی۔ امام نے کہا تمکو یقین ہے یا محض گمان کی بنا پر میری نسبت ایسا خیال کرتے ہو۔ بولے کہ نہیں۔ گمان ہی گمان ہے" امام نے کہا تو تمکو خود توبہ کرنی چاہئے کیونکہ خدا فرماتا ہے ان بعض الظن اثم۔

ایک دن مسجد میں تشریف رکھتے تھے شاگردوں کا مجمع تھا۔ دفعتہً خارجیوں کا ایک گروہ مسجد میں گھس آیا لوگ بھاگ چلے، امام صاحب نے روکا اور تسلی دی کہ ڈرو نہیں اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔ ایک خارجی جو سب کا سردار تھا امام صاحب کے پاس آیا اور کہا کہ تم کون لوگ ہو۔ امام صاحب نے فرمایا "مستجیر" یا ور خدا نے فرمایا ہے۔ ﴿وان

وان احد من المشرکین استجارك فاجرہ حتی یسمع کلام اللہ ثم ابلغہ مامنہ یعنی مشرکین میں سے کوئی شخص اگر پناہ چاہے تو اسے پناہ دو تاکہ وہ خدا کا کلام سنے پھر اسکو اسکے مامن تک پہنچا دو" خارجی اپنے سوا مسلمانوں کے تمام فرقوں کو مشرک اور کافر سمجھتے تھے اور واجب القتل جانتے تھے اس موقع پر وہ اسی نیت سے آئے تھے کہ امام ابو حنیفہ اپنا عقیدہ بیان کریں تو کفر کا الزام لگا کر انکو قتل کردیں لیکن امام صاحب کے الزامی جواب نے انکو بالکل مجبور کر دیا چنانچہ انکے سردار نے ساتھیوں سے کہا کہ "انکو قرآن پڑھکر سناؤ اور انکو انکے گھر پہنچا آؤ" ابو العباس جو منصور کے دربار میں ایک معزز درجہ رکھتا تھا۔ امام صاحب کا دشمن تھا اور ہمیشہ انکو ضرر پہنچانے کی فکر میں رہتا تھا۔ ایک دن امام صاحب کسی ضرورت سے دربار میں گئے۔ اتفاق سے ابو العباس بھی حاضر تھا لوگوں سے کہا آج ابو حنیفہ میرے ہاتھ سے بچکر نہیں جا سکتے امام صاحب کی طرف مخاطب ہوا اور کہا کہ ابو حنیفہ امیر المومنین کبھی کبھی ہم لوگوں کو بلا کر حکم دیتے ہیں کہ اس شخص کی گردن ماردو ہمکو مطلق معلوم نہیں ہوتا کہ وہ شخص واقعی مجرم ہے یا نہیں ایسی حالت میں ہمکو اس حکم کی تعمیل کرنی چاہئے یا انکار کرنا چاہئے امام صاحب نے کہا۔ "تمہارے نزدیک خلیفہ کے احکام حق ہوتے ہیں یا باطل" منصور کے سامنے کس کی تاب تھی کہ احکام خلافت کی نسبت ناجائز ہونیکا احتمال ظاہر کرسکتا۔ ابو العباس کو مجبورًا کہنا پڑا کہ حق ہوتے ہیں امام صاحب نے فرمایا پھر حق کی تعمیل میں پوچھنا کیا؟ ایک شخص نے قسم کھائی کہ آج اگر میں غسل جنابت کروں تو میری بیوی کو تین طلاق ہے۔ تھوڑی دیر بعد کہا کہ آج کی کوئی نماز قضا ہو تو میری زوجہ مطلقہ ہے پھر کہا کہ اگر آج میں اپنی بیوی کے ساتھ صحبت نکروں تو اسکو طلاق ہے۔" لوگوں نے امام صاحب سے آکر مسئلہ پوچھا فرمایا کہ نماز عصر کو پڑھکر بیوی سے ہم صحبت ہو۔ اور غروب کے بعد غسل کرکے فورًا مغرب کی نماز پڑھ لے اس صورت میں سب شرطیں پوری ہوگئیں بیوی سے ہم صحبت بھی ہوا۔ نماز بھی قضا نہیں کی غسل جنابت کیا تو اسوقت کیا کہ دن گزر چکا تھا۔ ایک دفعہ ایک شخص امام صاحب کے پاس آیا اور کہا کہ "میں نے کچھ روپے ایک جگہ احتیاطًا سے رکھ دئیے تھے اب یاد نہیں آتا کہ کہاں رکھے تھے۔ مجکو سخت ضرورت درپیش ہے کوئی تدبیر بتائیے۔ امام نے فرمایا بھائی! یہ مسئلہ تو فقہ میں مذکور نہیں مجھ سے کیا پوچھنے آئے ہو" اس نے زیادہ لجاجت کی تو کہا کہ "آج ساری رات نماز پڑھو" اسنے جاکر نماز پڑھنی شروع کی اتفاق یہ کہ تھوڑی ہی دیر بعد اسکو یاد آگیا کہ روپئے فلاں جگہ رکھے تھے دوڑا ہوا امام صاحب کے پاس آیا اور عرض کی کہ آپ کی تدبیر راست آئی۔ فرمایا کہ "ہاں شیطان کب گوارا کرتا کہ تم رات بھر نماز پڑھتے رہو اس لئے اسنے جلد یاد دلا دیا۔ تاہم تمکو مناسب تھا کہ اسکے شکریے میں شب بیداری کرتے اور نمازیں پڑھتے۔

ایک اور دن ایک شخص نے آکر کہا کہ "میں نے کچھ اسباب گھر کے کسی کونے میں گاڑ دیا تھا اب یاد نہیں آتا

کہ کہاں گاڑا تھا کیا کروں،، امام صاحب نے کہا "مجھکو یاد نہیں تو مجکو اور بھی یاد نہ ہونا چاہیئے" وہ رونے لگا امام صاحب کو رحم آیا چند شاگرد ساتھ لیے اور اسکے گھر پر گئے۔ شاگردوں سے کہا کہ یہ اگر تمہارا گھر ہوتا اور تم حفاظت کیلئے کوئی چیز چھپا کر رکھتے تو کہاں رکھتے،، سب نے اپنے اپنے قیاس سے مختلف موقعے بتائے امام صاحب نے فرمایا کہ "انھیں تین چار جگہوں میں سے کہیں نہ کہیں گاڑا ہوگا انکے کھدوانے کا حکم دیا خدا کی شان تیسری جگہ کھودی تو اسباب بجنسہ مدفون ملا امام صاحب اگرچہ نہایت ثقہ متین۔ باوقار تھے تاہم ذہانت کی شوخیاں

ظرافت

کبھی کبھی ظرافت کا رنگ دکھاتی تھیں۔ ایک دن صلاح بنوا رہے تھے۔ حجام سے کہا کہ سفید بالوں کو چن لینا،، اس نے عرض کی کہ جو بال چنے جاتے ہیں اور زیادہ نکلتے ہیں امام صاحب نے کہا "تو یہ قاعدہ ہے تو سیاہ بالوں کو چن لو کہ اور زیادہ نکلیں (قاضی شریک نے یہ حکایت سنی تو کہا کہ ابو حنیفہ نے حجام کے ساتھ بھی قیاس کو نہ چھوڑا" امام صاحب کے محلہ میں ایک پنسارا رہتا تھا جو نہایت متعصب شیعہ تھا اس کے پاس دو خچر تھے تعصب سے ایک کا ابوبکر اور دوسرے کا عمر نام رکھا تھا۔ اتفاق سے ایک خچر نے لات ماری کہ اسکا سر پھٹ گیا اور اسی صدمہ سے مرگیا۔ محلہ میں اس کا چرچا ہوا۔ امام صاحب نے سنا تو کہا دیکھنا! اسی خچر نے مارا ہوگا جس کا نام اسنے عمر رکھا تھا لوگوں نے دریافت کیا تو واقعی ایسا ہی ہوا تھا۔

کوفہ میں ایک غالی شیعی تھا جو حضرت عثمان کی نسبت کہا کرتا تھا کہ یہودی تھے،، امام صاحب ایک دن اسکے پاس گئے اور کہا کہ تم اپنی بیٹی کی نسبت ڈھونڈھتے تھے ایک شخص موجود ہے جو شریف بھی ہے دولتمند بھی ہے اس کے ساتھ پرہیزگار قائم اللیل حافظ قرآن ہے، شیعی نے کہا تو اس سے بڑھکر کون ملیگا۔ آپ ضرور شادی ٹھیرا دیجئے۔ امام صاحب نے کہا "صرف اتنی بات ہے کہ مذہبًا یہودی ہے،، وہ نہایت برہم ہوا اور کہا "سبحان اللہ آپ یہودی سے رشتہ داری کرنے کی رائے دیتے ہیں" امام صاحب نے فرمایا "کیا ہوا خود پیغمبر خدا نے جب یہودی کو (تمہارے اعتقاد کے موافق) داماد بنایا تو تمکو کیا عذر ہے،، خدا کی قدرت اتنی سی بات سے اسکو تنبیہ ہوگئی اور اپنے عقیدے سے توبہ کی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حصّہ دوم

امام صاحب کی تصنیفات

فقہ اکبر

امام صاحب کی طرف جو کتابیں منسوب ہیں انکے یہ نام ہیں۔ فقہ اکبر۔ العالم والمتعلم۔ مسند فقہ اکبر عقائد کا ایک مختصر سا رسالہ ہے۔ مسائل اور ترتیب قریب قریب وہی ہے جو عقائد نسفی وغیرہ کی ہے یہ رسالہ چھپ گیا ہے اور ہر جگہ مل سکتا ہے۔ لوگوں نے اسپر شرحیں بھی لکھی ہیں مثلاً محی الدین محمد بہار الدین المتوفی ۹۵۳ھ مولی الیاس بن ابراہیم السینوبی۔ مولی احمد بن محمد بن المعتساوی حکیم اسحق شیخ اکمل الدین۔ ملا علی القاری ملا علی قاری کی شرح متداول ہے بعض اور شرحوں کے نسخے بھی جابجا قلمی پائے جاتے ہیں حکیم اسحق کی شرح کو ابو البقاء احمدی نے ۹۱۸ھ میں نظم کیا اور اصل کتاب کو ابراہیم بن حسام نے جو شریفی کے نام سے مشہور ہیں۔

العالم والمتعلم

العالم والمتعلم۔ سوال وجواب کے طور پر ایک مختصر سا رسالہ ہے۔ لیکن ہماری نظر سے نہیں گذرا۔

مسند

مسند کے متعدد نسخے ہیں جنکو ابو المؤید محمد بن محمود الخوارزمی المتوفی ۶۶۵ھ نے یکجا جمع کر دیا ہے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ بلاد شام میں بعض جاہلوں کو میں نے یہ کہتے سنا کہ امام ابو حنیفہ کو فن حدیث میں چنداں دخل نہ تھا اور اسی وجہ سے حدیث میں انکی کوئی کتاب نہیں ہے۔ اسپر مجھکو حمیت مذہبی کا جوش ہوا اور میں نے چاہا کہ ان تمام مسندوں کو یکجا کر دوں جو علمانے امام ابو حنیفہ کی حدیثوں سے مرتب کئے ہیں اور جنکی تفصیل حسب ذیل ہے (۱) مسند حافظ ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی البخاری المعروف بعبد اللہ الاوستاد (۲) مسند امام ابو القاسم طلحہ بن محمد جعفر الشاہد (۳) مسند حافظ ابو الحسن محمد بن المظفر بن موسیٰ بن عیسے (۴) مسند حافظ ابو نعیم الاصبہانی (۵) مسند شیخ ابو بکر محمد بن عبد الباقی محمد الانصاری (۶) مسند امام ابو احمد عبد اللہ بن عدی الجرجانی (۷) مسند

امام حافظ عمر بن حسن الاشنانی (۸) مسند ابو بکر احمد بن محمد خالد الکلاعی (۹) مسند امام ابو یوسف قاضی (۱۰) مسند امام محمد (۱۱) مسند حماد بن امام ابو حنیفہ (۱۲) آثار امام محمد (۱۳) مسند امام ابو القاسم عبد اللہ بن العوام السعدی۔ ابو المؤید الخوارزمی نے جن مسندوں سے نام لیے ہیں انکے سوا اور بھی سانید ہیں مثلاً مسند حافظ ابو عبد اللہ حسین بن محمد بن خسرو البلخی المتوفی ۵۲۲ھ مسند حصفکی جسکی شرح ملا علی قاری نے لکھی۔ مسند ماوردی۔ مسند ابن البزازی المتوفی ۸۲۷ھ ان مسندوں کی شرحیں بھی لکھی گئیں۔

جو لوگ امام صاحب کے سلسلہ کمالات میں تصنیف و تالیف کا وجود بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ انہیں مفصلہ بالا کتابوں کو شہادت میں پیش کرتے ہیں۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ ان تصنیفات کو امام صاحب کیطرف منسوب کرنا نہایت مشکل ہے اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ امام صاحب کی زندگی میں ایک مجموعہ فقہ مرتب ہو گیا تھا جسکے حوالے عقود الجمان وغیرہ میں جا بجا ملتے ہیں لیکن قیاس غالب یہ ہے کہ وہ نسخہ معدوم ہو گیا اس زمانہ کی ہزاروں تصنیفات کے نام۔ تراجم کی کتابوں میں مذکور ہیں لیکن دو تین کے سوا ایک کا بھی دنیا کے کسی کتب خانہ میں پتہ نہیں چلتا خود امام صاحب کے ہمعصروں میں سے سفیان ثوری امام اوزاعی۔ حماد بن سلمہ ہشیم معمر۔ جریر بن عبد الحمید۔ عبد اللہ بن المبارک نے حدیث فقہ میں بڑی بڑی کتابیں لکھیں لیکن آج انکا نام ہی نام رہ گیا ہے اور ایک کا بھی وجود نہیں۔ امام رازی نے مناقب الشافعی میں تصریح کی ہے کہ امام ابو حنیفہ کی کوئی تصنیف باقی نہیں رہی۔

مسند خوارزمی کو امام صاحب کا مسند کہنا مجازی اطلاق ہے۔ خوارزمی خود ساتویں صدی میں تھے جن مسندوں کو جمع کیا ہے۔ وہ بھی اکثر تیسری چوتھی صدی یا اس سے بھی بعد کی ہیں۔ حماد۔ قاضی ابو یوسف البتہ امام صاحب کے ہمعصر ہیں اور ان کا مسند بے شبہ امام ابو حنیفہ کا مسند کہا جا سکتا ہے۔ لیکن خوارزمی کے سوا اور کسی نے ان مسندوں کا نام نہیں لیا ہے حالانکہ حدیث کی کتاب جب تک مشہور اور مستند روایتوں سے نہ ثابت ہو اس کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ ہمارے نزدیک اس بحث میں شاہ ولی اللہ صاحب کا فیصلہ کافی ہے۔ وہ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ طبقہ رابعہ کی وہ کتابیں ہیں جنکے مصنفوں نے ایک مدت دراز کے بعد ان روایتوں کو جمع کرنا چاہا جو دو پہلے طبقوں میں موجود نہ تھیں اور گمنام مسندوں اور مجموعوں میں پائی جاتی تھیں۔ ان لوگوں نے انکو بلند نام کرنا چاہا۔ حالانکہ وہ حدیثیں ان لوگوں کی زبان پر تھیں جنکا محدثین اعتبار نہیں کرتے مثلاً زیادہ گو واعظین اور اہل بدعت اور ضعیف الروایہ۔ یا وہ صحابہ اور تابعین کے آثار۔ یا بنی اسرائیل کے قصے تھے۔ یا حکما اور واعظین کے مقولے تھے جنکو راویوں نے رسول اللہ کے کلام سے مخلوط کر دیا تھا۔ یا قرآن اور حدیث کے محتمل مضامین تھے جنکو ان نیک آدمیوں نے بالمعنی روایت کیا جو فن روایت کی باریکیوں سے ناواقف تھے۔ ان لوگوں نے

ان باتوں کو رسول اللہ کیطرف منسوب کر دیا یا ایسے مضامین تھے جو قرآن اور حدیث سے مستنبط ہوتے تھے ان کو قصداً حدیث نبوی بنا دیا۔ یا مختلف حدیثوں کے ٹکڑے تھے جو ایک عبارت میں مرتب کر دئے گئے اس قسم کی حدیثیں کتاب الضعفا ابن حبان کامل ابن عدی۔ تصنیفات خطیب ابونعیم و جوزقانی۔ و ابن عساکر و ابن نجار دویلمی میں مل سکتی ہیں۔ مسند خوارزمی بھی قریباً اس طبقہ میں داخل ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے ذرا سختی کی بات اتنی کی ہے کہ جن سندوں کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ امام صاحب کے شاگردوں نے لکھے ان کا نہ تاریخوں سے ثبوت ملتا ہے نہ وہ خود کہیں پائے جاتے ہیں۔ جو سند امام صاحب کے زمانہ سے بہت پیچھے لکھے گئے وہ البتہ موجود ہیں لیکن انکی حدیثوں کا امام صاحب تک صحیح متصل پہنچنا نہایت مشتبہ ہے اس سے بڑھکر یہ کہ بعض بعض مسانید میں بے اعتباری کی اندرونی شہادتیں موجود ہیں، سند حصکفی میں کئی روایتیں۔ امام صاحب کیطرف منسوب ہیں جنکو انھوں نے خود صحابہ سے سنا اور روایت کیا ہے حالانکہ امام صاحب کا صحابہ سے روایت کرنا محدثانہ تحقیقات کی رو سے ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا خوارزمی نے آثار امام محمد کو بھی امام کی مسانید میں داخل کیا ہے بے شبہ اس کتاب میں اکثر روایتیں امام صاحب ہی سے ہیں۔ اس لئے ناظرین کو اختیار ہے کہ اسکو امام صاحب کا مسند کہیں۔ یا آثار امام محمد کے نام سے پکاریں لیکن یاد رہے کہ امام محمد نے اس کتاب میں بہت سے آثار اور حدیثیں دوسرے شیوخ سے بھی روایت کی ہیں اس لحاظ سے اس مجموعہ کا انتساب۔ امام محمد کیطرف زیادہ موزوں ہے۔

فقہ اکبر

فقہ اکبر کو اگرچہ فخر الاسلام بزدوی۔ عبد العلی بحر العلوم۔ و شارحین فقہ اکبر نے امام صاحب کیطرف منسوب کیا ہے لیکن ہم مشکل سے اسپر یقین کر سکتے ہیں یہ کتاب جس زمانہ کی تصنیف بیان کی جاتی ہے اسوقت تک یہ طرز تحریر پیدا نہیں ہوا تھا۔ وہ بطور ایک متن کے ہے اور اس اختصار و ترتیب کے ساتھ لکھی گئی ہے جو متاخرین کا خاص انداز ہے ایک جگہ اسمیں جوہر و عرض کا لفظ آیا ہے۔ حالانکہ یہ فلسفیانہ الفاظ اس وقت تک زبان میں داخل نہیں ہوئے تھے بے شبہ منصور عباسی کے زمانہ میں فلسفہ کی کتابیں یونانی زبان سے عربی میں ترجمہ کی گئیں تھیں لیکن یہ زمانہ امام صاحب کی آخر زندگی کا زمانہ ہے کسی طرح قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ ترجمہ ہوتے ہی یہ الفاظ اس قدر جلد شائع ہو جائیں کہ عام تصنیفات میں رواج ہو جائے فلسفہ کے الفاظ نے مذہبی دائرہ میں اسوقت بار پایا ہے جب کثرت استعمال کی وجہ سے وہ زبان کا جزو بن گئے اور عام بول چال میں بھی انکے استعمال کے بغیر چارہ نہ رہا لیکن یہ دور امام صاحب کے زمانہ کے بعد شروع ہوا ہے۔

یہ بحث تو درایت کی حیثیت سے تھی۔ اصول روایت کے لحاظ سے بھی یہ امر ثابت نہیں ہوتا دوسری تیسری بلکہ چوتھی صدی کی تصنیفات میں اس کتاب کا پتہ نہیں چلتا۔ قدیم سی قدیم تصنیف جس میں اس رسالہ کا

ذکر کیا گیا ہے (جہانتک ہمکو معلوم ہے) فخر الاسلام بزدوی کی کتاب الاصول ہے جو پانچویں صدی کی تصنیف ہے امام ابو حنیفہ کے ہزاروں شاگرد تھے جنمیں سے اکثر بجائے خود استاد تھے۔ اور بواسطہ در بواسطہ انکے ہزاروں لاکھوں شاگرد تھے۔ نہایت خلاف قیاس ہے کہ امام صاحب کی کوئی تصنیف موجود ہوتی اور اتنے بڑے گروہ میں اس کا نام تک نہ لیا جاتا۔ علم عقائد اور اس کے متعلقات پر جو بڑی بڑی کتابیں مثلاً صحائف شرح مقاصد شرح مواقف ملل و نحل وغیرہ تصنیف ہوئیں ان میں کہیں اسکا ذکر تک نہیں ہے اس کتاب کی جس قدر شرحیں ہوئیں سب آٹھویں صدی میں یا اس کے بعد ہوئیں اس کے علاوہ ابو مطیع بلخی جو اس کتاب کے راوی ہیں۔ حدیث و روایت میں چنداں مستند نہیں ہیں۔ کتب رجال میں ان کی نسبت محدثین نے نہایت سخت ریمارک کئے ہیں اگرچہ میں انکو کلیۃً تسلیم نہیں کرتا تاہم ایک ایسی مشتبہ کتاب جسکا ثبوت صرف ابو مطیع بلخی کی روایت پر منحصر ہو محدثانہ اصول پر قابل تسلیم نہیں ہو سکتی۔

میرا خیال ہے کہ ابو مطیع بلخی نے ایک رسالہ میں بطور خود عقائد کے مسائل قلم بند کئے تھے رفتہ رفتہ وہ امام صاحب کیطرف منسوب ہو گیا۔ اس خیال کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ علامہ ذہبی نے عبر فی اخبار من عبر میں ابو مطیع کا جہاں ذکر کیا ہے ان لفظوں سے کیا ہے کہ صاحب الفقہ الاکبر جسکے متبادر معنی یہی ہیں کہ ابو مطیع اسکے مصنف ہیں۔ میرا خیال یہ بھی ہے کہ فقہ اکبر کی موجودہ ترتیب و عبارت۔ ابو مطیع کے زمانہ سے بھی بہت بعد کی ہے اور یہ کچھ نئی بات نہیں جامع صغیر جو امام محمد کی تالیف ہے اسکی موجودہ ترتیب امام ابو الطاہر دباس نے کی ہے جو چوتھی صدی میں تھی۔ فرق یہ ہے کہ جامع صغیر کی عبارت وہی اصلی ہے۔ صرف ترتیب بدل دی گئی ہے برخلاف اسکے فقہ اکبر کا انداز عبارت بھی زمانہ بعد کا معلوم ہوتا ہے۔

ہمنے اس بحث میں اپنی رائے اور قیاسات کو بہت دخل دیا ہے لیکن تمام واقعات بھی لکھدئے ہیں ناظرین کو اپنی رائے کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتے اصلی واقعات اور ہماری رائیں دونوں انکے سامنے ہیں وہ جو چاہیں خود فیصلہ کرلیں بے شبہ ہماری ذاتی رائے یہی ہے کہ آج امام صاحب کی کوئی تصنیف موجود نہیں ہے۔

عقائد و کلام

امام صاحب ابتدائی تحصیل میں علم کلام کیطرف زیادہ مائل تھے اصحابہ کے اخیر زمانہ میں نئے نئے فرقے پیدا ہو چلے تھے۔ معبد جہنی نے جو صحابہ کا صحبت یافتہ تھا مسئلہ قدر کو چھیڑا۔ واصل بن عطا نے جو علوم عربیہ و علم کلام کا بہت بڑا عالم اور امام حسن بصری کا شاگرد تھا۔ اعتزال کی بنیاد قائم کی۔

جہم بن صفوان فرقہ جہمیہ کا بانی ہوا۔ خوارج کے متعدد فرقے اس سے پہلے پیدا ہو چکے تھے۔ امام ابو حنیفہ کے زمانہ میں ان مسائل کے جا بجا چرچے تھے اور ہر جگہ بحث و مناظرہ کا بازار گرم تھا۔ امام صاحب کو بھی انکی رد و قدح کی طرف التفات ہوا۔ اسمیں شک نہیں کہ انکی بے نظیر ذہانت سے ان مسائل میں نہایت دقیق بحثیں پیدا ہوگی لیکن چونکہ یہ شغل تھوڑے زمانہ تک رہا اور بالآخر وہ فقہ کے مہمات میں مصروف ہوئے اس لئے ان مباحث کا آج پتہ نہیں چلتا تاہم چند مسائل جو تواتر ان کیطرف منسوب ہیں انکی دقت نظر جدت ذہن وسعت خیال کے شاہد عادل ہیں۔ ان میں سے ہم بعض مسائل کا ذکر کرتے ہیں جو محدثین کے نزدیک بڑے معرکۃ الآرا مسئلے ہیں

اعمال جزو ایمان نہیں

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ امام صاحب فرائض اور اعمال کو جزو ایمان نہیں سمجھتے۔ آج تو اسکی نسبت بحث کرنی گویا تحصیل حاصل ہے ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ ایمان اعتقاد۔ کا نام ہے جو دل سے متعلق ہے فرائض اور اعمال۔ جوارح کے نام ہیں اسلئے نہ ان دونوں سے کوئی حقیقت مرکب ہو سکتی ہے۔ نہ انمیں سے ایک دوسرے کا جزو ہو سکتا ہے۔ لیکن اس زمانہ میں یہ ایک بڑا بحث طلب مسئلہ تھا اور اکثر ارباب ظاہر بلکہ بعض مجتہدین بھی اس کے خلاف تھے۔

صحابہ کے زمانہ تک اسلامی عقائد کی سطح۔ نہایت ہموار اور غیر متحرک رہی۔ اہل عرب کو ان موشگافیوں اور باریک بینیوں سے سروکار نہ تھا۔ بنو امیہ کے وسط زمانہ میں جب فوجی قوت کو زوال ہوا تو تمدن و معاشرت کی وسعت نے اور قسم کے اشغال پیدا کر دیئے۔ جبر و قدر۔ تشبیہ و تنزیہ۔ عدل و جور کی بحثیں چھڑ گئیں ان بحثوں کی ابتدا ان لوگوں نے کی جو عجم کی خاک سے تھے یا ان پر عجم کا پرتو پڑا تھا چونکہ یہ نامانوس صدائیں تھیں ان باتوں پر مذہبی گروہ میں جو زیادہ تر عرب سے تعلق رکھتا تھا سخت برہمی پیدا ہو گئی اور محدثین و فقہا نہایت سختی سے بدعتیوں کے مقابلہ کو اٹھے اس مقابلہ کی بنا پر ان بزرگوں کو خود بھی ان مسائل میں نفی یا اثبات کا پہلو اختیار کرنا پڑا۔ لیکن جوش مخالفت نے اکثروں کو اعتدال کی حد پر نہ رہنے دیا۔ معتزلہ کا مذہب تھا کہ قرآن مجید خدا کا ایک جدید کلام ہے۔ جو رسول اللہ کی نبوت کے ساتھ وجود میں آیا۔ لوگوں نے اس کی یہانتک مخالفت کی کہ بعض محدثین نے تلفظ بالقرآن کو بھی قدیم ٹھہرایا۔ امام ذہلی جو امام بخاری کے اساتذہ میں سے تھے اور صحیح بخاری میں انکی سند سے اکثر روایتیں ہیں۔ اسی بات پر امام بخاری سے ایسے ناراض ہوئے کہ انکو حلقہ درس سے نکلوا دیا اور عام حکم دیدیا کہ جو شخص بخاری کے پاس آمد و رفت رکھے وہ ہمارے حلقہ میں نہ آنے پائے[1] امام بخاری خود قرآن کے قدم کے قائل تھے لیکن قرأت قرآن کو حادث کہتے تھے۔ ذہلی کو اصرار تھا کہ یہ بھی قدیم ہیں۔

[1] ان واقعات کو حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں تفصیل کیساتھ لکھا ہے ۱۲

اور مسائل میں بھی اس قسم کی بے اعتدالیاں ہوئیں جنکی تفصیل کا یہ موقع نہیں امام ابوحنیفہ نے ان تمام بحثوں میں وہی پہلو اختیار کیا جو مغز سخن تھا اور جو عقل کے ساتھ نقل کے بھی مطابق تھا انہیں مسائل میں ایمان و عمل کا بھی مسئلہ تھا۔ مرجیہ کا مذہب ہے کہ ایمان اور عمل دو مختلف چیزیں ہیں اور ایمان اور تصدیق کامل ہو تو عمل کا نہونا کچھ ضرر نہیں کرتا۔ ایک شخص اگر دل سے توحید و نبوت کا معترف ہے اور فرائض نہیں ادا کرتا تو وہ مواخذہ سے بری ہے اس رائے کا پہلا حصہ گو صحیح تھا۔ مگر محدثین نے کچھ تفریق نہ کی اور کلیۃً اس مذہب کے مخالف ہو گئے۔ چونکہ قرآن کی بعض آیتیں بھی بظاہر اسکے موید تھیں انکی رائے کو اور بھی قوت و شدت ہوگئی یہ ایک اجتہادی رائے تھا اور یہیں تک رہتا تو چنداں مضائقہ نہ تھا لیکن افسوس یہ ہے کہ ان بزرگوں نے یہانتک شدت کی کہ جو شخص ان کی رائے کے ساتھ متفق نہ ہوتا تھا اس کو فاسق یا کافر سمجھتے تھے قاضی ابو یوسف ایکبار شریک کی عدالت میں گواہ ہو کر گئے تو انھوں نے کہا وہیں اس شخص کی شہادت نہیں قبول کرتا جسکا یہ قول ہو کہ نماز جزو ایمان نہیں"

امام ابوحنیفہ۔ کو اس سے کچھ بحث نہ تھی کہ یہ مسئلہ فلاں شخص یا فلاں فرقہ کا ہے وہ اصل حقیقت کو دیکھتے اور مغز سخن کو پہنچتے تھے جب یہ بحث انکے سامنے پیش کی گئی تو انھوں نے علانیہ کہا کہ ایمان اور عمل دو جداگانہ چیزیں ہیں اور دونوں کا حکم مختلف ہے اسپر بہت سے لوگوں نے انھیں بھی مرجیہ کہا لیکن وہ ایسا مرجیہ ہونا خود پسند کرتے تھے۔ محدثین اور فقہا میں سے جو لوگ امام صاحب کے ہمزبان تھے انکو بھی یہی خطاب عنایت ہوا۔ محدث ابن قتیبہ نے اپنی مشہور اور مستند کتاب المعارف میں مرجیہ کے عنوان سے بہت سے فقہاء اور محدثین کے نام گنائے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں ابراہیم تیمی۔ عمرو بن مرۃ طلق ابجیب۔ حماد بن سلیمان عبد العزیز بن ابی دواد۔ خارجہ بن مصعب۔ عمرو بن قیس الاصر۔ ابو معاویہ الضریر۔ یحییٰ بن زکریا۔ مسعر بن کدام۔ حالانکہ ان میں سے اکثر حدیث و روایت کے امام ہیں۔ اور صحیح بخاری و مسلم میں ان لوگوں کی سیکڑوں روایتیں موجود ہیں ہمارے زمانہ کے بعض کوتاہ بیں جو اسپر غش ہیں کہ امام صاحب کو بعض محدثین نے مرجیہ کہا ہے ابن قتیبہ کی فہرست دیکھتے تو شاید انکو ندامت ہوتی۔ محدث ذہبی نے میزان الاعتدال میں مسعر بن کدام کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ارجاء (مرجیہ ہونا) بہت علماء کبار کا مذہب ہے اور اس مذہب کے قائل پر مواخذہ نکرنا چاہیئے یہ اسی ارجاء کی طرف اشارہ ہے جو امام ابوحنیفہ کا مذہب تھا۔

ایمان اور عمل جداگانہ چیزیں ہیں۔

جو لوگ مرجیہ کہلاتے ہیں۔

یہ مسئلہ اگرچہ بظاہر چنداں مہتم بالشان نہ تھا لیکن اسکے نتائج بہت بڑا اثر رکھتے تھے اسی لحاظ سے امام صاحب نے نہایت آزادی سے اسکا اظہار کیا۔ عمل کو جزو ایمان قرار دینا اس بات کو مستلزم ہے کہ جو شخص اعمال کا پابند نہ ہو وہ مومن بھی نہ ہو جیسا کہ خارجیوں کا مذہب ہے جو مرتکب کبائر کو کافر سمجھتے ہیں۔ اگرچہ اکثر

محدثین ایسے شخص کو کافر نہیں سمجھتے تھے لیکن یہ نہ سمجھنا اس وجہ سے تھا کہ وہ لزوم سے ناواقف تھے حالانکہ لزوم قطعی اور یقینی ہے جس سے انکار نہیں ہوسکتا۔

امام رازی نے جو امام شافعی کے بہت بڑے حامی ہیں، کتاب مناقب الشافعی میں لکھا ہے کہ لوگوں نے امام شافعی پر یہ اعتراض کیا ہے کہ وہ متناقض باتوں کے قائل ہیں کیونکہ ایک طرف تو وہ یہ کہتے ہیں کہ ایمان تصدیق و عمل کے مجموعہ کا نام ہے، ساتھ ہی اس بات کے بھی قائل ہیں کہ ترک عمل سے کوئی شخص کافر نہیں ہوتا، حالانکہ مرکب چیز کا جب ایک جزو نہ رہا تو مرکب بھی من حیث المرکب نہ رہا، اسی لئے معتزلہ جو اس بات کے قائل ہیں کہ عمل جزو ایمان ہے اس بات کے بھی قائل ہیں کہ عمل نہ ہو تو ایمان بھی نہیں لیکن امام شافعی کی طرف سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اصل ایمان اقرار اور اعتقاد کا نام ہے۔ باقی اعمال تو وہ ایمان کے ثمرات اور توابع ہیں لیکن چونکہ توابع پر بھی کبھی مجازاً اصل شے کا اطلاق ہوتا ہے اسلئے مجازاً اعمال پر بھی ایمان کا اطلاق ہوا اور یہ مسلم ہے کہ توابع کے فوت ہونے سے اصل شے فوت نہیں ہوتی۔

لیکن یہ جواب توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ ہے اور خود امام رازی کو اسکا اعتراف کرنا پڑا چنانچہ جواب کے بعد فرماتے ہیں فیہ ترك ھذا المذھب یعنی اس جواب سے یہ مذہب باطل ہوا جاتا ہے امام رازی گو شافعی المذہب اور اپنے امام کے نہایت طرفدار ہیں لیکن چونکہ صاحب نظر اور نکتہ شناس ہیں انکو تسلیم کرنا پڑا کہ یا عمل کو ایمان کے توابع سے شمار کرنا چاہئے یا مان لینا چاہئے کہ جو شخص پابند عمل نہیں مومن بھی نہیں۔

اس بحث سے متعلق امام ابو حنیفہ کی ایک تحریر موجود ہے جسکی طرز استدلال و استنباط نتائج سے امام صاحب کی وقت نظر کا اندازہ ہوسکتا ہے اور اصل مسئلہ کی حقیقت کھلتی ہے اس لئے اس موقع پر ہم اسکا حوالہ دینا مناسب سمجھتے ہیں یہ تحریر عثمان بتی کے ایک خط کا جواب ہے جو انھوں نے امام صاحب کو لکھا تھا عثمان اس زمانہ کے ایک مشہور محدث تھے عام لوگوں میں جب امام ابو حنیفہ کے ان خیالات کے چرچے ہوئے تو انھوں نے امام صاحب کو ایک دوستانہ خط لکھا جسکا مضمون یہ تھا کہ "لوگ آپ کو مرجیہ کہتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ آپ مومن کا ضال (گمراہ) ہونا جائز قرار دیتے ہیں، مجھکو ان باتوں کے سننے سے نہایت رنج ہوتا ہے کیا یہ باتیں صحیح ہیں،" اس کے جواب میں امام صاحب نے ایک طولانی خط لکھا ہے جس کے فقرے کہیں کہیں سے ہم انتخاب کرتے ہیں۔ حمد و نعت کے بعد عثمان بتی کی دوستانہ نصیحت اور خیر خواہی کا شکریہ ادا کر کے اصل مضمون اس طرح شروع کیا ہے

امام صاحب کی تحریر

میں آپ کو بتاتا ہوں کہ رسول اللہ کے مبعوث ہونے سے پہلے تمام لوگ مشرک تھے رسول اللہ جب مبعوث ہوئے تو لوگوں کو اسبات کیطرف دعوت کی کہ خدا کو ایک مانیں اور رسول اللہ جو کچھ لائے اسکو تسلیم کریں جو

شخص اسلام میں داخل ہوتا تھا اور شرک چھوڑ دیتا تھا اسکی جان اور مال حرام ہو جاتا تھا پھر خاص ان لوگوں کیلئے جو ایمان لا چکے تھے فرائض کے احکام آئے پس اس کا پابند ہونا عمل ٹھیرا اور خدا نے اسی کیطرف اشارہ کیا ہے الذین اٰمنو وعملوا الصلحت و من یؤمن باللہ و یعمل صالحا اس قسم کی اور آیتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عمل کے نہ ہونے سے ایمان جاتا نہیں رہتا۔ البتہ اگر تصدیق و اعتقاد نہو تو مومن کا اطلاق نہیں ہو سکتا عمل و تصدیق کا دو جداگانہ چیز ہونا اس سے بھی ظاہر ہے کہ تصدیق کے لحاظ سے سب مسلمان برابر ہیں لیکن اعمال کے لحاظ سے مراتب میں فرق ہوتا ہے کیونکہ دین و مذہب سب کا ایک ہی ہے خدا نے خود کہا ہے۔ شرع لکم ما وصی بہ نوحا والذی اوحینا الیک وما وصی بہ ابراھیم و موسی وعیسی ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ یعنی "تمہارے لئے اسی دین کو مشروع کیا جس کی وصیت نوح کو کی تھی اور جو تجھپر وحی بھیجی اور جسکی وصیت ابراہیم و موسی و عیسی کو کی وہ یہ ہے کہ دین کو قائم رکھو اور اسمیں تفرقہ نہ"

آپ کو جاننا چاہئے کہ تصدیق میں ہدایت اور اعمال میں ہدایت یہ دونوں دو چیزیں ہیں آپ ایک شخص کو جو فرائض سے ناواقف ہو مومن کہہ سکتے ہیں پس ایسا شخص فرائض کے لحاظ سے جاہل اور تصدیق کے لحاظ سے مومن ہے۔ خود خدا نے قرآن میں یہ اطلاقات کئے ہیں کیا آپ اس شخص کو جو خدا اور رسول خدا کے پہچاننے میں گمراہ ہو اس شخص کی برابر قرار دینگے جو مومن ہو لیکن اعمال سے ناواقف ہو خدا نے جہاں فرائض بتائے ہیں اس موقع پر ارشاد فرمایا ہے کہ یبین اللہ لکم ان تضلوا یعنی خدا نے اسلئے بیان کیا کہ تم گمراہ نہ ہو) دوسری آیت میں ہے ان تضل احدھما فتذکر احدھما الاخری (یعنی ایک گمراہ ہو تو دوسرا یاد دلادے) حضرت موسی کی زبان سے فرمایا فعلتھا اذا وانا من الضالین (یعنی جب میں نے وہ کام کیا تب میں گمراہ تھا) ان آیتوں کے علاوہ اور بہت سی آیتیں ہیں جو اس دعوی کے ثبوت کے لئے دلائل قاطعہ ہیں اور حدیثیں تو اور بھی واضح اور صاف ہیں حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ امیر المومنین کے لقب سے پکارے جاتے تھے تو کیا اس کے یہ معنی تھے کہ وہ صرف ان لوگوں کے امیر تھے جو فرائض اور اعمال کے پابند تھے حضرت علی نے شام والوں کو جن سے لڑتے تھے مومن کہا کیا قتل سے بڑھکر کوئی گناہ ہے پھر جو لوگ قتل کے مرتکب ہوئے کیا آپ قاتلین اور مقتولین دونوں کو برسرحق قرار دیتے ہیں اگر آپ صرف ایک کو یعنی حضرت علیؓ اور طرفداران علیؓ برسرحق تسلیم کرینگے تو دوسرے فریق کو کیا کہیں گے اسکو خوب سمجھ لیجئے اور غور کیجئے۔ میرا یہ قول ہے کہ اہل قبلہ سب مومن ہیں اور فرائض کے ترک سے کافر نہیں ہو سکتے جو شخص ایمان کے ساتھ تمام فرائض بجالاتا ہے وہ مومن جنتی ہے اور جو ایمان اور اعمال دونوں کا تارک ہے وہ کافر اور دوزخی ہے جو شخص ایمان رکھتا ہے اور فرائض میں اس سے کوتاہی

ہو جاتے ہیں وہ مسلمان ضرور ہے لیکن گنہگار مسلمان ہے خدا کو اختیار ہے اسپر عذاب کرے یا معاف کردے

امام صاحب نے جس خوبی سے اس دعوی کو ثابت کیا ہے۔ انصاف یہ ہے کہ اس سے بڑھکر نہیں ہوسکتا فرائض اور ایمان کے باہمی امتیاز کی اس سے عمدہ تر کیا دلیل ہوگی کہ آغاز اسلام میں ایمان کی دعوت ہوتی تھی اور فرائض کا وجود نہ تھا امام صاحب نے قرآن کی جو آیتین استدلال میں پیش کی ہیں ان سے بداہتہً ثابت ہوتا ہے کہ دونوں دو چیزیں ہیں کیونکہ ان تمام آیتوں میں عمل کو ایمان پر معطوف کیا ہے اور ظاہر ہے کہ جزو کل پر معطوف نہیں ہوسکتا من یومن باﷲ فیعمل صالحا میں حرف تعقیب آیا ہے جس سے اس بحث کا قطعی فیصلہ ہوجاتا ہے ان دلائل قاطعہ کے مقابلہ میں دوسری طرف بعض آیتین اور حدیثین ہیں لیکن ان میں سے کوئی اثبات مدعا کیلئے کافی نہیں بڑا استدلال اس حدیث پر ہے کہ مومن مومن ہوکر زنا اور چوری نہیں کرتا،، حالانکہ یہ کلام کے زور دینے کا ایک پیرایہ ہے ہم اپنی زبان میں کہتے ہیں کہ بھلا آدمی ہوکر تو ایسا کام نہیں کرسکتا جسکا صرف یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ کام شان شرافت کے خلاف ہے۔ بے شبہہ زنا اور سرقہ بھی ایمان کی شان کے خلاف ہیں اور حدیث کا مقصد اسی قدر ہے۔ ورنہ ابوذر کی حدیث میں صراحتہً یہ الفاظ موجود ہیں کہ ,,جو شخص لا الہ الا اﷲ کا قائل ہے وہ جنت میں جائے گا گو زانی اور چور ہو،،

ایمان کم اور زیادہ نہیں ہوتا

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ الایمان لایزید ولا ینقص یعنی ایمان کم و بیش نہیں ہوسکتا بے شبہہ یہ امام صاحب کا قول ہے لیکن اسکی تعبیر میں لوگوں نے غلطی کی ہے۔ نہ صرف محدثین اور شافعیہ نے بلکہ خود احناف نے بھی۔ ایمان کی کمی و زیادتی دو لحاظ سے ہوسکتی ہے ایک اس اعتبار سے کہ وہ مقولہ کیف سے ہے جسمیں شدت و ضعف ممکن ہے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ ایمان یقین کا نام ہے اور یقین کے مراتب متفاوت ہوتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب خدا سے کہا کہ اے خدا تو مردونکو کیونکر جلاتا ہے تو ارشاد ہوا اولم تومن یعنی کیا اب تک تجھکو یقین نہیں آیا عرض کیا کہ یقین ضرور ہے لیکن لیطمئن قلبی اور زیادہ اطمینان خاطر چاہتا ہوں۔ خدا نے متعدد آیتوں میں صاف تصریح کردی ہے کہ ایمان میں ترقی ہوتی ہے زادتہم ایمانا اس مسئلہ میں نص صریح ہے لیکن امام ابوحنیفہ کو بلحاظ اس معنی کے نہ انکار ہے نہ یہ امر اسوقت زیر بحث تھا امام صاحب کے دعوی کا اور منشا ہے اور وہ بالکل صحیح ہے جن لوگوں نے عمل کو جزو ایمان قرار دیا۔ انکا مذہب ہے کہ ایمان بلحاظ مقدار کے زیادہ کم ہوتا ہے جو شخص اعمال کا زیادہ پابند ہے وہ زیادہ مومن ہے محدثین صراحتہً اس کے مدعی ہیں اور اس پر دلیلین لاتے ہیں۔ علامہ قسطلانی صحیح بخاری کی شرح میں لکھتے ہیں فاما ان الایمان یزید بالطاعات وینقص

بالمعصیۃ یعنی "ایمان ثواب کے کام کرنے سے زیادہ ہوتا ہے اور گناہ سے گھٹ جاتا ہے" اور محدثین نے بھی جابجا اس کی تصریح کی ہے۔ امام ابو حنیفہ اس اعتبار سے ایمان کی زیادت و نقصان کے منکر تھے انکے نزدیک جب اعمال جزء ایمان نہیں۔ تو اعمال کی کمی بیشی سے ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوسکتی اور یہ بالکل صحیح ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ "ابو بکر کو تم لوگوں پر جو ترجیح ہے وہ کثرت صوم صلوٰۃ کی وجہ سے نہیں بلکہ اس چیز کی وجہ سے ہے جو انکے دل میں ہے" غرض امام صاحب کا یہ دعوی نہیں ہے کہ ایمان بلحاظ کیفیت یعنی شدت و ضعف کے زیادہ و کم نہیں ہوسکتا بلکہ انکا یہ دعوی ہے کہ ایمان مقدار کے اعتبار سے کم و بیش نہیں ہوتا۔ یہ دعوی اس بات کی فرع ہے کہ اعمال جزء ایمان نہیں ہے اور اس کو ہم بھی ثابت کر چکے ہیں۔

متعلق ایمان میں سب برابر ہیں۔

امام صاحب اس بات کے بھی قائل تھے کہ متعلق ایمان میں کچھ تفاوت نہیں ہے یعنی معتقدات کے لحاظ سے سب مسلمان برابر ہیں۔ ایمان کے لئے جن مسائل پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے وہ سب کے لئے یکساں ہیں صحابہ اور عام مسلمان اس لحاظ سے برابر ہیں کہ دونوں ایک ہی چیز یعنی توحید و نبوت کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ فرق ہے تو اعتقاد کی شدت و ضعف میں ہے اسی مطلب کو امام صاحب نے عثمان بتی کے جواب میں ان الفاظ سے بیان کیا ہے کہ دین اهل السماء و الارض واحد یعنی آسمان اور زمین والوں کا ایک ہی دین ہے پھر اس دعوی پر آیت قرآنی سے استدلال کیا ہے شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا یعنی ہمنے تمہارے لئے وہی دین مشروع کیا جسکی وصیت نوح کو کی تھی" مخالفین نے بڑے زور شور سے امام صاحب پر یہ الزام لگایا ہے کہ وہ اس بات کے قائل تھے کہ "میرا ایمان اور ابو بکر صدیق کا ایمان برابر ہے" اگرچہ امام صاحب کی طرف اس قول کے اسناد ثابت نہیں لیکن اگر ثابت ہو تو کیا نقصان ہے جس اعتبار سے وہ اسبا داعے کے مدعی ہیں اس سے کس کو انکار ہوسکتا ہے تعجب اور سخت تعجب ہے کہ ایسا صاف مسئلہ معترضوں کی سمجھ میں نہ آیا خطیب بغدادی نے صفحے کے صفحے سیاہ کر دیئے اور یہ نہ سمجھے کہ امام صاحب کا دعوی کیا ہے انکو یہ الفاظ نہایت گراں گزرتے ہیں کہ ہمارا اور صحابہ کا ایمان برابر ہے وہ یہ نہیں سمجھتے کہ بہت سی چیزوں میں ہم اور صحابہ برابر ہیں تاہم ہم میں اور صحابہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اگرچہ اس قسم کے تمام مسائل میں امام صاحب اپنی خاص رائیں رکھتے تھے لیکن وہ مخالف رایوں پر کفر و فسق کا الزام نہیں لگاتے تھے یہ فیاضدلی امام صاحب کا خاصہ ہے۔ اور قرن اول کے بعد اسلام میں اسکی بہت کم نظیریں ملتی ہیں۔ اسلام کو ان مشاجرات نے زیادہ نقصان نہیں پہنچایا جو اختلاف آرا کی بنا پر قائم ہوگئی ان اختلافات کی بنیاد اگرچہ خود صحابہ کے زمانہ میں شروع ہو چکی تھی۔ عبد اللہ بن عباس

اور بہت سے صحابہ کا اعتقاد تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں خدا کو آنکھوں سے دیکھا حضرت عائشہؓ نہایت اصرار سے اس کے مخالف تھیں،، امیر معاویہ کو معراج جسمانی سے انکار تھا حضرت عائشہ سماع موتی کے قائل نہ تھیں لیکن اس زمانہ تک ان اختلافات پر ہدایت و گمراہی کا مدار نہ تھا جو لوگ مختلف رائیں رکھتے تھے ان میں کبھی کسی نے کسی کی تکفیر یا تفسیق نہیں کی۔ حضرت عبد اللہ بن عمر سے ایک شخص نے پوچھا کہ وہ کچھ لوگ پیدا ہوئے ہیں جو قرآن کی غلط تاویل کرتے ہیں اور ہمکو کافر قرار دیتے ہیں وہ خود کافر ہیں یا نہیں،، حضرت عبد اللہ نے فرمایا کہ اسوقت تک کوئی شخص کافر نہیں ہو سکتا جب تک خدا کو دو نہ کہے[1]، صحابہ کے بعد یہ اختلاف زور پکڑتے گئے اور رفتہ رفتہ مستقل فرقے ہو گئے اعتقادی اور فقہی مسائل اکثر ایسے ہیں جن میں نص قاطع موجود نہیں۔ اور ہیں تو متعارض ہیں اسلئے استنباط اور رفع تعارض کی ضرورت نے اجتہاد کو بہت وسعت دی اور سیکڑوں رائیں قائم ہو گئیں بے شبہ ان میں بہت سی رائیں صحیح نہیں لیکن یہ ضرور نہیں کہ وہ سب کفر ہوں۔

افسوس ہے کہ سرگرم طبیعتیں جو مذہبی جوش اور تقدس کے نشہ میں سرشار تھیں۔ اختلاف رائے کے صدمے کی تاب نہ لاسکیں اور نہایت بے صبری سے مخالفت پر آمادہ ہو گئیں بات بات پر کفر کے فتوی ہونے لگے جو لوگ جس قدر زیادہ مذہبی حرارت رکھتے تھے اسی قدر کفر کے اطلاق میں کم احتیاط کرتے تھے رفتہ رفتہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ ہر فریق نے دوسرے کی ضلالت و گمراہی ثابت کرنیکے لئے موضوع روایتوں سے اعانت لی اور اس قسم کی حدیثیں ایجاد ہونے لگیں کہ میری امت میں ۷۳ فرقے پیدا ہونگے جن میں صرف ایک جنتی ہوگا باقی سب دوزخی اس فرضی تعداد کو بھی پورا کرنا ضرور تھا اسلئے کھینچ تان کر ۷۳ فرقے قرار دیئے ہیں اور سبکے الگ الگ نام رکھے اس پر بھی تسکین نہ ہوئی تو ہر ہر فرقے کیلئے جدا جدا روائتیں گھڑیں مثلاً القدریۃ مجوس ھذہ الامۃ وغیرہ وغیرہ

ان تعصبات اور جھگڑوں نے جماعت اسلامی کے تمام اجزا پراگندہ کر دیئے اور مذہب اخلاق حکومت تمدن معاشرت سب کا نقشہ بگڑ گیا۔ اس عالمگیر آشوب میں صرف ایک امام ابو حنیفہ تھے جنکی صدا سب سے الگ تھی اور جو پکار کر کہتے تھے لا نکفر احدا من اھل القبلۃ یعنی اہل قبلہ میں سے ہم کسی کو کافر نہیں سمجھتے،، اسوقت تو اس صدا پر چنداں توجہ نہیں ہوئی لیکن زمانہ جس قدر ترقی کرتا گیا اس جملہ کی قدر بڑھتی گئی یہانتک کہ وہ علم کلام کا ایک بیش بہا اصول بن گیا اگرچہ افسوس ہے کہ اس پر عمل کم کیا گیا اور تکفیر کے غلغلے اب بھی پست نہوئے۔

امام ابو حنیفہ اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے تھے

امام صاحب کی یہ رائے نہایت غور و تحقیق و تجربہ کے بعد قائم ہوئی تھی۔ بڑے بڑے مشہور بانیان مذہب انھیں کے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے اور امام صاحب کو انسے ملنے کا موقع حاصل ہوا تھا۔ خارجیوں کا صدر مقام

[1] آثار امام محمد صفحہ ۱۲۷۔

بصرہ تھا جو امام صاحب کے شہر سے نہایت قریب تھا واصل بن عطار و عمرو بن عبید جو مذہب اعتزال کے بانی اور مروج تھے بصرہ ہی کے رہنے والے اور امام صاحب کے ہمعصر تھے۔ جہم بن صفوان جسکے نام سے فرقہ جہمیہ مشہور ہے اسی زمانے میں تھا۔ امام صاحب ان میں سے اکثروں سے ملے اور انکے خیالات سے مطلع ہوئے تھے ان فرقوں کی نسبت جو اقوال مشہور تھے کچھ تو سرے سے غلط افترا تھے بعض کی تعبیر غلط طور پر کی گئی تھی بعض درحقیقت لغو و باطل تھے لیکن کفر کی حد تک نہ پہنچتے تھے اس لئے امام ابو حنیفہ نے یہ عام حکم دیا "اہل قبلہ سب مومن ہیں"، وہ دیکھ رہے تھے کہ جن مسائل پر قیامتیں برپا ہیں جو کفر و اسلام کی معیار قرار دی گئی ہیں وہ صرف لفظی بحثیں اور فرضی اصطلاحیں ہیں سب سے بڑا مسئلہ قدیم قرآن کا تھا جسکو لوگوں نے کلمہ توحید کے برابر قرار دیا تھا بڑے بڑے علمار کا قول ہے کہ "اسلام کو دو شخصوں نے نہایت نازک وقتوں میں محفوظ رکھا۔ حضرت ابو بکر صدیق جنہوں نے رسول اللہ کی وفات کے بعد مرتدین عرب کا استیصال کیا اور امام احمد حنبل جو مامون الرشید کے زمانہ میں حدوث قرآن کے منکر رہے بلکہ ایک اعتبار سے امام حنبل کو ترجیح ہے کیونکہ صحابہ حضرت ابو بکر کے معاون اور انصار تھے لیکن امام حنبل کا کوئی مددگار نہ تھا رجال کی کتابوں میں جب کسی شخص کو ثقہ اور مستند ثابت کیا جاتا ہے تو سب سے بڑی دلیل یہ پیش کیجاتی ہے کہ وہ حدوث قرآن کو کفر سمجھتا تھا" حالانکہ یہ صرف ایک لفظی بحث ہے جو لوگ قرآن کو حادث کہتے تھے انکی غرض ان الفاظ اور اصوات سے تھی جسکا ظہور رسول کی زبان سے ہوا یا جسپر عام طور سے قرآن کا اطلاق کیا جاتا ہے جو قدیم مانتے تھے وہ کلام سے کلام نفسی کو مراد لیتے تھے جو خدا کی صفات میں سے ہے امام ابو حنیفہ سے اس بارہ میں مختلف اقوال ہیں اور وہ اسی تفصیل کی بنا پر ہیں۔ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ قرآن حادث ہے۔ یا قدیم۔ فرمایا کہ حادث کیونکہ قرآن خدا نہیں اور جو خدا نہیں وہ حادث ہے[1]!

غرض اس قسم کے مسائل نفیاً یا اثباتاً نصی نہیں ہیں اور اس وجہ سے وہ کفر و اسلام کے معیار نہیں ہو سکتے امام ابو حنیفہ کی نکتہ شناسی کی بڑی دلیل یہ ہے کہ انھوں نے اسلام کے دائرہ کو کہ من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ کی وسعت رکھتا تھا اصلی وسعت پر قائم رکھا۔ افسوس ہے کہ انکی اس رائے پر بہت کم لحاظ کیا گیا اور امام غزالی محی الدین عربی حضرت غوث الاعظم ابن تیمیہ۔ ابو طالب مکی کو ہم فقہا کی زبان سے کافر سننے۔

حدیث اور اصول حدیث

یہ خیال اگرچہ غلط اور بالکل غلط ہے کہ امام ابو حنیفہ علم حدیث میں کم مایہ تھے تاہم اس سے انکار نہیں

[1] کتاب الاوائل ابو ہلال عسکری ۱۲

ہوسکتا کہ عام طور پر وہ محدث کے لقب سے مشہور نہیں۔ بزرگان سلف میں سیکڑوں ایسے گزرے ہیں جو درایت و روایت... دونوں کے جامع تھے لیکن شہرت اسی صفت کے ساتھ ہوئی جو انکا کمال غالب تھا۔ امام ابوحنیفہ کی تو حدیث میں کوئی تصنیف نہیں تعجب یہ ہے کہ امام مالک و امام شافعی بھی اس لقب کیساتھ مشہور نہوئے نہ انکی حدیثوں کو وہ قبول عام حاصل ہوا جو صحاح ستہ کو ہوا امام احمد حنبل ان لوگوں کی نسبت علم حدیث میں زیادہ نام آور ہیں انکی مسند کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ صحیح حدیثوں کا اتنا بڑا مجموعہ اور کوئی نہیں ملسکتا لیکن جس قدر حدیث و روایت میں انکا زیادہ اعتبار ہے اسی قدر استنباط اور اجتہاد میں انکی نام آوری کم ہے علامہ طبری نے جو خود بھی محدث اور مجتہد تھے مجتہدین میں انکا شمار نہیں کیا[1] قاضی ابن عبدالبر نے کتاب الانتہا فی الثلثۃ الفقہا میں جو مجتہدین کے حالات میں ہے امام ابوحنیفہ و امام مالک و امام شافعی پر اکتفا کی امام رازی مناقب الشافعی میں لکھتے ہیں کہ امام شافعی کے بعد کوئی مجتہد مطلق پیدا نہیں ہوا اگرچہ امام احمد حنبل کی نسبت گروہ کثیر علما کی یہی رائے تھی کہ وہ اجتہاد کامل کا منصب رکھتے تھے۔ تاہم انکے اجتہاد پر اتفاق عام نہوا۔

مجتہد و محدث کی حیثیتیں الگ الگ ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مجتہد و محدث کی حیثیتیں الگ الگ ہیں محدث مواعظ۔ قصص۔ فضائل۔ سیر ہر ایک قسم کی روایتوں کا استقصا کرتا ہے۔ بخلاف اسکے مجتہد کو زیادہ تر صرف ان احادیث سے غرض ہوتی ہے جنسے کوئی حکم شرعی مستنبط ہوتا ہے یہی سبب ہے کہ محدثین کی بہ نسبت مجتہدین ہمیشہ قلیل الروایۃ ہوے موطا میں جو امام مالک کی تمام روایتوں کا مجموعہ ہے۔ زیادہ سے زیادہ ہزار حدیثیں ہیں جن میں صحابہ اور تابعین کے اقوال بھی شامل ہیں۔ امام شافعی نے امام احمد حنبل کے سامنے اکثر اعتراف کیا ہے کہ تم لوگ بہ نسبت ہمارے احادیث سے زیادہ واقف ہو۔ قاضی یحیی بن اکثم جو ترمذی کے شیخ ہیں حسرت سے کہا کرتے تھے کہ اگر امام شافعی نے علم حدیث کیطرف پوری توجہ کی ہوتی تو ہم لوگوں کو سب سے بے نیاز کر دیا ہوتا۔[2] حافظ ابن حجر نے توالی التاسیس میں جو امام شافعی کے حالات میں ایک مختصر اور مفید رسالہ ہے جہاں امام شافعی کے شیوخ سے حدیث سے بحث کی ہے خاتمہ پر لکھا ہے کہ ولم یکثر من الشیوخ کعادۃ اھل الحدیث لاقبالہ علی الاشتغال بالفقہ یعنی وہ بہت سے شیوخ سے نہیں ملے جیسا کہ اہل حدیث کی عادت ہے کیونکہ انکو فقہ کا شغل رہتا تھا، حافظ ابن حجر نے امام شافعی کی نسبت قلت شیوخ کا جو سبب بیان کیا۔ امام ابوحنیفہ کی قلت روایت کا بھی وہی سبب ہے لیکن افسوس ہے کہ بعض لوگوں نے اس دائرے کو زیادہ وسیع کیا اور عموماً انکی قلت روایت کے قائل ہوئے یہ خیال کچھ نیا نہیں ہے اگلے زمانہ میں بھی بعض بعض لوگوں کی یہ

[1] طبقات المفسرین حافظ جلال الدین سیوطی ترجمہ علامہ طبری۔ [2] توالی التاسیس لحافظ ابن حجر صفحہ ۱۰۵۔

رائے تھی اور وہی غلط فہمی آجتک چلی آتی ہے۔

اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ امام ابوحنیفہ کے وہ واقعات جو منظر عام پر نمایاں ہیں انسے ایک ظاہر بین شخص ایسی ہی رائے قائم کرسکتا ہے حدیث میں انکی کوئی تصنیف موجود نہیں صحاح میں بجز ایک دو روایت کے انکا نام تک نہیں پایا جاتا سب سے زیادہ یہ کہ انکی شہرت اہل الرائے کے لقب سے ہے جس سے متبادر ہوتا ہے کہ حدیث سے انکو کم تعلق تھا۔ اس قدر ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مغازی قصص سیر وغیرہ میں انکی نظر چنداں وسیع نہ تھی امام مالک و امام شافعی کا بھی یہی حال تھا لیکن احکام وعقائد کے متعلق امام ابوحنیفہ کو جو واقفیت اور تحقیق حاصل تھی اس سے انکار کرنا صرف کم نظری اور ظاہر بینی کا نتیجہ ہے انکی تصنیف یا روایتوں کا مدون نہ ہونا قلت نظر کی دلیل نہیں ہوسکتا حضرت ابوبکر صدیقؓ سے زیادہ کسی صحابی کو رسول اللہ کے ساتھ جلوت وخلوت میں رہنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا رسول اللہ کے اقوال وافعال سے جس قدر وہ واقف تھے اور کون ہوسکتا تھا لیکن حدیث کی تمام کتابوں میں انکی روایت سے جسقدر صحیح حدیثیں ہیں انکی تعداد سترہ سے زیادہ نہیں[1] کون شخص کہہ سکتا ہے کہ انکو صرف اسی قدر حدیثیں معلوم تھیں حضرت ابوبکر کے بعد عمر فاروق کا درجہ ہے۔ انسے بھی صرف پچاس حدیثیں مروی ہیں جن میں سے بعض کا کافی ثبوت نہیں۔ حضرت عثمانؓ اور جناب امیر کا بھی یہی حال ہے بخلاف انکے حضرت ابوہریرہ سے ۵۳۷۴ انس سے ۲۲۸۶۔ عبدالرحمٰن بن عباس سے ۲۶۶۰ جابر سے ۲۵۴۰ عبداللہ بن عمر سے جو رسول اللہ کے زمانہ میں نوجوان تھے ۲۶۳۰ حدیثیں مروی ہیں۔ اگر روایتوں کا موجود ہونا ہی معیار ہے تو خلفائے اربعہ کی نسبت تسلیم کرنا پڑے گا کہ یا انکا حافظہ ضعیف اور نہایت ضعیف تھا۔ یا والنتا انکو رسول اللہ کے اقوال وافعال کیطرف التفات اور توجہ نہ تھی وحاشاھم عن ذالک یہ سچ ہے کہ صحاح ستہ کے مصنفین نے امام صاحب سے روایت نہیں کی (دو ایک روایتیں مستثنےٰ ہیں) لیکن اس الزام میں اور ائمہ بھی شریک ہیں امام شافعی جنکو بڑے بڑے محدثین مثلاً امام احمد حنبل۔ اسحاق بن راہویہ۔ ابو ثور۔ حمیدی۔ ابو زرعۃ الرازی ابو حاتم نے حدیث و روایت کا مخزن تسلیم کیا ہے۔ انکی سند سے صحیحین میں ایک بھی موجود نہیں بلکہ بخاری ومسلم نے کسی اور تصنیف میں بھی امام شافعی کی سند سے کوئی روایت نہیں کی۔ امام رازی نے بخاری ومسلم کی اس بے اعتنائی کی بہت سی تاویلیں کی ہیں۔ مگر کوئی معقول بات نہیں بتا سکے صحیحین پر موقوف نہیں ترمذی ابوداؤد۔ ابن ماجہ۔ نسائی میں بھی بہت کم ایسی حدیثیں ہیں جنکے سلسلہ رواۃ میں امام شافعی کا نام

خلفائے اربعہ کی قلت روایت

بخاری ومسلم نے امام شافعی کے واسطے سے حدیث روایت نہیں کی۔

---

[1] مناقب الشافعی للامام رازی خلفائے اربعہ کی نسبت یہ تعداد میں نے امام شافعی کے قول کے موافق لکھی ہے اور محدثین کے نزدیک اس سے زیادہ حدیثیں ان لوگوں سے مروی ہیں تاہم اس قدر تعداد نہیں پہنچتی جن پر کثرت روایت کا اطلاق کیا جائے ۱۲

جو شخص عمل کو ایمان کا حقیقت میں داخل نہیں سمجھتا تھا امام بخاری اس سے روایت نہیں کرتے تھے

آیا ہو حقیقت یہ ہے کہ بعض محدثین نے اعتماد اور استناد کا جو معیار قرار دیا تھا اس میں اہل نظر بلکہ اکثر لوگوں کے لئے کم گنجایش تھی۔ علامہ قسطلانی نے شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ امام بخاری فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کسی ایسے شخص سے حدیث نہیں لکھی جسکا یہ قول نہ تھا کہ الایمان قول و عمل[1] اگر یہ صحیح ہے تو امام ابوحنیفہ کو انکے دربار میں پہنچنے کی کیونکر امید ہوسکتی ہے۔ امام بخاری نے تاریخ کبیر میں امام شافعی کا ذکر کیا ہے لیکن جس بے پروائی سے کیا ہے اسکے لحاظ سے امام رازی نے یہی غنیمت سمجھا کہ تضعیف نہیں کی چنانچہ امام شافعی کے فضائل میں فرماتے ہیں واما الامام محمد بن اسمٰعیل البخاری فقد ذکر الشافعی فی تاریخ الکبیر فقال باب محمد بن ادریس بن عبد اللہ محمد الشافعی القرشی مات سنہ اربع ومایتین ثم انہ ما ذکرہ فی باب الضعفاء مع علمہ بانہ کان قد روی شیأ کثیرا من الحدیث ولو کان من الضعفاء فی ہذا الباب الذکرہ یعنی امام بخاری نے شافعی کا ذکر تاریخ کبیر میں کیا ہے چنانچہ فلاں باب میں لکھا ہے کہ محمد بن ادریس بن عبداللہ محمد الشافعی القرشی نے ۲۰۴ھ میں وفات پائی لیکن انکو ضعفا کے باب میں ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ امام بخاری جانتے تھے کہ شافعی نے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں اور اگر وہ اس باب میں ضعیف ہوتے تو امام بخاری ضرور انکو ضعیف لکھتے۔ امام اوزاعی جو محدث اور مجتہد مستقل تھے اور بلاد شام میں ان کا وہی اعزاز و اعتبار تھا جو عرب و عراق میں امام مالک و شافعی کا انکی نسبت کسی نے امام احمد حنبل سے رائے پوچھی۔ فرمایا کہ حدیث ضعیف و رائے ضعیف[2]" لطف یہ ہے کہ مجتہدین جس چیز پر فخر کر سکتے ہیں وہ وقت نظر قوت استنباط۔ استخراج مسائل تفریع احکام۔ لیکن محدثین کے ایک گروہ کے نزدیک یہی باتیں عجب و نقص میں داخل ہیں علامہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری۔ قاضی ابویوسف کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ اہل حدیث میں سے ایک گروہ نے انکی روایت سے اس بنا پر احتراز کیا ہے کہ انپر رائے غالب تھی اور فروع احکام کی تفریع کرتے تھے ان باتوں کے ساتھ بادشاہ کی صحبت میں رہتے تھے اور منصب قضا پر مامور تھے[3]" اگر فروع اور احکام کا استنباط بھی جرم ہے تو بے شبہ امام ابوحنیفہ قاضی ابویوسف سے زیادہ مجرم ہیں۔

البتہ یہ بات غور کے قابل ہے کہ امام ابوحنیفہ اور انکے اتباع کو کیوں اہل الرائے کہا جاتا تھا اس باب میں اکثر لوگوں نے غلطی کی ہے جسکی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے شہرت عام کے مقابلہ میں تحقیق کی پروا نہ کی اس بحث کے تصفیہ کے لئے سب سے پہلے یہ پتہ لگانا چاہئے کہ یہ لقب کب ایجاد ہوا اور کن لوگوں پر اطلاق کیا گیا۔ جہانتک ہمکو معلوم ہے اس لقب کے ساتھ اول جسکو امتیاز حاصل ہے وہ ربیعۃ الرائے ہیں

[1] حافظ ابن حجر نے فتح الباری کے مقدمہ میں امام بخاری کا یہ قول نقل کیا ہے ۱۲

[2] مناقب الشافعی امام الرازی و باب رابع ۱۲ [3] تاریخ ابن خلکان ترجمہ فارسی ابویوسف ۱۲

جو امام مالک کے استاد اور شیخ الحدیث تھے۔ رائے کا لفظ انکے نام کا جزو بن گیا ہے اور تاریخ اور اسماء الرجال میں ہمیشہ انکا نام ربیعۃ الرائے لکھا جاتا ہے یہ مشہور محدث اور فقیہ تھے۔ اور بہت سے صحابہ سے ملے تھے علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں انکا ذکر ان لفظوں سے کیا ہے، "تمام اصحاب کتب (یعنی صحاح ستہ) نے انسے احتجاج کیا ہے عبد العزیز ماجشون کا قول ہے کہ واللہ میں نے ربیع سے زیادہ کسی کو حافظ الحدیث نہیں دیکھا۔

اہل الرائے کی تحقیق ربیعۃ الرائے

اسی زمانہ میں اور اسکے بعد اور لوگ بھی اس لقب سے پکارے گئے۔ محدث ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں اہل الرائے کی سرخی سے ایک باب باندھا ہے اور عنوان کے نیچے یہ نام لکھے ہیں۔ ابن ابی لیلی۔ ابو حنیفہ ربیعۃ الرائے۔ زفر۔ اوزاعی۔ سفیان۔ ثوری۔ مالک بن انس۔ ابو یوسف قاضی۔ محمد بن حسن، ابن قتیبہ نے ۲۷۶ھ میں وفات پائی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کم از کم تیسری صدی تک مذکورہ بالا لوگ اہل الرائے کے لقب سے مشہور تھے اگرچہ یہ سب لوگ درحقیقت (زفر کے سوا) محدث ہیں۔ لیکن امام مالک۔ سفیان ثوری امام اوزاعی کی شہرت تو محتاج بیان نہیں۔

جو لوگ اہل الرائے کے لقب سے مشہور تھے

اصل یہ ہے کہ جو لوگ علم حدیث کی درس تدریس میں مشغول تھے ان میں دو فرقے قائم ہوگئے تھے ایک وہ جنکا کام صرف حدیثوں اور روایتوں کا جمع کرنا تھا وہ حدیث سے صرف من حیث الروایۃ بحث کرتے تھے یہانتک کہ انکو ناسخ و منسوخ سے بھی کچھ سروکار نہ تھا۔ دوسرا فرقہ حدیثوں کو استنباط احکام اور استخراج مسائل کے لحاظ سے دیکھتا تھا اور اگر کوئی نص صریح ملتی تھی تو قیاس سے کام لیتا تھا اگرچہ یہ دونوں حیثیتیں دونوں فریق میں کسی قدر مشترک تھیں لیکن وصف غالب کے لحاظ سے ایک دوسرے سے ممتاز تھا پہلا فرقہ اہل الروایۃ اہل حدیث اور دوسرا فرقہ مجتہد اور اہل الرائے کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ امام مالک سفیان ثوری۔ اوزاعی۔ اس لئے اہل الرائے کہلائے کہ وہ محدث ہونے کے ساتھ مجتہد مستقل اور بانی مذہب تھے لیکن چونکہ ان لوگوں میں بھی معلومات حدیث اور قوت اجتہاد کے لحاظ سے اختلاف مراتب تھا۔ اس لئے اضافی طور پر بھی کبھی اس فرقہ میں سے ایک کو اہل الرائے اور دوسرے کو اہل حدیث کہتے تھے، مثلاً امام مالک کی بہ نسبت امام ابو حنیفہ پر مجتہد اور اہل الرائے کا لقب زیادہ موزوں تھا۔ امام احمد حنبل سے ایک بار نضر بن یحیی نے پوچھا کہ آپ لوگوں کو ابو حنیفہ پر کیا اعتراض ہے" انھوں نے جواب دیا کہ "رائے"۔ نضر نے کہا کہ کیا امام مالک رائے پر نہیں عمل کرتے۔ امام احمد حنبل بولے کہ ہاں لیکن ابو حنیفہ رائے کو زیادہ دخل دیتے ہیں۔ نضر نے کہا تو حصہ رسدی کے موافق دونوں پر الزام آنا چاہئے نہ صرف ایک پر امام احمد حنبل کچھ جواب نہ دے سکے اور چپ ہو گئے[۱]

۱؎ عقود الجمان خاتمہ فصل اول ۱۲

امام صاحب کے اہل الرائے کے لقب سے مشہور ہونے کی وجہ

امام ابوحنیفہ سے پہلے فقہ کوئی مستقل اور مرتب فن نہ تھا۔ امام صاحب نے اسکی تدوین کیطرف توجہ کی تو ہزاروں مسئلے ایسے پیش آئے جنمیں کوئی حدیث صحیح بلکہ صحابہ کا قول بھی موجود نہ تھا اسلئے انکو قیاس سے کام لینا پڑا قیاس پر پہلے بھی عمل تھا خود صحابہ قیاس کرتے تھے اور اسکے مطابق فتوے دیتے تھے اسکا مفصل بیان آگے آئے گا۔ لیکن اسوقت تک تمدن کو چنداں وسعت حاصل نہ تھی۔ اس لئے نہ کثرت سے واقعات پیش آتے تھے نہ چنداں قیاس کی ضرورت پڑتی تھی۔ امام صاحب نے فقہ کو مستقل فن بنانا چاہا تو قیاس کی کثرت استعمال کے ساتھ اس کے اصول و قواعد بھی مرتب کرنے پڑے اس بات نے انکو رائے اور قیاس کے انتساب سے زیادہ شہرت دی چنانچہ تاریخوں میں جہاں انکا نام لکھا جاتا ہے امام اہل الرائے لکھا جاتا ہے۔

ایک اور وجہ

اس شہرت کی ایک اور وجہ ہوئی۔ عام محدثین۔ حدیث و روایت میں درایت سے بالکل کام نہیں لیتے تھے۔ امام ابوحنیفہ نے اسکی ابتدا کی اور اسکے اصول و قواعد منضبط کئے انھوں نے بہت سی حدیثیں اس بنا پر قبول نہ کیں کہ اصول درایت کے موافق ثابت نہ تھیں اسلئے اس لقب کو زیادہ شہرت ہوئی کیونکہ درایت اور رائے مترادف سے الفاظ ہیں اور کم از کم یہ کہ عام لوگ ان دونوں میں فرق کر سکتے تھے۔

امام ابوحنیفہ کا محدث اور حافظ الحدیث ہونا

ان عارضی بحثوں کے بعد ہم اصل مسئلہ پر متوجہ ہوتے ہیں یعنی یہ کہ امام ابوحنیفہ کو فن حدیث میں کیا رتبہ حاصل تھا اس بحث کے فیصلے کے لئے انکی علمی زندگی کے واقعات پر نظر ڈالنی چاہئے جو نہایت صحیح اور مستند روایتوں سے ثابت ہیں اس کتاب کے پہلے حصہ میں ہم امام ابوحنیفہ کی تحصیل حدیث کے حالات ان کتابوں کی سند سے لکھ آئے ہیں جن پر فن رجال کا دارومدار ہے اب غور کرو کہ جس شخص نے بیس برس کی عمر سے جو فہم کی درستی اور پختگی کا زمانہ ہے علم حدیث پر توجہ کی ہو اور ایک مدت تک اس شغل میں مصروف رہا ہو جنے کوفہ کے مشہور شیوخ حدیث سے حدیثیں لکھی ہوں جو حرم محترم کی درسگاہوں میں برسوں تحصیل حدیث کرتا رہا ہو جسکو مدینہ منورہ کے شیوخ نے سند فضیلت دی ہو جسکے اساتذہ حدیث عطاء بن ابی رباح۔ نافع بن عمر۔ عمرو بن دینار۔ محارب بن دثار۔ اعمش کوفی۔ امام باقر۔ علقمہ بن مرثد۔ مکحول شامی۔ امام اوزاعی۔ محمد بن مسلم الزہری۔ ابو اسحق السبیعی۔ سلیمان بن یسار۔ عبدالرحمن بن ہرمز الاعرج۔ منصور بن المعتمر۔ ہشام بن عروہ۔ وغیرہ ہوں جو فن روایت کے ارکان ہیں اور جنکی روایت سے بخاری و مسلم مالامال ہیں وہ حدیث میں کس رتبہ کا شخص ہوگا

اسکے ساتھ امام صاحب کے شاگردوں پر لحاظ کرو۔ یحیی بن سعید القطان جو فن جرح و تعدیل کے امام ہیں عبدالرزاق بن ہمام جنکی جامع کبیر سے بخاری نے فائدہ اٹھایا ہے یزید بن ہرون جو امام احمد حنبل کے استاد تھے۔ وکیع بن الجراح جنکی نسبت امام احمد حنبل کہا کرتے تھے کہ حفظ اسناد و روایت میں میں نے انکا

ان لوگوں کا تذکرہ اس کے خاتمہ میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ مذکور ہے ۱۲

ہمسر کسی کو نہیں دیکھا عبداللہ بن المبارک جو فن حدیث میں امیر المومنین تسلیم کیے گئے ہیں یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ جنکو علی بن المدینی (استاد بخاری) منتہائے علم کہلاتے تھے یہ لوگ برائے نام امام صاحب کے شاگرد نہ تھے بلکہ برسوں انکے دامن فیض میں تعلیم پائی تھی اور اس انتساب پر انکو فخر و ناز تھا عبداللہ بن المبارک کہا کرتے تھے کہ اگر خدا نے ابوحنیفہ و سفیان ثوری سے میری مدد نہ کی ہوتی تو میں ایک معمولی آدمی ہوتا۔ وکیع اور یحییٰ بن ابی زائدہ امام صاحب کی صحبت میں اتنی مدت تک رہے تھے کہ صاحب ابی حنیفہ کہلاتے تھے کیا اس رتبہ کے لوگ جو خود حدیث و روایت کے پیشوا اور مقتدا تھے کسی معمولی شخص کے سامنے سر جھکا سکتے تھے؟

اجتہاد کی شرط اور امام ابوحنیفہ کا مجتہد مطلق ہونا

ان باتوں کے علاوہ امام ابوحنیفہ کا مجتہد مطلق ہونا ایک ایسا مسلم مسئلہ ہے جس سے بارہ سو برس کی مدت میں شاید ایک آدھ ہی شخص نے انکار کیا ہو۔ اجتہاد کی تعریف علماء حدیث مثلاً بغوی رافعی علامہ نووی وغیرہ نے ان لفظوں میں کی ہے "مجتہد وہ شخص ہے جو قرآن۔ حدیث۔ مذاہب سلف۔ لغت قیاس۔ ان پانچ چیزوں میں کافی دستگاہ رکھتا ہو یعنی مسائل شرعیہ کے متعلق جس قدر قرآن میں آیتیں ہیں یا جو حدیثیں رسول اللہ سے ثابت ہیں جس قدر علم لغت درکار ہے سلف کے جو اقوال ہیں۔ قیاس کے جو طریق ہیں۔ قریب کل کے جانتا ہو اگر انہیں سے کسی میں کمی ہو تو وہ مجتہد نہیں ہے اور اسکو تقلید کرنی چاہیے"[2]

اسی بنا پر علامہ ابن خلدون نے فصل علوم الحدیث میں مجتہدین کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ بعض ناانصاف مخالفین کا قول ہے کہ ان مجتہدوں میں سے بعض فن حدیث میں کم مایہ تھے اسلئے انکی روایتیں کم ہیں لیکن یہ خیال غلط ہے۔ ائمہ کبار کی نسبت یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کیونکہ شریعت قرآن و حدیث سے ماخوذ ہے پس جو شخص حدیث میں کم مایہ ہے اسکو تلاش اور کوشش کرنی چاہیے تاکہ دین کو اصول صحیحہ سے اخذ کر سکے اسکے بعد علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ فن حدیث میں امام ابوحنیفہ کا کبار مجتہدین میں ہونا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انکا مذہب محدثین میں معتبر خیال کیا جاتا ہے اور رداً و قبولاً اس سے بحث کی جاتی ہے[3] علامہ موصوف نے اس کا سبب بھی بتایا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی روایتیں کم کیوں ہیں ہم خود اسکو مفصل لکھیں گے محدثین میں بھی اکثروں نے اس کا اعتراف کیا ہے۔ علامہ ذہبی نے جو زمانہ مابعد کے تمام محدثین کے پیشوا اور امام ہیں حفاظ حدیث کے حالات میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ یہ ان لوگوں کا

---

[1] تہذیب التہذیب ترجمہ امام ابوحنیفہ ۱۲ [2] عقد الجید شاہ ولی اللہ صاحب بحث حقیقت اجتہاد ۱۲ [3] اس تصریح کے ہوتے ہوئے بعض کوتاہ بینوں نے امام صاحب کی ناواقفیت حدیث پر ابن خلدون کے ایک ضمنی قول سے استدلال کیا ہے جسکو خود ابن خلدون نے اپنے لفظوں سے بیان کیا ہے جو صفحہ ۱۱۰ رحمہم و ثوق پر دلالت کرتا ہے ۱۲

تذکرہ ہے جو علم نبوی کے حامل ہیں اور جنکے اجتہاد پر توثیق اور تضعیف تصحیح اور تزئیف میں رجوع کیا جاتا ہے علامہ موصوف نے تمام کتاب میں اس اصول کو ملحوظ رکھا ہے اور کسی ایسے شخص کا حال نہیں لکھا جو علم حدیث کا بڑا ماہر نہو۔ چنانچہ خارجہ بن زید بن ثابت کا ضمناً ایک موقع پر ذکر آگیا ہے تو لکھتے ہیں کہ میں نے انکو حفاظ حدیث میں اس لئے ذکر نہیں کیا کہ وہ قلیل الحدیث تھے۔ امام ابو حنیفہ کے محدث ہونیکا اس سے زیادہ کیا ثبوت درکار ہے کہ علامہ ذہبی نے اس کتاب میں انکا ترجمہ لکھا ہے اور انکو حفاظ حدیث شمار کیا ہے۔

محدث ذہبی نے امام ابو حنیفہ کو حفاظ حدیث میں شمار کیا

حافظ ابو المحاسن دمشقی شافعی نے عقود الجمان میں ایک خاص باب باندھا ہے جسکے یہ الفاظ ہیں۔ الباب الثالث والعشرون فی بیان کثرۃ حدیثہ وکونہ من اعیان الحفاظ المحدثین یعنی تیئسواں باب اس بیان میں کہ وہ (امام ابوحنیفہ) کثیر الحدیث اور اعیان الحفاظ سے تھے،، قاضی ابو یوسف صاحب جنکو یحیی بن معین صاحب الحدیث کہتے تھے اور علامہ ذہبی نے انکو حفاظ حدیث میں محسوس کیا ہے انکا بیان ہے کہ ہم لوگ امام ابو حنیفہ سے مسائل میں بحث کرتے ہوتے تھے جب انکی رائے قائم ہو جاتی تھی تو میں حلقہ درس سے اٹھکر کوفہ کے محدثین کے پاس جاتا اور ان سے مسئلہ کے متعلق حدیثیں دریافت کرکے امام صاحب کیخدمت میں حاضر ہوتا تھا۔

امام صاحب آن حدیثوں میں سے بعض کو قبول کرتے تھے۔ بعض کو فرماتے تھے کہ صحیح نہیں۔ میں پوچھتا کہ آپ کو کیونکر معلوم ہوا۔ فرماتے کہ کوفہ میں جو علم ہے میں اسکا عالم ہوں۔

یہ تمام باتیں اسبات کی شاہد ہیں کہ علم حدیث میں امام ابو حنیفہ کا کیا پایہ تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان باتوں نے امام ابو حنیفہ کو امام ابو حنیفہ نہیں بنایا۔ اگر حافظ الحدیث تھے تو اور لوگ بھی تھے اگر انکے شیوخ حدیث کئی سو تھے تو ائمہ سلف کے شیوخ کئی کئی ہزار تھے اگر انھوں نے کوفہ وحرمین کی درسگاہوں میں تعلیم پائی تھی تو اوروں نے بھی یہ شرف حاصل کیا تھا امام ابو حنیفہ کو جس بات نے تمام ہمعصروں میں امتیاز دیا وہ اور چیز ہے جو ان سب باتوں سے بالاتر ہے یعنی احادیث کی تنقید اور بلحاظ ثبوت احکام انکے مراتب کی تفریق امام ابو حنیفہ کے بعد علم حدیث کو بہت ترقی ہوئی غیر مرتب اور پریشان حدیثیں یکجا کی گئیں صحاح کا التزام کیا گیا۔ اصول حدیث کا مستقل فن قائم ہو گیا جسکے متعلق سیکڑوں بیش بہا کتابیں تصنیف ہوئیں زمانہ اس قدر ترقی کر گیا ہے کہ باریک بینی اور دقت آفرینی کی کوئی حد نہیں رہی تجربہ اور دقت نظر نے سیکڑوں نئے نکتے ایجاد کئے لیکن تنقید احادیث اصول روایت امتیاز مراتب میں امام ابو حنیفہ کی تحقیق کی جو حد ہے آج بھی ترقی کا قدم اس سے آگے نہیں بڑھتا۔

اس اجمال کی تفصیل اسوقت سمجھ میں آسکتی ہے کہ فن حدیث کی آغاز اور طرز ترقی کا اجمالی نقشہ

وہاں ایک قوم سے ملوگے جو بڑی رقت سے قرآن تلاوت کرتے ہیں وہ تمہاری آمد سنکر مشتاق ہوں گے کہ رسول اللہ کے اصحاب آئے ہیں لیکن جب وہ تمہارے پاس آئیں اور حدیثیں سننی چاہیں تو زیادہ حدیثیں نہ بیان کرنا[1]" اسی طرح عراق کو صحابہ جانے لگے تو حضرت عمرؓ نے خود انکی مشایعت کی اور انسے پوچھا کہ جانتے ہو! میں کیوں تمہارے ساتھ آرہا ہوں" لوگوں نے کہا تکرمۃ علینا یعنی ہماری عزت افزائی کیلئے" فرمایا کہ "ہاں لیکن ایک اور مقصد ہے۔ وہ یہ کہ جہاں جا رہے ہو وہاں لوگ اکثر قرآن کی تلاوت کیا کرتے ہیں ان کو حدیثوں میں نہ پھنسا لینا اور رسول اللہ سے کم روایت کرنا چنانچہ جب لوگ قرظہ پہنچے تو لوگ یہ سنکر کہ صحابہ تشریف لائے ہیں زیارت کو آئے اور حدیثوں کی خواہش ظاہر کی ان لوگوں نے اس بنا پر انکار کیا کہ حضرت عمرؓ نے منع کیا ہے[2] حضرت ابوہریرہ سے ابوسلمہ نے پوچھا کہ آپ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی اس طرح حدیثیں روایت کیا کرتے تھے۔ بولے کہ نہیں ورنہ عمر درے مارتے[3]"

حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ کی مجموعی خلافت میں اکیس برس رہی اس میں احادیث کی زیادہ اشاعت ہوئی صحابہ دور دور پہنچ گئے تھے ضرورتیں بڑھتی جاتی تھیں نئے نئے مسلے آتے تھے ان اسباب نے حدیث اور روایت کے سلسلے کو بہت وسعت دی حضرت عثمان کے اخیر زمانہ میں بغاوت ہوئی جسکا خاتمہ خلیفہ وقت کی شہادت پر ہوا اور یہ پہلا موقع تھا کہ جماعت اسلام میں فرقہ بندیاں قائم ہوئیں حضرت علیؓ کی خلافت شروع ہی سے پر آشوب رہی ان اختلافات اور فتن کے ساتھ وضع احادیث کی ابتدا ہوئی اور اگرچہ کثرت اور انتشار زیادہ تر زمانہ مابعد میں ہوا لیکن خود صحابہ کے عہد میں اہل بدعت نے سینکڑوں ہزاروں حدیثیں ایجاد کر لی تھیں مقدمہ صحیح مسلم میں ہے کہ ایک بار بشیر عدوی حضرت عبداللہ بن عباس کے پاس آیا اور حدیث بیان کرنی شروع کی انھوں نے کچھ خیال نہ کیا بشیر نے کہا ابن عباس! میں رسول اللہ سے روایت کر رہا ہوں اور تم متوجہ نہیں ہوتے" فرمایا کہ "ایک زمانہ میں ہمارا یہ حال تھا کہ کسیکو قال رسول اللہ کہتے سنتے تھے تو فوراً ہماری نگاہیں اٹھ جاتی تھیں اور کان لگا کر سنتے تھے لیکن جب لوگوں نے نیک و بد میں تمیز نہیں رکھی ہم صرف ان حدیثوں کو سنتے ہیں جنکو ہم خود بھی جانتے ہیں!"

حدیثوں کا وضع کیا جانا

زبانی روایت سے گزر کر تحریروں میں بھی جعل شروع ہو گیا تھا مسلم نے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ عبداللہ بن عباس حضرت علیؓ کے ایک فیصلہ کی نقل لے رہے تھے بیچ بیچ میں الفاظ چھوڑتے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ واللہ علیؓ نے ہرگز یہ فیصلہ نہیں کیا ہوگا۔ اسی طرح ایک اور دفعہ عبداللہ بن عباس نے حضرت علی کی ایک تحریر دیکھی تو تھوڑے سے الفاظ کے سوا باقی سب عبارت مٹا دی۔

---

[1] مسند دارمی ۱۲ [2] طبقات الحفاظ ترجمہ عمر فاروق [3] طبقات الحفاظ ترجمہ حضرت عمر فاروق ۱۲

وضع حدیث اور روایت میں بے احتیاطی کے اسباب

لوگوں کو وضع حدیث کی زیادہ جرأت اس وجہ سے ہوتی تھی کہ اس وقت تک اسناد و روایت کا طریقہ جاری نہیں ہوا تھا جو شخص چاہتا تھا قال رسول اللہ کہدیتا تھا اور اثبات سند کے مواخذہ سے بری رہتا تھا۔ ترمذی نے کتاب العلل میں امام ابن سیرین سے روایت کی ہے کہ "پہلے زمانہ میں لوگ اسناد نہیں پوچھا کرتے تھے جب فتنہ پیدا ہوا تو اسناد کی پوچھ گچھ ہوئی۔ تاکہ اہل سنت کی حدیثیں لیجائیں اور اہل بدعت کی ترک کیجائیں لیکن حدیث کی بے اعتباری اہل بدعت پر موقوف نہ تھی اس لئے یہ احتیاط چنداں مفید نہ ہوئی اور غلطیوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

بنوامیہ کا دور شروع ہوا بڑے زور شور سے حدیث نے ترویج پائی صحابہ کی تعداد جسقدر کم ہوتی جاتی تھی۔ اسی قدر انکی قدر اور انکی طرف التفات بڑہتا جاتا تھا۔ تمدن میں بہت کچھ ترقی ہوگئی تھی نئی نئی قومیں مسلمان ہوتی جاتی تھیں۔ ان نومسلموں کو ادہر تو اسلام کا نیا نیا جوش تھا ادہر قوم فاتح کے مجمع میں عزت و اثر پیدا کرنے کی اس سے بڑھکر کوئی تدبیر نہ تھی ان باتوں نے انکو معلومات مذہبی کا اس قدر شائق بنا دیا تھا کہ خود عرب انکی ہمسری کا دعوی نہیں کر سکتے تھے غرض تمام ممالک اسلامیہ میں گھر گھر حدیث اور روایت کے چرچے پھیل گئے اور سیکڑوں ہزاروں درسگاہیں قائم ہوگئیں، لیکن جسقدر اشاعت کو وسعت حاصل ہوتی جاتی تھی اعتماد اور صحت کا معیار کم ہوتا جاتا تھا ارباب روایت کا دائرہ اس قدر وسیع تھا کہ اس میں مختلف خیال مختلف عادات مختلف عقائد مختلف قوم کے لوگ شامل تھے اہل بدعت جابجا پھیل گئے تھے اور اپنے مسائل کی ترویج میں مصروف تھے سب سے زیادہ یہ کہ پوری ایک صدی گذر جانے پر بھی کتابت کا طریقہ مروج نہیں ہوا تھا ان اسباب سے روایتوں میں اس قدر بے احتیاطیاں ہوئیں کہ موضوعات اور اغالیط کا ایک دفتر بے پایاں طیار ہو گیا۔ یہانتک کہ امام بخاری نے اپنے زمانہ میں صحیح حدیثوں کو جدا کرنا چاہا تو کئی لاکھ میں سے انتخاب کر کے جامع صحیح لکھی جس میں کل ۷۲۹۷ حدیثیں ہیں اس میں بھی اگر مکررات نکال ڈالی جائیں تو صرف ۲۷۶۱ حدیثیں باقی رہتی ہیں۔" سیکڑوں ہزاروں بلکہ لاکھوں حدیثیں دانستہ لوگوں نے وضع کرلیں حماد بن زید کا بیان ہے کہ چودہ ہزار حدیثیں صرف ایک فرقہ زنادقہ نے وضع کرلیں۔ عبد الکریم وضاع نے خود تسلیم کیا تہا کہ چار ہزار حدیثیں اس کی موضوعات سے ہیں بہت سے ثقات اور پارسا تھے جو نیک نیتی سے فضائل اور ترغیب میں حدیثیں وضع کرتے تھے حافظ زین الدین عراقی لکھتے ہیں کہ ان حدیثوں نے بہت ضرر پہنچایا کیونکہ ان واضعین کی ثقاہت اور تورع و زہد کی وجہ سے یہ حدیثیں اکثر مقبول ہوگئیں اور رواج پاگئیں۔

---

[1] فتح المغیث صفحہ ۱۰۸۔

سکتے تھے اور انکے سرمایہ حدیث سے متمتع ہوئے تھے۔ حرمین کی بڑی بڑی درسگاہوں میں برسوں تعلیم پائی تھی۔ کوفہ، بصرہ، حرمین میں ارباب روایت کا جو گروہ موجود تھا برسوں کے تجربے سے انکے ذاتی اوصاف اخلاق و عادات پر اطلاع حاصل کی تھی غرض اس مسئلہ کے متعلق اثباتاً یا نفیاً مجتہدانہ رائے قائم کرنے کے لئے جو شرطیں درکار تھیں سب ان میں موجود تھیں۔

اس خیال کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ یہ مسئلہ کسی نہ کسی پیرایہ میں انکے خاندان تعلیم میں وراثتاً چلا آتا تھا۔ حدیث و فقہ میں اسکے خاندان تعلیم کے مورث اول عبداللہ بن مسعود ہیں اور مذہب حنفی کی بنیاد زیادہ تر انہیں کی روایتوں اور استنباطات پر ہے عبداللہ بن مسعود اگرچہ بہت بڑے محدث تھے لیکن اور محدثین صحابہ کی نسبت قلیل الروایۃ تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ شدید الاحتیاط تھے۔ علامہ ذہبی انکے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ ممن یتحری فی الاداء ویشدد فی الروایۃ وکان یقل من الروایۃ للحدیث یعنی عبداللہ بن مسعود ادا میں تحری اور روایت میں تشدد کرتے تھے اور حدیث کی کم روایت کرتے تھے۔ ابراہیم نخعی جو عبداللہ بن مسعود کے بیک واسطہ شاگرد اور امام ابوحنیفہ کے بیک واسطہ استاد تھے انکا بھی یہی مذہب تھا اور اسی وجہ سے وہ صیرفی الحدیث کہلاتے تھے امام ابوحنیفہ نے گو اور بہت سی درسگاہوں میں تعلیم پائی تھی لیکن انکی معلومات اور خیالات کا اصلی مرکز یہی خاندان تھا یہ خاندانی اثر تھا جس نے انکے دل میں یہ خیال پیدا کیا اور اسکو انکے ذاتی تجربہ اور دقت نظر نے اور بھی قوت دی۔

امام صاحب کے اس خیال نے اگرچہ قبول عام کی سند حاصل نہیں کی تاہم وہ بالکل بے اثر نہیں رہا امام مالک، امام شافعی جو اجتہاد میں امام ابوحنیفہ سے [illegible] انکے [illegible] اس خیال کی [illegible] پایا جاتا ہے امام مالک سے روایت [illegible] امام ابوحنیفہ کے نزدیک [illegible] یہی وجہ ہے کہ [illegible] امام ابوحنیفہ و امام مالک کا نام ساتھ ساتھ لیا جاتا ہے۔ ابن الصلاح مقدمہ میں لکھتے ہیں ومن مذاہب التشدید مذہب من قال لا حجۃ الا فیما رواہ الراوی من حفظہ وتذکرہ [illegible] وذلک مروی عن مالک و ابی حنیفۃ [illegible]

[illegible]

ہے اور یہ قول مالک و ابوحنیفہ سے منقول ہے [illegible] امام مالک [illegible] ایک [illegible] دس ہزار حدیثیں تھیں پھر امام مالک زیادہ تنقیح کرتے گئے تو یہ تعداد کم ہوتی گئی یہاں تک کہ [illegible] امام شافعی نے صاف لفظوں میں امام ابوحنیفہ کے خیالات ظاہر کئے ہیں۔ امام [illegible] نے امام شافعی سے کہا کہ آپ اور محدثین کا ہواسکے جو

اس خیال کا ایک بڑا سبب

امام مالک و امام شافعی [illegible]

امام شافعی کا قول [illegible]

رسول اللہ سے ثابت ہیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ ارباب معرفت کے نزدیک صحیح حدیثیں کم ہیں کیونکہ ابوبکر صدیقؓ نے جو حدیثیں رسول اللہ سے روایت کیں انکی تعداد سترہ سے زیادہ نہیں ہے عمر بن الخطابؓ باوجود اس کے کہ رسول اللہؐ کے بعد مدت تک زندہ رہے انکی روایت سے پچاس حدیثیں بھی ثابت نہیں حضرت عثمانؓ کا بھی یہی حال ہے حضرت علیؓ اگرچہ لوگونکو حدیث سیکھنے کی ترغیب دلاتے تھے لیکن انسے بھی کم حدیثیں مروی ہیں کیونکہ وہ مطمئن نہیں رہے انسے جو حدیثیں مروی ہیں سا کثر حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی عہد خلافت کی ہیں ان لوگوں کے سوا اور صحابہ سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں لیکن اہل معرفت کے نزدیک وہ تمام روائتیں صحیح سند سے ثابت نہیں[1] ان باتوں سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ امام ابوحنیفہ معتزلیوں کی طرح احادیث کے منکر تھے یا صرف دس بیس حدیثوں کو تسلیم کرتے تھے انکے شاگردوں نے خود انسے سیکڑوں حدیثیں روایت کی ہیں۔ موطا امام محمد کتاب الآثار کتاب الحج جو عام طور پر متداول ہیں ان میں بھی امام صاحب سے بیسیوں حدیثیں مروی ہیں البتہ اور محدثین کی نسبت انکی احادیث مسلمہ کی تعداد کم ہے اور اسکی وجہ وہی شروط روایت کی سختی ہے امام صاحب نے روایت کے متعلق جو شرطیں اختیار کیں کچھ تو وہی ہیں جو اور محدثین کے نزدیک مسلم ہیں کچھ ایسی ہیں جنمیں وہ منفرد ہیں یا صرف امام مالک اور بعض اور مجتہدین انکے ہمزبان ہیں ان میں سے ایک یہ مسئلہ ہے کہ صرف وہ حدیث حجت ہے جسکو راوی نے اپنے کانوں سنا ہو اور روایت کے وقت تک یاد رکھا ہو گا یہ قاعدہ بظاہر نہایت صاف ہے جس سے کسیکو انکار نہیں ہو سکتا لیکن اسکی تفریعین نہایت وسیع الاثر رکھتی ہیں اور عام محدثین کو انسے اتفاق نہیں ہے۔ محدثین کے نزدیک ان پابندیوں سے روایت کا دائرہ تنگ ہو جاتا ہے اور اس سے ہمکو بھی انکار نہیں۔ لیکن اس کا فیصلہ ناظرین خود کر سکتے ہیں کہ احتیاط مقدم ہے یا روایت کی وسعت۔ ہم بعض تفریعات کو کسیقدر تفصیل کے ساتھ ذکر کرتے ہیں جس سے ظاہر ہو گا کہ امام ابوحنیفہ کو کس خیال نے اس قسم کی سختیوں پر مجبور کیا تھا۔

امام صاحب نے روایت کیلئے شرطیں مقرر کیں

اکثر شیوخ کا حلقۂ درس نہایت وسیع ہوتا تھا یہانتک کہ ایک ایک مجلس میں دس دس ہزار سامعین جمع ہوتے تھے اس وقت متعدد مستملی یعنے نائب جابجا بٹھائے جاتے تھے کہ شیخ کے الفاظ کو دور والوں تک پہنچائیں بہت سے ایسے لوگ ہوتے تھے جنکے کانوں میں شیخ کا ایک لفظ بھی نہیں پہنچتا تھا وہ صرف مستملی کے الفاظ سنکر حدیث روایت کرتے تھے۔ اب بحث یہ پیدا ہوتی ہے کہ جس شخص نے صرف مستملی سے سنا وہ اصل شیخ کی نسبت حدثنا کہہ سکتا ہے یا نہیں۔ اکثر ارباب روایت کا مذہب ہے کہ کہہ سکتا ہے

[1] مناقب الشافعی از امام رازی فصل ثامن شرح مذہب شافعی ۱۲

امام ابوحنیفہ اس کے خلاف ہیں۔ ائمہ محدثین میں سے حافظ ابونعیم فضل بن وکیع۔ زاید بن قدامۃ امام صاحب کے ہمزبان ہیں۔ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ مقتضائے عقل یہی (امام ابوحنیفہ کا) مذہب ہے لیکن عام مذہب میں آسانی ہے۔"

امام ابوحنیفہ کو اس احتیاط پر جس چیز نے مجبور کیا تھا وہ یہ تھی کہ انکے زمانہ تک روایت بالمعنی کا طریقہ نہایت عام تھا اور بہت کم لوگ تھے جو الفاظ حدیث کی پابندی کرتے تھے اس لئے روایات میں تغیر و تبدل کا احتمال ہر واسطہ میں بڑھتا جاتا تھا کم ازکم یہ کہ ہر روایت پہلے واسطہ میں جسقدر قوی ہوتی تھی دوسرے واسطہ میں اس کا وہ پایہ نہیں قائم رہ سکتا تھا۔ بے شبہہ مستملی کے مقرر کرنے کا طریقہ قائم رکھنا ضرور تھا کیونکہ اکثر موقعوں پر بغیر مستملی کے کام نہیں چل سکتا تھا لیکن ناانصافی تھی کہ جس شخص نے بلاواسطہ شیخ سے سنا ہو اور جس نے مستملی سے روایت کی ہو دونوں کا ایک درجہ دیا جاوے مستملی کبھی کبھی نہایت غافل اور بے سمجھ ہوتے تھے اس لئے غلطیوں کا احتمال اور بھی قوی ہوجاتا تھا

اخبرنا و حدثنا کے مفہوم کی وسعت

اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ غیر محتاط طریقہ یہ تھا کہ اخبرنا حدثنا کو بعض بعض محدثین نہایت عام معنوں میں استعمال کرتے تھے۔ امام حسن بصری نے متعدد روایتوں میں کہا ہے حدثنا ابوھریرۃ حالانکہ وہ ابوہریرہ سے کبھی نہیں ملے تھے انھوں نے اسکی یہ تاویل کی تھی کہ ابوہریرہ نے جب وہ حدیث بیان کی تھی تو اس شہر میں وہ موجود تھے۔ اسی طرح اور شیوخ صحابہ کی نسبت حدثنا کا لفظ استعمال کرتے تھے اور معنی یہ لیتے تھے کہ انکے شہر والوں نے ان شیوخ سے سنا تھا۔ محدث بزار نے لکھا ہے کہ حسن بصری نے ان لوگوں سے روایت کی ہے جن سے وہ کبھی نہیں ملے۔ اور تاویل یہ کرتے تھے کہ انکی قوم نے وہ حدیث ان لوگوں سے سنی تھی۔ یہ امر علاوہ اسکے کہ ایک قسم کی غلط بیانی تھی۔ حدیث کی اسناد کو مشتبہ کر دیتا تھا کیونکہ راوی نے جب خود شیخ سے حدیث نہیں سنی تو بیچ میں کوئی واسطہ ہوگا اور چونکہ راوی نے اسکا نام نہیں بتایا اس لئے اسکے ثقہ و غیر ثقہ ہونے کا حال نہیں معلوم ہوسکتا۔ صرف حسن ظن پر مدار رہ گیا کہ ایسے شخص نے جس سے سنا ہوگا وہ ضرور قابل اعتبار ہوگا۔ امام ابوحنیفہ نے اس طریقہ کو ناجائز قرار دیا اور بعد کو ائمہ حدیث نے بھی انکی متابعت کی ارباب روایت کا ایک یہ طریقہ تھا کہ جب کسی شیخ سے کچھ حدیثیں سنیں اور قلمبند کرلیں تو ان اجزاء سے روایت کرنی ہمیشہ جائز سمجھتے تھے۔ اسکو اس قدر وسعت دی گئی کہ گو راوی کو ان حدیثوں کے الفاظ و معانی کچھ یاد نہ رہے ہوں تاہم اس بنا پر کہ اجزاء اسکے پاس موجود ہیں انکی روایت کرسکتا ہے

اجزائے روایت

امام ابوحنیفہ نے اس طریقہ کو قائم رکھا لیکن یہ قید لگائی کہ حدیث کے وہ مطالب محفوظ ہونے چاہئیں

ورنہ روایت جائز نہیں۔

یہ مسئلہ بھی اگرچہ عام طور پر نہیں تسلیم کیا گیا تاہم جیسا کہ محدث سخاوی نے تصریح کی ہے امام مالک اور بہت سے ائمہ فن نے اس کی موافقت کی۔ امام بخاری، ذہلی وغیرہ کے زمانہ میں اس قید کی چنداں ضرورت نہیں رہی تھی کیونکہ اس وقت روایت باللفظ کا عام رواج ہو چکا تھا لیکن امام ابوحنیفہ کے عہد تک حدیثیں زیادہ تر بالمعنی روایت کی جاتی تھیں اس لئے اگر راوی کو الفاظ حدیث موقع حدیث، شان نزول وغیرہ یاد نہیں ہوسکتے تھے تو روایت کا بعینہا ادا کرنا قریباً ناممکن ہوتا تھا۔ اسی ضرورت سے امام ابو حنیفہ نے اس طریقہ کو محدود کر دیا اور انصاف یہ ہے کہ ایسا کرنا ضروری تھا۔ سب سے زیادہ مہتم بالشان اور قابل بحث مسئلہ یہ ہے کہ روایت بالمعنی جائز ہے یا نہیں۔ یا یہ کہ ایسی روایت قطعاً قابل حجت ہے یا نہیں یہ مسئلہ ہمیشہ مختلف فیہ رہا ہے اور اب بھی ہے امام شافعی نے روایت کی ہے کہ بعض تابعین نے ایک حدیث متعدد صحابہ سے سنی جبکہ سب نے مختلف لفظوں میں بیان کیا لیکن مطلب ایک تھا انھوں نے کسی صحابہ سے یہ حقیقت بیان کی صحابی نے جواب دیا کہ جب معنی مختلف نہیں تو کچھ مضائقہ نہیں" مگر امام شافعی نے تابعی کا نام نہ بتایا جس سے روایت کی قوت اور ضعف کا اندازہ ہوسکتا تاہم اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ بعض صحابہ روایت بالمعنی جائز سمجھتے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے بخلاف اس کے بعض صحابہ مثلاً عبداللہ بن مسعود کو روایت باللفظ پر اصرار تھا علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں ان کے حالات کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ "وہ روایت میں سختی برتتے تھے اور اپنے شاگردوں کو زجر کرتے تھے کہ الفاظ کے ضبط میں بے پروائی نہ کریں" عبداللہ بن مسعود جب کبھی بالمعنی روایت کرتے تھے تو ساتھ ہی یہ الفاظ استعمال کرتے تھے۔ او مثلہ او نحوہ او شبیہ اما فوق ذالک واما دون ذلک واما قریب من ذلک یعنی رسول اللہ نے اس طرح فرمایا یا اسکے مثل یا اسکے مشابہ یا اس سے کچھ زیادہ یا کم یا اسکے قریب فرمایا تھا۔ ابو درداء کا بھی یہی حال تھا وہ حدیث بیان کرکے کہا کرتے تھے ھذا ونحو ھذا وشکلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو لوگوں کو روایت حدیث سے منع کیا کرتے تھے انکا بھی غالباً یہی منشا تھا وہ جانتے تھے کہ الفاظ کم یاد رہ سکتے ہیں اور معنی کی عام اجازت میں تغیر و تبدل کا احتمال بڑھتا جاتا ہے۔

روایت بالمعنی

صحابہ کے دور کے بعد بھی یہ مسئلہ یکسو نہ ہوا۔ تابعین کے دو گروہ تھے ابراہیم نخعی جو امام ابوحنیفہ کے استاد الاستاد ہیں روایت بالمعنی کے قائل تھے۔ آگے چلکر تو گویا اس پر اتفاق عام ہو گیا کہ روایت بالمعنی جائز ہے چنانچہ اصول حدیث کی کتابوں میں جمہور کا یہی مذہب بیان کیا جاتا ہے محدثین میں سے

صرف امام مالک اس کے خلاف ہیں۔ محدثین کا ایک گروہ جنہیں امام مسلم، قاسم بن محمد، محمد بن سیرین، رجاء بن حیوۃ، ابو زرعہ، سالم بن ابی الجعد، عبدالملک بن عمیر داخل ہیں۔ روایت باللفظ پر عمل کرتا تھا لیکن عام محدثین جوازہی کے قائل ہیں اور درحقیقت ایک ایسا فرقہ جس کا عام میلان ہر حالت میں کثرت روایت کی طرف ہو جوازہی کا قائل ہو سکتا تھا۔

اس میں شبہ نہیں کہ اکثر تابعین اور صحابہ نے بالمعنی حدیثیں روایت کیں اور اگر شروع سے یہ قید لگا دی جاتی تو روایت کا دائرہ اس قدر تنگ ہو جاتا ہے کہ مسائل واحکام کے لئے کچھ باقی نہیں رہتا لیکن اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ روایت بالمعنی میں اصل روایت اپنی اصلی حالت پر قائم رکھنا اس قدر مشکل ہے کہ قریباً ناممکن ہے۔ زبان کے نکتہ شناس جانتے ہیں کہ مرادف الفاظ بھی یکساں اثر نہیں رکھتے اور معنی کی حیثیتوں میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور پیدا ہو جاتا ہے۔ حالانکہ مجوزین نے مرادف وغیرہ کی قید بھی نہیں رکھی۔

اور ادائے مطلب کو نہایت عام وسعت دی ہے۔ صحابہ سے زیادہ کوئی شخص رسول اللہ کے الفاظ ومطالب کا اندازہ دان نہیں ہو سکتا تھا اول تو وہ زباندان اور زبان کے حاکم تھے اسکے ساتھ شرف صحبت کی وجہ سے رسول اللہ کی طرز ادا، طریقہ گفتگو، انداز کلام، نحوائے سخن سے خوب واقف تھے۔ تاہم کتب حدیث میں اسکی متعدد نظیریں ملتی ہیں کہ خود صحابہ سے ادائے مطلب میں کمی یا زیادتی ہو گئی۔

صحابہ سے ادائے مطلب میں جو کمی یا زیادتی ہو گئی اسکی مثالیں

ابن ماجہ میں روایت ہے کہ ابو موسیٰ اشعری نے آنحضرت سے روایت کی ان المیت یعذب ببکاء الحی اذا قالوا واعضداہ واکاسباہ وا ناصراہ واجبلاہ یعنی جب مردہ پر یہ الفاظ کہکر رویا جاتا ہے تو اس کو عذاب دیا جاتا ہے، کسی نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ ابن عمر یہ حدیث بیان کرتے تھے حضرت عائشہ نے کہا میں یہ نہیں کہتی کہ ابن عمر جھوٹ کہتے ہیں لیکن انکو سہو ہوا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک یہودی عورت مرگئی اسکے گھر والے اسپر روتے تھے۔ آنحضرت نے سنا تو فرمایا کہ اسکے گھر والے رو رہے ہیں اور اس پر قبر میں عذاب ہو رہا ہے ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ نے قرآن کی یہ آیت پڑھی ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ جس سے اسبات پر استدلال کیا کہ ایک شخص کے فعل کا دوسرا شخص ذمہ دار نہیں ہو سکتا گھر والے روتے ہیں تو انکا قصور ہے مردے نے کیا گناہ کیا ہے کہ اسپر عذاب کیا جاوے دیکھو اس حدیث میں رسول اللہ نے یہودی عورت کا معذب ہونا بطور ایک واقعہ بیان کیا تھا۔ راوی نے روایت کو اس کا سبب قرار دیا اور حدیث کے یہ الفاظ بیان کئے کہ ان المیت یعذب ببکاء الحی یعنی مردہ کو زندوں کے رونیکی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے۔

اسی طرح غزوہ بدر کے واقعہ میں عام روایت یہ ہے کہ رسول اللہ نے قلیب پر کھڑے ہو کر فرمایا

هل وجدتم ما فعل ربکم حقاً لوگوں نے عرض کی کہ آپ مردوں سے خطاب فرماتے ہیں ارشاد ہوا کہ "جو میں نے کہا ان لوگوں نے سن لیا" لیکن یہ واقعہ حضرت عائشہ کے سامنے بیان کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ نے یہ نہیں فرمایا تھا بلکہ یہ الفاظ کہے تھے لقد علموا ان ما دعوتهم حق یعنی ان لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ جس چیز کی میں نے دعوت کی تھی۔ وہ حق ہے دیکھو ان دونوں جملوں کے مفہوم میں کس قدر فرق ہے اور اس سے سماع موتی کے مسئلہ پر کیسا مختلف اثر پڑتا ہے۔

غرض جب صحابہ سے اس قسم کے مسامحات واقع ہوتے تھے تو دوسرے اور تیسرے دور کا تو کیا ذکر ہے لطف یہ ہے کہ جو لوگ روایت بالمعنی کے قائل ہیں اونھوں نے چند الفاظ مثالاً بتائے ہیں کہ "انکو دوسرے لفظوں میں اس طرح ادا کر سکتے ہیں اور معنی میں مطلق فرق نہیں پیدا ہوگا"، حالانکہ غور سے دیکھئے تو ان لفظوں کے اثر میں صاف تفاوت نظر آتا ہے۔ محدث سخاوی لکھتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے اقتلوا الاسودین الحیۃ العقرب اب بجائے اس کے یہ کہہ سکتے ہیں کہ امر بقتلهما محدث سخاوی کے نزدیک اس مثال میں الفاظ کے اختلاف سے معنی میں کچھ فرق نہیں پیدا ہوا حالانکہ اقتلوا اور امر بالقتل میں صریح تفاوت ہے اقتلوا اگرچہ امر کا صیغہ ہے لیکن اس میں وہ تحتم اور تاکید نہیں ہے جو امر میں ہے۔

روایت بالمعنی کے متعلق امام ابو حنیفہ کے اصول

امام ابو حنیفہ نے ان مشکلات کا اندازہ کر کے نہایت معتدل طریقہ اختیار کیا۔ جو حدیثیں انکے زمانہ سے پہلے بالمعنی روایت ہو چکی تھیں اور محدثین میں شائع تھیں انکے قبول سے تو چارہ نہ تھا ورنہ روایت کا تمام دفتر بیکار ہو جاتا۔ اس لئے امام صاحب نے ان حدیثوں کو قبول کیا۔ لیکن یہ قید لگائی کہ روایت حدیث فقیہ ہوں یعنی الفاظ کے اثر اور مطالب کی تعبیر سے واقف ہوں، "تغیر مطالب کا احتمال اب بھی باقی رہتا ہے لیکن احادیث کا مدار (جیسا کہ محدثین نے تصریح کر دی ہے) ظن غالب پر ہے اس لئے جب تک کوئی مخالف دلیل موجود نہو روایت بالمعنی قابل عمل ہوگی۔ امام صاحب نے ان احادیث کو بھی قبول کیا جنکے رواۃ ثقہ ہوں اور فقیہ نہوں۔ لیکن انکا درجہ پہلے کی بہ نسبت کم قرار دیا اور ان میں اصول درایت کی زیادہ ضرورت سمجھی امام صاحب کے ان اصول سے اور ائمہ نے بھی اتفاق کیا الفیہ الحدیث میں ہے کہ جو شخص مدلول الفاظ کو اچھی طرح نہیں سمجھتا اسکو روایت باللفظ ضروری ہے البتہ جو شخص مطالب کا اندازہ دان ہے اسکی نسبت اختلاف ہے۔ کثرت رائے اس طرف ہے کہ وہ الفاظ کا پابند نہیں، "لیکن امام ابو حنیفہ نے اس اجازت کو صحابہ اور تابعین تک محدود کر دیا اور لوگوں کے لئے روایت بالالفاظ کی قید لگائی۔ اور امام طحاوی نے بسند متصل انسے روایت کی ہے کہ صرف وہ حدیث روایت کرنی چاہئے جو روایت کرنے کے وقت اسیطرح

---

[۱] تاریخ کبیر علامہ ابو جعفر جریر طبری صفحہ ۱۳۲۲-۱۲

یاد ہو جس طرح سننے کے وقت یاد تھی ۔ ملا علی قاری اس روایت کو نقل کرکے لکھتے ہیں اس کا حاصل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ روایت بالمعنی کو جائز نہیں رکھتے تھے ۔ اس پابندی میں اگرچہ امام مالک اور بعض محدثین نے امام ابوحنیفہ سے اتفاق کیا ۔ فتح المغیث میں ہے وقیل لا تجوز له الرواية بالمعنى مطلقا قاله طائفة من المحدثين والفقهاء والاصوليين من الشافعية وغيرهم قال القرطبي وهو الصحيح من مذهب مالك لیکن عام ارباب روایت اس سختی کے کیونکر پابند ہو سکتے تھے چنانچہ ایک بڑے فرقے نے مخالفت کی اور امام صاحب کو مشدد فی الروایۃ ٹھیرایا ۔ تاہم انصاف یہ ہے کہ جو اصول امام صاحب نے اختیار کیا وہ ضروری اور نہایت ضروری تھا خود حدیث میں آیا ہے نضر الله امرءً سمع منا شيئا فبلغه كما سمعه یعنی رسول اللہ نے فرمایا کہ خدا اس شخص کو شاداب کرے جسنے ہم سے سنا اور اسکو اسی طرح پہنچایا جیسا کہ ہمسے سنا تھا ۔ اس سے زیادہ اسباب میں کسی دلیل کی کیا ضرورت ہے ۔ صحابہ میں سے جو لوگ روایت باللفظ کو غیر ضروری سمجھتے تھے ممکن ہے کہ یہ حدیث انکو نہ پہنچی ہو چنانچہ جن صحابہ کی نسبت ثابت ہے کہ انھوں نے اس حدیث کو سنا تھا ۔ مثلاً عبداللہ بن مسعود جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ الفاظ کے پابند تھے ۔ امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں یہ حدیث عام ہو چکی تھی اس لئے انکو اس کی تعمیل میں کیا عذر ہو سکتا تھا ۔

اصول درایت

فن حدیث میں سب سے بڑا کام امام ابوحنیفہ نے یہ کیا کہ درایت کے اصول قائم کئے اور انکو احادیث کی تحقیق و تنقید میں برتا ۔ فن حدیث کی ایک شاخ یعنی روایت پر ہمارے علما نے جسقدر توجہ کی اسکی کوئی نظیر دنیا کی گذشتہ اور موجودہ تاریخ میں نہیں مل سکتی ۔ لیکن یہ افسوس ہے کہ اصول درایت کے ساتھ چنداں اعتنا نہیں کیا گیا ۔ حافظ ابن حجر کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فن میں بعض تصنیفیں لکھی گئیں ۔ لیکن وہ اس قدر کم اور غیر متعارف ہیں کہ گویا نہیں ہیں اصول حدیث ایک مستقل فن بن گیا ہے اور بڑی بڑی کتابیں جو اس فن میں لکھی گئیں عموماً متداول ہیں لیکن ان سے اصول درایت کے متعلق بہت کم واقفیت حاصل ہوتی ہے حالانکہ یہی اصول ۔ فن حدیث کے نہایت ضروری اجزا ہیں یہ عزت صرف امام ابوحنیفہ کو حاصل ہے کہ جب اس فن کا نام و نشان بھی نہ تھا اسوقت انکی نگاہ ان باریک نکتوں پر پہنچی ۔ بے شبہ صحابہ کی تاریخ میں جستہ جستہ اصول درایت کے آثار نظر آتے ہیں اور درحقیقت وہی امام ابوحنیفہ کے لئے دلیل راہ ہے لیکن وہ باتیں عام مسائل کے ہجوم میں ایسی کم اور ناپید تھیں کہ انپر عام لوگوں کی نگاہ نہیں پڑ سکتی تھی روایت کی صحت و عدم صحت کا مدار ہمیشہ راویوں کے اعتبار پر نہیں ہوتا اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک

لہ یعنی کہا گیا کہ روایت بالمعنی مطلقاً جائز نہیں ۔ محدثین و فقہاء و اصولیین شافعیہ کا ایک گروہ اسی قول کا قائل ہے اور قرطبی نے کہا ہے کہ امام مالک کا صحیح مذہب یہی ہے ۔ لہ شرح امام اعظم از ملا علی قاری صہ ۱۲۔

واقعہ کی روایت جس سند سے بیان کی جاتی ہے اس کے تمام راوی ثقہ اور قابل اعتبار ہوتے ہیں لیکن واقعہ صحیح نہیں ہوتا۔ حدیث میں بھی اس کی سیکڑوں مثالیں ملتی ہیں۔ اس لئے ضرور ہے کہ صرف رواۃ کی بنا پر احادیث کا فیصلہ نہ کیا جائے بلکہ یہ بھی دیکھا جائے کہ وہ اصول درایت کے مطابق ہیں یا نہیں۔

درایت سے یہ مطلب ہے کہ جب کوئی واقعہ بیان کیا جائے تو اس پر غور کیا جائے کہ وہ طبیعت انسانی کے اقتضا۔ زمانہ کی خصوصیتیں منسوب الیہ کے حالات اور دیگر قرائن عقلی کے ساتھ کیا نسبت رکھتا ہے اگر اس معیار پر پورا نہیں اترتا تو اسکی صحت بھی مشتبہ ہوگی یعنی یہ احتمال ہوگا کہ روایت کے تغیرات نے واقعہ کی صورت بدل دی ہے اس قسم کے قواعد حدیث کی تحقیق وتنقید میں استعمال کئے جاتے ہیں اور انہیں کا نام اصول درایت ہے۔ علامہ ابن جوزی جو فن حدیث میں بڑا پایہ رکھتے تھے لکھتے ہیں[1] کہ جس حدیث کو تم دیکھو کہ عقل کے مخالف یا اصول کے مناقض ہے تو یہ سمجھ لو کہ وہ موضوع ہے اس میں راویوں کے تحقیق حال کی کچھ ضرورت نہیں ہے اسی طرح وہ حدیث بھی موضوع ہے جو حس ومشاہدہ سے باطل ثابت ہو یا قرآن حدیث متواتر۔ اجماع قطعی کے خلاف ہو اور قابل تاویل نہ ہو یا جسمیں ایک معمولی بات پر سخت عذاب کی دھمکی ہو یا ذرا سے کام پر بڑے انعام کا وعدہ ہو۔ اس طرح کی حدیثیں واعظوں اور صوفیوں کی روایتوں میں بہت پائی جاتی ہیں"

امام ابو حنیفہ نے درایت کے جو اصول قائم کئے ان میں سے بعض ہم اس مقام پر نقل کرتے ہیں

جو حدیث عقل قطعی کے مخالف ہو صحیح نہیں

(۱) وہ جو حدیث عقل قطعی کے مخالف ہو وہ اعتبار کے قابل نہیں[2]، یہ وہی قاعدہ ہے جس کو ابن جوزی نے تمام اصول درایت پر مقدم رکھا ہے ابن جوزی چھٹی صدی میں تھے اسوقت اسلامی علوم اوج کمال تک پہنچ گئے تھے اور فلسفیانہ خیالات کا اثر زیادہ عام ہو گیا تھا لیکن امام ابو حنیفہ کے زمانہ تک مذہب میں عقل کا نام لینا ایک جرم عظیم تھا امام صاحب نے اول اول جب یہ قاعدہ قرار دیا اور روایت میں برتا تو سخت مخالفت ہوئی اس قسم کے حدیثیں جنمیں ناممکن اور محال واقعات بیان کئے جاتے ہیں امام

---

[1] ابن جوزی کے الفاظ جیسا کہ فتح المغیث میں منقول ہے یہ ہیں۔ کل حدیث رایتہ یخالف العقول او یناقض الاصول فاعلم انہ موضوع فلا تتکلف اعتبارہ ای تعتبر رواتہ ولا تنظر فی جرحھم او یکون مما یدفعہ الحس والمشاہدۃ او مباینا للنص الکتاب والسنۃ المتواترۃ والاجماع القطعی حیث لا یقبل شیء من ذالک التاویل او یتضمن الافراط بالوعید الشدید علی الامر الیسیر وبالوعد العظیم علی الفعل الیسیر وھذا الاخیر کثیر موجود فی حدیث القصاص والطرقیۃ۔

[2] اس اصول کو علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

امام صاحب کے سامنے کیجاتی تھیں تو وہ ان سے انکار کرتے تھے یہ امر عام لوگوں پر گراں گزرتا تھا کیونکہ ان لوگوں کے خیال میں روایات کی تحقیق و تنقید کا مدار۔ صرف رواۃ کی حالت پر تھا۔ اصول روایت سے غرض نہ تھی زمانہ مابعد میں اگرچہ یہ قاعدہ اصول حدیث میں داخل کر لیا گیا لیکن ارباب روایت نے اسکو بہت کم برتا اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آج بیسوں مزخرف اور دور از کار حدیثیں قبول عام کے شرف سے ممتاز ہیں۔

تلک الغرانیق العلی کی حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ کی زبان سے سورۂ نجم کی تلاوت کے وقت ”بتوں کی تعریف میں یہ الفاظ ادا ہوئے تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن الترتجی یعنی یہ بت بہت معزز ہیں اور انکی شفاعت کی امید کیجا سکتی ہے“ اور یہ الفاظ شیطان نے آنحضرت کی زبان میں ڈالدیئے تھے۔ چنانچہ تلاوت کے بعد جبرئیل آئے اور انھوں نے یہ شکایت کی کہ میں نے تو یہ الفاظ آپ کو نہیں سکھائے تھے آپ نے کہاں سے پڑھ دیئے۔ اس حدیث کو امام صاحب کے موافق بعض محدثین مثلاً قاضی عیاض۔ و ابو بکر بیہقی وغیرہ نے غلط کہا لیکن محدثین کا ایک بڑا گروہ اسکو اب بھی صحیح تسلیم کرتا ہے۔ متاخرین میں حافظ ابن حجر سے زیادہ نامور کوئی محدث نہیں گزرا۔ وہ بڑے زور شور سے اس حدیث کی تائید کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ چونکہ اس کے رواۃ ثقہ ہیں اسلئے اسکی صحت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح رد الشمس کی حدیث کو جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت علیؓ کی نماز عصر قضا ہو گئی تھی اس لئے آنحضرت کی دعا سے غروب ہونے کے بعد پھر طالع ہوا محدث ابن جوزی نے جرات کر کے موضوع کہا لیکن حافظ ابن حجر و جلال الدین سیوطی وغیرہ نے نہایت شدت سے مخالفت کی امام صاحب کے زمانہ میں اس سے زیادہ مخالفتیں ہوئیں لیکن وہ ان باتوں کی کچھ پروا نہیں کرتے تھے لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ لفظ عقل سے امام صاحب کی مراد وہ وسیع معنی نہیں ہیں جو آج کل کے تعلیم یافتہ لوگوں نے قرار دے ہیں جس کی رو سے شریعت کے بہت سے اصلی مسائل برباد ہوے جاتے ہیں۔

(۲) جو واقعات تمام لوگوں کو رات دن پیش آیا کرتے ہیں انکے متعلق اگر رسول اللہ سے کوئی ایسی روایت منقول ہو جو اخبار احاد کے درجے سے زیادہ نہو تو وہ روایت مشتبہ ہوگی یہ اصول اس بنا پر ہے جو واقعات تمام لوگوں سے متعلق تھی اس لئے صرف ایک آدہ شخص تک اس روایت کا محدود رہنا درایت کے خلاف ہے۔

مخالفت قیاس

اکثر مصنفین نے تصریح کی ہے کہ امام ابو حنیفہ اس روایت کو قبول نہیں کرتے جو قیاس کے

کے مخالف ہو اگرچہ یہ قول محض بے اصل نہیں ہے لیکن اس کی تعبیر میں لوگوں نے اکثر غلطی کی ہے اور انھیں غلط تعبیرات کا اثر ہے کہ امام ابوحنیفہ کی نسبت ارباب ظاہر میں بہت سی بدگمانیاں قائم ہوگئیں ان لوگوں نے امام صاحب کے مقصد و منشا پر کافی غور نہیں کی اور عام رائے قائم کرلی کہ وہ قیاس کو حدیث پر مقدم سمجھتے ہیں۔ امام صاحب سے اس مسئلہ کے متعلق جو اقوال منقول ہیں وہ صریح اس دعوی کے خلاف ہیں بمسائل فقہ میں متعدد مثالیں موجود ہیں جنہیں امام ابوحنیفہ نے حدیث و اثر کی وجہ سے قیاس کو مطلقاً ترک کردیا ہے۔ امام محمد اس بحث میں کہ قہقہہ نماز ناقص وضو ہے امام ابوحنیفہ کی طرف استدلال کرتے ہیں اور لکھتے ہیں لولا ماجاءمن الآثار کان القیاس علی ما قال اهل المدینة ولکن لا قیاس مع اثر ولا ینبغی الا ان ینقاد للآثار یعنی قیاس وہی ہے جو اہل مدینہ کہتے ہیں لیکن حدیث کے ہوتے قیاس کوئی چیز نہیں اور صرف حدیث ہی کی پیروی کرنی چاہیے"۔ اس سے زیادہ اسباب میں کیا تصریح ہو سکتی ہے عقود الجمان کے مصنف نے مختلف روایتوں سے امام ابوحنیفہ کے خاص اقوال نقل کئے ہیں کہ میں حدیث کے مقابلہ میں قیاس کو دخل نہیں دیتا امام جعفر صادق سے امام صاحب نے جو گفتگو کی تھی اس میں بھی اس خیال کا اظہار کیا ہے۔

ان تصریحات کو دیکھکر بعضوں نے اس انتساب میں تخصیص کی اور دعوی کیا کہ "جو حدیث قیاس جلی کے مخالف ہو اسکو امام صاحب قبول نہیں کرتے"، عبدالکریم شہرستانی نے اصحاب الرائے کے بیان میں جہاں امام ابوحنیفہ اور انکے تلامذہ کا ذکر آیا ہے لکھا ہے کہ وربما یقدمون القیاس الجلی علی احاد الاخبار یعنی یہ لوگ اکثر قیاس جلی کو اخبار احاد پر ترجیح دیتے ہیں۔ امام رازی نے بھی مناقب الشافعی میں اسکی جابجا تصریح کی ہے اور اس بنا پر امام ابوحنیفہ کے مقابلہ میں امام شافعی کی ترجیح کے وجوہ قائم کئے ہیں۔

میں نے بہت کچھ جد و جہد کی کہ اس مسئلہ کے متعلق امام صاحب کا کوئی صریح قول مل سکے لیکن نہ مل سکا جن لوگوں نے امام صاحب کیطرف اس قول کو منسوب کیا ہے غالباً صرف استنباط سے کام لیتے ہیں صریح قول نہیں پیش کر سکتے۔ بے شبہہ حنفیوں کے اصول فقہ میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ "وہ حدیث جس کے رواۃ فقیہ نہوں اور ہر طرح قیاس کے مخالف ہو قابل حجت نہیں"، لیکن یہ حنفیوں کا مسئلہ اصول نہیں ہے بلکہ صرف عیسے ابن ابان اور انکے پیروں کی رائے ہے ابوالحسن کرخی وغیرہ صریح اسکے مخالف ہیں۔ اور صاحب مسلم الثبوت نے اس قول کو ترجیح دی ہے تعجب اور سخت التعجب ہے کہ بغیر کسی ثبوت کے امام ابوحنیفہ کی طرف یہ دعوی صرف اس اعتماد پر منسوب کردیا گیا کہ فقہائے حنفیہ میں سے چند علما اسکے قائل ہیں۔ بہت بڑی مثال۔ بیع مصراۃ کی پیش کیجاتی ہے جس سے یہ ثابت کیا جاتا ہے

کہ امام ابو حنیفہ نے اس مسئلہ میں صریح حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس کو مقدم رکھا ہے[1] لیکن ان مدعیوں کو معلوم نہیں کہ اس مثال میں قیاس کی تقدیم بعض علمائے حنفیہ کی ذاتی رائے ہے امام صاحب سے اسکو کچھ واسطہ نہیں۔ امام رازی نے مناقب الشافعی میں اتنی احتیاط کی کہ اس موقع پر امام ابو حنیفہ کا نام نہیں لیا بلکہ اصحاب ابی حنیفہ لکھا لیکن ہم اس احتیاط میں بھی انکو معذور نہیں سمجھتے کیونکہ یہ رائے بعض حنفیوں کی ہے نہ سب کی امام رازی نے اصحاب کے لفظ سے جو تعمیم ظاہر کی وہ صحیح نہیں۔

بیع مصراۃ کی حدیث کو امام ابو حنیفہ نے قیاس کی بنا پر رد نہیں کیا بلکہ اس کے نسخ کا دعوی کیا ہے امام طحاوی نے معانی الآثار میں اس بحث کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے۔ وہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کا مذہب لکھکر لکھتے ہیں وذھبوا الی ان ماروی عن رسول اللہ فی ذالک مما قد ذکرنا فی ھذا الباب منسوخ یعنی یہ لوگ اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ اس بارہ میں جو کچھ رسول اللہ سے روایت کیا گیا ہے وہ منسوخ ہے

اس موقع پر ہم اس بحث کی تفصیل نہیں کر سکتے صرف یہ جتانا چاہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں امام صاحب نے قیاس کو ترجیح نہیں دی بلکہ نسخ کا دعوی کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے موقعوں پر نہایت دقیقہ بینی سے دیکھنا چاہئے کہ جو اقوال امام صاحب کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں وہ ان سے ثابت ہیں یا نہیں؟ متاخرین نے ان باتوں میں کم احتیاط کی ہے اس لئے ہمکو نہایت غور و تحقیق سے کام لینا ہے۔ یہی بیع مصراۃ کی حدیث ہمیشہ اصول موضوع کے طور پر پیش کی جاتی ہے اور اس سے ثابت کیا جاتا ہے کہ امام ابو حنیفہ قیاس کو حدیث پر مقدم رکھتے تھے لیکن ذرا تحقیق سے کام لو تو معلوم ہوتا ہے کہ اس تمام شور و غل کی کچھ اصل نہیں بخلاف اس کے نہایت قوی ذریعہ سے امام ابو حنیفہ کی تصریحات ثابت ہیں کہ وہ حدیث صحیح کے مقابلہ میں قیاس کا مطلق اعتبار نہیں کرتے تھے امام محمد اس بحث کے ذیل میں کہ جو شخص رمضان میں بھول کر کچھ کھا پی لے تو روزہ نہیں ٹوٹتا اور قضا نہیں لازم آتی۔ حدیث پر استدلال کر کے لکھتے ہیں کہ آثار کے ہوتے ہوئے رائے کچھ چیز نہیں۔ پھر امام ابو حنیفہ کا خاص قول نقل کرتے ہیں کہ لولا ماجاء فی ھذا من الآثار لامرت بالقضاء یعنی اگر اس بارہ میں آثار موجود نہوتے تو میں قضا کا حکم دیتا[2]

امام صاحب نے تصریح کی ہے کہ وہ حدیث کے مقابلہ میں قیاس کا اعتبار نہیں کرتے تھے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ احادیث کے ثبوت کے متعلق امام ابو حنیفہ کی شرطیں نہایت سخت ہیں جب تک وہ شرطیں پائی نہ جائیں وہ حدیث کو قابل استدلال نہیں سمجھتے لیکن ان شرطوں کے ساتھ حدیث ثابت ہو تو انکے نزدیک پھر قیاس کوئی چیز نہیں۔

---

[1] تعجب ہے کہ بڑے بڑے علماء یہانتک کہ امام غزالی و امام رازی نے بھی امام ابو حنیفہ کی نسبت یہ الزام لگایا اور یہی بیع مصراۃ کی مثال پیش کی ۱۲ [2] کتاب الحج امام محمد ۱۲

قیاس کے ایک اور معنے

جس حد تک ہم تحقیق کر سکے امام ابوحنیفہ نے قیاس ظنی کو حدیث پر ہرگز مقدم نہیں رکھا لیکن ان کے زمانہ تک قیاس کا لفظ نہایت وسیع معنوں میں مستعمل تھا اور ان معنوں کے لحاظ سے امام صاحب نے قیاس کو حدیثوں میں دخل دیا ہے مسائل اور احکام شرعیہ کے متعلق اسلام میں شروع ہی سے دو فرقے قائم ہوگئے تھے۔ ایک کا خیال تھا کہ شرعی احکام کسی مصلحت اور اقتضاء عقل پر مبنی نہیں ہیں جسکا حاصل یہ ہے کہ حسن و قبح اشیاء عقلی نہیں ہے۔ دوسرے فریق کی رائے تھی کہ تمام احکام مصالح پر مبنی ہیں جن میں سے بعض کی مصلحتیں صاف نمایاں ہیں اور خود شارع کے کلام سے اسکے اشارے پائے جاتے ہیں بعض ایسے ہیں جنکی مصلحت ہمکو معلوم نہیں لیکن فی الواقع وہ مصالح سے خالی نہیں اس اختلاف رائے نے حدیثوں کی روایت پر مختلف اثر پیدا کئے بعض لوگ جب کسی حدیث کو سنتے تھے تو صرف یہ دیکھ لیتے تھے کہ اسکے راوی ثقہ ہیں یا نہیں۔ اگر انکے خیال کے موافق قابل حجت ہیں تو پھر انکو کوئی بحث نہیں ہوتی تھی۔ اور بے تکلف اس حدیث کو قبول کر لیتے تھے دوسرا فریق جو حسن و قبح عقلی کا قائل تھا یہ بھی دیکھتا تھا کہ جو مسئلہ اور عقیدہ حدیث سے مستنبط ہوتا ہے وہ عقل و مصلحت کے موافق ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہوتا تو وہ حدیث کی زیادہ تحقیق و تنقید کیطرف مائل ہوتے تھے۔ وہ دیکھتے تھے کہ راوی فہم و روایت کے لحاظ سے کیا پایہ رکھتے ہیں روایت باللفظ ہے یا بالمعنی۔ موقع حدیث کیا تھا۔ کون لوگ مخاطب تھے۔ کیا حالت تھی غرض اس قسم کے اسباب اور وجوہ پر غور کرتے تھے ان باتوں سے اکثر اصل حقیقت کا پتہ لگ جاتا تھا۔

یہ طرز تحقیق خود صحابہ کے زمانہ میں قائم ہو چکا تھا۔ صحیح ابن ماجہ و ترمذی میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے رسول اللہ سے حدیث روایت کی کہ توضوء امما غیرت النار یعنی جس چیز کو آگ نے متغیر کر دیا ہو اس کے استعمال سے وضو ٹوٹ جاتا ہے،، اسی بنا پر بعض مجتہدین قائل ہیں کہ گوشت کھانے سے وضو لازم آتا ہے ابوہریرہ نے جب یہ حدیث بیان کی تو عبداللہ بن عباس موجود تھے بولے کہ انتوضا من الحمیم یعنی اس بنا پر تو گرم پانی کے استعمال سے بھی وضو لازم آتا ہے،، ابوہریرہ نے کہا۔ اے برادر زادہ جب رسول اللہ سے کوئی روایت سنو تو اسپر مثالیں نہ کہو،، لیکن عبداللہ بن عباس اپنی رائے پر قائم رہے۔ حضرت عائشہ نے ابن عمر کی اس حدیث پر ان المیت یعذب ببکاء اھلہ۔ جو اعتراض کیا تھا اسی طرز تحقیق پر مبنی تھا۔ صحابہ کے حالات میں اس کی متعدد مثالیں ملتی ہیں جنکا استقصا اس موقع پر ضروری نہیں۔

امام ابوحنیفہ کا بھی یہی مسلک تھا اور اسی کو لوگوں نے قیاس کے لفظ سے شہرت دی اس مسئلہ پر کہ احکام شریعت مصالح پر مبنی ہیں اس موقع پر ہم تفصیلی گفتگو نہیں کرسکتے شاہ ولی اللہ صاحب کی ... پیش نظر

کتاب حجۃ اللہ البالغہ اس بحث کیلئے کافی ووافی ہے۔ یہاں صرف اس قدر کہنا ضرور ہے کہ علمائے اسلام میں جو لوگ عقل ونقل دونوں کے جامع تھے مثلاً امام غزالی عزالدین عبدالسلام، شاہ ولی اللہ وغیرہ ان لوگوں کا یہی مسلک تھا۔ امام ابوحنیفہ۔ احادیث کی تنقید میں اس اصول کو ضروری طور پر ملحوظ رکھتے تھے دو متعارض حدیثیں جو روایت کی حیثیت سے یکساں نسبت رکھتی تھیں ان میں وہ اس حدیث کو ترجیح دیتے تھے جو اصول مذکور کے موافق ہو۔

امام صاحب نے بعض موقعوں پر محض اس اصول کی مخالفت کی وجہ سے بعض حدیثوں کے تسلیم میں تامل کیا ہے انکی اصطلاح میں یہ ایک علت خفیہ ہے۔ محدثین نے اقسام حدیث میں ایک قسم معلل قرار دی ہے جس کی یہ تعریف کی ہے کہ حدیث میں بظاہر صحت کی تمام شرطیں پائی جاتی ہیں اور وہ قابل استدلال نہیں ہوتی اس قسم کی حدیثوں کی تمیز پر محدثین کو نہایت فخر ہے اور وہ اسکو ایک قسم کا الہام سمجھتے ہیں۔ علی بن المدینی جو امام بخاری کے استاد اور بہت بڑے مشہور محدث تھے انکا قول ہے کہ ھی الھام ولو قلت للقیم بالعلل من این لك ھذا لم یکن لہ حجۃ[1] یعنی "یہ الہام ہے اور اگر تم ماہر علل سے پوچھو کہ تم نے کیونکر اسکو معلل کہا تو وہ کوئی دلیل نہیں پیش کر سکتا۔ محدث ابوحاتم سے ایک شخص نے چند حدیثیں پوچھیں انھوں نے بعض مدرج بعض کو باطل بعض کو منکر بعض کو صحیح بتایا۔ پوچھنے والے نے کہا کہ آپ کو کیونکر معلوم ہوا۔ کیا راوی نے آپ کو ان باتوں کی اطلاع دی؟ ابوحاتم نے کہا نہیں! بلکہ مجھکو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ سائل نے کہا تو کیا آپ علم غیب کے مدعی ہیں۔ ابوحاتم نے جواب دیا کہ تم اور ماہرین فن سے پوچھو اگر وہ میرے ہمزبان ہوں تو سمجھنا کہ میں نے بیجا نہیں کہا۔ سائل نے ابوزرعہ سے حدیثیں جاکر دریافت کیں انھوں نے ابوحاتم کی موافقت کی تب سائل کو تمکین ہوئی[2]

بعض محدثین کا قول ہے اثر یھجم علی قلوبھم لا یمکنھم ردہ ھیئۃ نفسانیۃ لا معدل لھم یعنی وہ ایک امر ہے جو ائمہ حدیث کے دل پر وارد ہوتا ہے اور وہ اسکو رد نہیں کر سکتے اور نفسانی اثر ہے جس سے گریز نہیں ہو سکتا۔ محدثین کا یہ دعویٰ بالکل صحیح ہے۔ بے شبہ فن روایت کی ممارست سے ایک ملکہ یا ذوق پیدا ہو جاتا ہے جس سے خود تمیز ہو جاتی ہے کہ یہ قول رسول اللہ کا ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اسی طرح شریعت کے احکام اور مسائل اور انکے اسرار ومصالح کے تتبع اور استقرار سے ایسا ذوق حاصل ہو سکتا ہے جس سے یہ تمیز ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ نے یہ حکم دیا ہوگا یا نہیں لیکن ان اسرار ومصالح کا تتبع محدث کا فرض نہیں ہے وہ مجتہد کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب ان دقیق وجوہ کے لحاظ سے امام ابوحنیفہ نے

---

[1] فتح المغیث صفحہ ۹۸۔ ۱۲ [2] فتح المغیث صفحہ ۹۸۔ ۱۲

بعض حدیثوں کو معلل قرار دیا تو ارباب ظاہر نے مخالفت کی۔ اور بعضوں کو بدگمانی ہوئی کہ امام صاحب حدیث کو عقل و رائے کی بنا پر رد کرتے ہیں لیکن انصاف پسند انصاف کرسکتا ہے کہ جب روایات اور ظاہر الفاظ کے استقراء سے محدثین کو ایسا مذاق پیدا ہو جاتا ہے جس سے وہ ایک حدیث کو جس میں بظاہر صحت کی تمام شرطیں پائی جاتی ہیں۔ رد کرسکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ جس شخص نے وقت نظر اور نکتہ شناسی کے ساتھ احکام شریعت کے اسرار اور مصالح کا تتبع کیا ہو وہ ایسے وجدان اور ذوق سے محروم رہے البتہ یہ نہایت نازک اور ذمہ داری کا کام ہے جسکا صرف وہ شخص متکفل ہوسکتا ہے جو بہت بڑا عالم۔ مجتہد۔ محدث دقیقہ بین موید بتائید الٰہی ہو لیکن ان شرطوں کا جامع امام ابو حنیفہ سے زیادہ کون ہوسکتا ہے۔

مراتب احادیث کا تفاوت

نہایت مہتم بالشان اور دقیق چیز جو امام ابو حنیفہ نے اس فن میں اضافہ کی وہ احادیث کے مراتب کا تفاوت اور ان تفاوتوں کے لحاظ سے احکام شرعیہ کی تقسیم ہے احکام اور مسائل کا پہلا ماخذ قرآن ہے جسمیں کسی کو گفتگو نہیں ہوسکتی۔ قرآن کے بعد حدیث کا رتبہ ہے۔ حدیث اور قرآن میں اصل امر کے لحاظ سے تو چنداں فرق نہیں۔ وہ وحی متلو ہے اور یہ غیر متلو۔ جو کچھ تفاوت اور اختلاف ہے وہ ثبوت کی حیثیت سے ہے اگر کوئی حدیث اسی تواتر اور قطعیت سے ثابت ہو جس طرح قرآن ثابت ہے تو اثبات احکام میں وہ قرآن کے ہم پلہ ہے لیکن حدیثوں کے ثبوت کے مراتب متفاوت ہیں اور احکام کے ثبوت میں انھیں تفاوتوں کے لحاظ کی ضرورت ہے محدثین نے حدیث کی جو تقسیمیں کی ہیں یعنی صحیح حسن ضعیف۔ مشہور۔ عزیز۔ غریب وغیرہ انکے اختلاف مراتب سے احکام پر چنداں اثر نہیں پڑتا چنانچہ ان قسموں میں سے محدثین صرف ضعیف کا اعتبار نہیں کرتے باقی اقسام کو قریبا یکساں قابل حجت قرار دیتے ہیں۔ محدثین کو اس سے زیادہ تدقیق اور امتیاز مراتب کی ضرورت بھی نہ تھی کیونکہ استنباط احکام اور تفریع مسائل ان کا فرض نہ تھا لیکن امام ابو حنیفہ کو تدوین فقہ کی وجہ سے جس

متواتر

کے وہ بانی اول ہیں زیادہ تدقیق اور فرق مراتب کی ضرورت پڑی انھوں نے نوعیت ثبوت کے لحاظ سے حدیث کی تین قسمیں قرار دیں (۱) متواتر یعنی وہ حدیث جسکے رواۃ پہلے طبقہ روایت میں اس کثرت سے

مشہور

ہوں جنکے تواتر علی الکذب کا گمان نہیں ہوسکتا یعنی رسول اللہ سے بیشمار لوگوں نے روایت کی ہو اسی طرح ان لوگوں سے لیکر اخیر زمانہ تک بیشمار رواۃ کرتے گئے ہوں (۲) مشہور یعنے وہ حدیث جسکے رواۃ پہلے طبقہ روایت میں تو بہت نہوں لیکن دوسرے طبقہ سے اخیر تک اسی کثرت سے ہوں جو متواتر کے مشروط ہے

احاد

(۳) احاد جو متواتر اور مشہور نہو۔ اس تقسیم کا اثر انکی رائے کے موافق احکام شرعیہ پر جو پڑتا ہے وہ یہ ہے کہ متواتر سے فرضیت اور رکنیت ثابت ہوسکتی ہے مشہور کا درجہ چونکہ متواتر سے کم ہے اسلئے اس فرضیت کا اثبات تو نہیں ہوسکتا لیکن قرآن میں جو حکم مطلق ہو حدیث مشہور سے مقید ہوسکتا ہے اسی طرح اس سے زیاد

علی الکتاب ہوسکتی ہے احاد کا ثبوت چونکہ بالکل ظنی ہے اسلئے وہ قرآن کے احکام منصوصہ پر کچھ اثر نہیں پیدا کرسکتی۔ یہ مسئلہ اگرچہ نہایت واضح اور صاف ہے لیکن تعجب ہے کہ امام شافعی اور بعض اور محدثین اسکے مخالف ہیں۔ امام بیہقی وغیرہ نے بعض مناظرات نقل کئے ہیں جو امام شافعی اور امام محمد میں واقع ہوئے اور جنمیں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس مسئلہ میں امام شافعی نے امام محمد کو بند کر دیا۔ اگرچہ ہمارے نزدیک یہ مناظرے فرضی مناظرے ہیں جنکا ثبوت اصول روایت کے مطابق ہرگز نہیں ہوسکتا لیکن اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کا انتساب امام ابوحنیفہ کی طرف ضرور صحیح ہے۔

قوی سے قوی اعتراض جو اس مسئلہ پر کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ خود امام ابوحنیفہ اور انکے تلامذہ اسکے پابند نہ رہ سکے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ امام شافعی نے امام محمد سے کہا کہ کیا آپ کے نزدیک خبر واحد سے قرآن پر زیادتی نہیں ہوسکتی امام محمدؒ نے کہا ہاں۔ امام شافعی نے کہا قرآن مجید میں وارثوں کے حق میں وصیت کا حکم ہے آپ اس حدیث کی بنا پر لا وصیۃ لوارث وصیت کو ناجائز کیوں قرار دیتے ہیں۔ غالباً شاہ صاحب نے یہ روایت بیہقی کی کتاب مناقب الشافعی سے لی ہے جسمیں اور بھی بہت بے سروپا روایتیں مذکور ہیں لیکن ہم شاہ صاحب کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ حنفیوں کے نزدیک وارثوں کے حق میں وراثت کا حکم کسی حدیث سے نہیں منسوخ ہوا بلکہ خود قرآن مجید کی اس آیت سے جسمیں توریث کے احکام ہیں۔ یہ صرف حنفیوں ہی کی رائے نہیں بلکہ تمام مفسرین کا یہی قول ہے (الا الشاذ النادر منہم)

ان مسائل پر اور بھی بہت سی بحثیں پیدا ہوگئی ہیں جنکی تفصیل ہم نہیں کرسکتے۔ لیکن اخبار احاد کی بحث اور اس سے عقائد اسلام پر جو اثر پڑتا ہے اسکو ہم اس موقع پر تفصیل سے لکھتے ہیں کیونکہ بعض محدثین کو زیادہ تر اسی مسئلہ میں ان سے اختلاف ہے۔

اخبار احاد کی نسبت اگرچہ محققین اور اکثر ائمہ حدیث کا یہی مذہب ہے کہ وہ ظنی الثبوت ہیں لیکن ایک فرقہ اس کے خلاف بھی ہے جسکے سرگروہ علامہ ابن الصلاح ہیں اگرچہ علامہ ابن الصلاح نے بھی اخبار احاد کی تمام حدیثوں کو قطعی نہیں تسلیم کیا ہے انھوں نے حدیث صحیح کی سات قسمیں کی ہیں (۱) جسپر بخاری و مسلم دونوں متفق ہوں (۲) بخاری منفرد ہوں (۳) مسلم منفرد ہوں (۴) بخاری و مسلم نے اسکو روایت نہ کیا ہو لیکن انکی شرطوں کے موافق ہو (۵) صرف بخاری کی شرط پر ہو (۶) صرف مسلم کی شرط پر ہو (۷) بخاری و مسلم کی شرط کے موافق نہو لیکن اور محدثین نے اسکو صحیح تسلیم کیا ہو۔ ان سات قسموں میں سے علامہ ابن الصلاح پہلی قسم کو قطعی الصحۃ قرار دیتے ہیں اور لکھتے ہیں وھذا القسم جمیعہ مقطوع بصحتہ والعلم النظری واقع بہ بمتفردات بخاری اور مسلم کی نسبت انکی رائے ہے کہ اسی قبیل میں داخل ہیں بجز ان چند حدیثوں کے جنپر دار قطنی وغیرہ نے

جرح کی ہے۔ ابن الصلاح کا قول اگرچہ ظاہریوں میں اور بالخصوص آجکل زیادہ رواج پا گیا ہے لیکن کچھ شبہہ نہیں کہ وہ بالکل غلط اور بے دلیل خیال ہے۔ اور خود آئمہ حدیث اسکے مخالف ہیں۔ علامہ نووی شرح صحیح مسلم میں ابن الصلاح کا قول تفصیلاً نقل کر کے لکھتے ہیں وھذا الذی ذکرہ الشیخ فی ھذہ المواضع خلاف ما قالہ المحققون والاکثرون۔ فانھم قالوا احادیث الصحیحین التی لیست بمتواترۃ انما تفید الظن فانھا احاد والاحاد انما تفید الظن علی ما تقرر ولا فرق بین البخاری ومسلم وغیرھما فی ذالک یعنی شیخ ابن الصلاح نے ان موقعوں پر جو کچھ کہا وہ محققین اور اکثروں کی رائے کے خلاف ہے کیونکہ محققین اور اکثروں کا قول ہے کہ صحیحین کی حدیثیں جو تواتر کے رتبہ کو نہیں پہنچی ہیں صرف ظن کی مفید ہیں کیونکہ وہ اخبار احاد ہیں اور اخبار احاد کی نسبت ثابت ہو چکا ہے کہ انسے صرف ظن پیدا ہو سکتا ہے۔ اور اس باب میں بخاری و مسلم اور اور لوگ سب برابر ہیں ابن الصلاح کے قول کو اور آئمہ فن نے بھی رد کیا ہے لیکن ہم اس بحث کو نقلی طور سے طے کرنا نہیں چاہتے ہمکو خود غور کرنا چاہئے کہ اخبار احاد سے یقین پیدا ہو سکتا ہے یا ظن۔

کسی حدیث کو جب ایک محدث گو وہ کسی رتبہ کا ہو صحیح کہتا ہے تو اس کا یہ دعوی درحقیقت چند ضمنی دعوؤں پر مشتمل ہوتا ہے یعنی یہ کہ روایت متصل ہے۔ اسکے رواۃ ثقہ ہیں۔ ضابطہ القلب ہیں۔ روایت میں شذوذ نہیں ہے۔ کوئی علت قادحہ نہیں ہے یہ سب امور ظنی اور اجتہادی ہیں جنپر یقین کی بنیاد قائم ہو سکتی ہے جس طرح ایک فقیہہ کسی مسئلہ کو قرآن یا حدیث سے استنباط کر کے اپنی دانست میں صحیح سمجھتا ہے اور اسکی صحت یقینی نہیں ہوتی کیونکہ استنباط میں جن مقدمات سے کام لیا ہے اکثر اسکے ظنیات ہیں۔ اسی طرح حدیث کا حال ہے کسی حدیث کو صحیح کہنا محدث کے ظنیات و اجتہادات پر مبنی ہے ایک یا چند محدثین نے کسی حدیث کو اگر صحیح کہا ہے۔ اور دوسرا شخص اسکی صحت نہیں تسلیم کرتا تو وہ صرف اس گناہ کا مجرم ہے کہ اس محدث یا محدثین کے اصول تحقیق۔ قواعد استنباط۔ طریق روایت غرض انکے اجتہادات اور مزعومات کا مخالف ہے حدیث کی تحقیق و تنقید کے لئے محدثین نے جو اصول مقرر کئے ہیں اور جنپر احادیث کی صحت کا مدار ہے سب عقلی اور اجتہادی مسائل ہیں اور یہی وجہ ہے کہ انمیں خود محدثین باہم اختلاف عظیم رکھتے ہیں ظاہریوں کا خیال ہے کہ حدیث کا فن نقلی ہے نہ عقلی لیکن جس شخص نے اصول حدیث پر غور کی ہے وہ اس خیال کی غلطی کو نہایت آسانی سے سمجھ سکتا ہے اسی نکتہ کیطرف امام ابوحنیفہ نے اشارہ کیا ہے کہ ھذا الذی نحن فیہ رای لا نجبر علیہ احدا ولا نقول یجب علی احد قبولہ بعضوں نے غلطی سے امام صاحب کے اس وسیع قول کو فقہ پر محدود سمجھا لیکن انکو معلوم نہیں کہ مجتہد کو مسائل سے زیادہ مسائل کے ماخذ سے بحث ہوتی ہے۔

احادیث کی ظنی الحدیث ہونے کی تحقیق

اصول حدیث کے ظنی اور اجتہادی ہونیکا ہی اثر ہے کہ محدثین کو احادیث کی صحت و عدم صحت میں

اختلاف ہوتا ہے۔ ایک محدث ایک حدیث کو نہایت صحیح مستند واجب العمل قرار دیتا ہے دوسرا اسی کو ضعیف بلکہ موضوع کہتا ہے۔ محدث ابن جوزی نے بہت سی حدیثوں کو موضوعات میں داخل کیا ہے جنکو دوسرے محدثین صحیح اور حسن کہتے ہیں ابن جوزی نے تو یہ قیامت کی کہ صحیحین کی بعض حدیثوں کو موضوع لکھ دیا۔ علامہ سخاوی لکھتے ہیں بل ربما ادرج فیہا الحسن والصحیح مما ھو فی احدی الصحیحین فضلا عن غیرھما یعنی ابن جوزی نے حسن اور صحیح تک کو جو بخاری یا مسلم میں موجود ہیں موضوعات میں درج کر دیا ہے دوسری کتابوں کا کیا ذکر ہے۔ بے شبہ ابن جوزی نے اس افراط میں غلطی کی لیکن یہ غلطی ایک اجتہادی غلطی ہے جسکا حاصل اسی قدر ہے کہ انھوں نے بخاری یا مسلم کے صحیح اجتہاد کو غلط خیال کیا ان اصولی اختلافات کی وجہ سے احادیث کی صحت اور عدم صحت میں جو اختلافات پیدا ہو گئے ہیں انکا استقصا کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

حدیث مرفوع کی پہلی ضروری شرط یہ ہے کہ رسول اللہ تک متصل ثابت ہو لیکن اتصال کے ثبوت کے جو طریقے تسلیم کئے ہیں انہیں اکثر ظنی اور اجتہادی ہیں صحابہ کے ان الفاظ کو "دریا امر سنت ہی" "ہمکو یہ حکم دیا گیا تھا" "ہم اسبات سے روکے گئے تھے" "رسول اللہ کے زمانہ میں ہم فلاں کام کرتے تھے۔ یا ہم اس کو برا نہیں سمجھتے تھے" اکثروں نے مرفوع قرار دیا ہے اور بعضوں نے یہاں تک وسعت دی کہ جن حدیثوں میں یہ الفاظ تھے انکو ان لفظوں سے روایت کر دیا کہ رسول اللہ نے یہ فرمایا، حالانکہ یہ الفاظ تھے کہ ان کو لفظوں لفظوں سے روایت کر دیا کہ رسول اللہ نے یہ فرمایا۔ حالانکہ یہ الفاظ اس معنی میں قطعی الدلالۃ نہیں ہیں بلکہ صحابہ کے ظن اور اجتہاد پر مبنی ہیں جسکی نسبت عموماً تسلیم کیا گیا ہے کہ فھو الصحابی لیس بحجۃ یعنی صحابی کی سمجھ کوئی دلیل نہیں اسی بنا پر بعض علمانے اختلاف کیا اور کہا کہ یہ الفاظ رفع و اتصال کے لئے کافی نہیں ہیں۔ امام شافعی۔ ابن حزم ظاہری۔ ابوبکر رازی۔ اور دیگر محققین نے صحابہ کے اس قول کو کہ "یہ فعل سنت ہے" حدیث مرفوع نہیں قرار دیا۔ کتب سیر و احادیث میں بیسیوں مثالیں ملتی ہیں جنمیں صحابی نے یہ الفاظ استعمال کیے اور وہ حدیث نبوی نہ تھی بلکہ خود انکا قیاس و اجتہاد تھا لیکن اکثر محدثین نے ان حدیثوں کو مرفوع کہا۔ اس خیال نے یہ آفت پیدا کی کہ اسکی بنا پر بعض رواۃ نے صریح مرفوع الفاظ میں حدیث کی روایت کر دی جس وجہ سے ایک عام شبہہ پیدا ہو گیا۔

معنعن روائیتیں

معنعن روایتوں میں اتصال کا ثابت ہونا نہایت مشکل ہے حالانکہ اس قسم کی روایتیں کثرت سے ہیں۔ امام بخاری کا مذہب ہے کہ معنعن حدیثوں میں اگر یہ ثابت ہو کہ راوی اور مروی عنہ دونوں ہمزبان تھے اور کبھی ملے بھی تھے تو وہ حدیث متصل سمجھی جائے گی۔ امام مسلم حالانکہ امام بخاری کے شاگرد اور

زیادہ انھیں کے طریقے کے پیرو تھے۔ تاہم اونھوں نے نہایت سختی سے اس شرط کی مخالفت کی اور صرف ہمزبان ہونا کافی سمجھا۔ اس اختلاف کا یہ نتیجہ ہے کہ امام بخاری کے اصول کے موافق امام مسلم کی اور وہ تمام معنعن روایتیں جنمیں لقا نہیں ثابت ہے مقطوع ہیں حالانکہ امام مسلم انکو متصل سمجھتے ہیں اور اسپر انکو یہانتک اصرار ہے کہ اپنے مخالف کو سخت الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ امام مسلم نے تو زیادہ توسیع کی لیکن امام بخاری کی شرط کے موافق بھی معنعن روایت میں اتصال کا ثبوت محض ظنی ہے یہ کچھ ضرور نہیں کہ دو شخص ہمزبان اور ہم لقا ہوں تو انکی روایتیں ہمیشہ بالملاقات ہوں جہاں حدثنا اوراخبرنا ہوگا وہاں ایسا ہونا البتہ ضرور ہے لیکن اگر یہ الفاظ نہیں ہیں اور راوی نے عن کے لفظ سے روایت کی ہے تو اتصال کا خیال قیاس غالب ہوگا لیکن یقینی نہوگا۔ حدیث و سیر میں بیسیوں مثالیں مل سکتی ہیں کہ دو راوی ایک زمانہ میں تھے اور آپس میں ملاقات بھی تھی تاہم ایک نے دوسرے سے بعض روایتیں بواسطہ کیں روز مرہ کے تجربوں میں اسکی سیکڑوں شہادتیں ملتی ہیں۔

رجال کی تنقید

سب سے بڑا ضروری اور اہم مسئلہ رجال کی تنقید ہے۔ اخبار احاد کا تمام ترمدار رجال پر ہے لیکن رجال کی تنقید و توثیق ایسا ظنی مسئلہ ہے جسکا قطعی فیصلہ نہایت مشکل اور قلیل الوجود ہے ایک شخص کو بہت سے لوگ نہایت ثقہ۔ نہایت متدین۔ نہایت راستباز سمجھتے ہیں۔ اسی شخص کو دوسرے اشخاص ضعیف الروایۃ غیر ثقہ ناقابل اعتبار خیال کرتے ہیں لطف یہ ہے کہ دونوں فریق اس رتبہ کے ہوتے ہیں جنکی عظمت و شان سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ امام بخاری و مسلم میں گو ایسا سخت اختلاف نہیں ہے تاہم بہت سی رواۃ ہیں جنکو ان دونوں اماموں سے ایک قابل حجت سمجھتا ہے اور دوسرا نہیں سمجھتا علامہ نووی نے مقدمہ شرح صحیح مسلم میں بعضوں کے نام بھی لکھے ہیں۔ اور محدث حاکم کی کتاب المدخل سے نقل کیا ہے کہ ان لوگوں کی تعداد جنسے امام مسلم نے مسند صحیح میں احتجاج کیا ہے اور امام بخاری نے جامع صحیح میں انسے حجت نہیں لی ۶۲۵ ہے۔

میزان الاعتدال کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سیکڑوں بلکہ ہزاروں رواۃ ہیں جنکی جرح و تعدیل مختلف فیہ ہے اور ایسا ہونا ضرور تھا کسی شخص کے ان تمام اوصاف و عادات پر مطلع ہونا جنکا اثر روایت کی قوت و ضعف پر پڑسکتا ہے۔ مدتوں کی ملاقات اور تجربہ پر موقوف ہے۔ جو لوگ جرح و تعدیل کے کام میں مصروف تھے سیکڑوں ہزاروں راویوں سے ایسی عمیق واقفیت کیونکر حاصل کرسکتے تھے اسی لئے مختلف قرائن ظاہری آثار۔ عام شہرت بھی۔ روایتوں سے کام لینا پڑتا تھا اور بہت کم قطعی

؎ دیکھو مقدمہ صحیح مسلم ۱۲

فیصلہ ہو سکتا تھا۔ اگرچہ محدثین نے ان متعارضات کے رفع کرنے کے لئے اصول قرار دیئے ہیں لیکن وہ اصول خود اجتہادی اور مختلف فیہ ہیں اس کے علاوہ متعدد موقعوں پر محدثین کو خود اپنے اصول سے انحراف کرنا پڑتا ہے۔ جرح کو عموماً تعدیل پر مقدم مانا گیا ہے لیکن بہت سی رواۃ ہیں جنکی نسبت اس قاعدہ کی پابندی نہیں کیجاتی۔ محمد بن بشار البصری احمد بن صالح مصری۔ عکرمہ مولی بن عباس کی نسبت مفسر جرحین موجود ہیں تاہم ان جرحوں کا اعتبار نہیں کیا جاتا تعجب یہ ہے کہ جارحین و معدلین دونوں ائمہ فن ہوتے ہیں اور انکی راویوں میں اس قدر اختلاف ہوتا ہے جس سے سخت تعجب پیدا ہوتا ہے۔ جابر جعفی کوفی ایک مشہور راوی ہے جسکو دعوی تھا کہ مجھکو پچاس ہزار حدیثیں یاد ہیں اسکی نسبت ائمہ جرح و تعدیل کی یہ رائیں ہیں۔

سفیان کا قول ہے کہ میں نے جابرؒ سے زیادہ محتاط حدیث میں نہیں دیکھا۔ شعبہ کہتے ہیں کہ جابرؒ جب اخبرنا وحدثنا کہیں تو وہ اوثق الناس ہیں۔ امام سفیان ثوری نے شعبہ سے کہا کہ اگر تم جابر جعفی میں گفتگو کروگے۔ تو میں تم میں گفتگو کرونگا۔ وکیع کا قول ہے کہ تم لوگ اور کسی بات میں شک کرو تو کرو۔ لیکن اس بات میں کچھ شک نہ کرو کہ جابر جعفی ثقہ ہیں۔ اسکے مقابلہ میں اور آئمہ فن کی رائیں ہیں جس کے یہ الفاظ ہیں کہ وہ متروک ہے۔ کذاب ہے وضاع ہے چنانچہ اخیر فیصلہ جو پچھلے محدثوں نے کیا وہ یہی ہے کہ جابر کی روایت قابل اعتبار نہیں۔

اس سے یہ غرض نہیں کہ جرح و تعدیل کا فن ناقابل اعتبار ہے۔ بلکہ یہ مقصود ہے کہ جن وسائل اور طرق سے رجال کے حالات قلمبند کئے گئے اور کئے جاسکتے تھے انکا مرتبہ ظن غالب یا محض ظن سے فائق نہیں ہو سکتا اسلئے اسپر یقینیات اور قطعیات کی بنیاد نہیں قائم ہو سکتی۔

ادائے مطلب

ان امور کے بعد تاویہ معنی کی بحث باقی رہتی ہے۔ مثلاً ایک حدیث تمام محدثین اور مجتہدین کے اصول کے موافق متصل بھی ہے۔ رواۃ بھی ثقہ ہیں۔ شذوذ بھی نہیں ہے لیکن یہ بحث اب بھی باقی ہے کہ راوی نے ادائے مطلب کیونکر کیا؟ موقع اور محل روایت کی تمام خصوصیتیں ملحوظ رکھیں یا نہیں؟ فہم مطلب یا طریقہ ادا میں تو کوئی غلطی نہیں کی؟ چونکہ یہ مسلم ہے کہ حدیثیں اکثر بالمعنی روایت کی گئی ہیں اس لئے ان احتمالات کو زیادہ قوت ہو جاتی ہے۔ صحابہ کے زمانہ میں کسی روایت کی صحت سے انکار کیا جاتا تھا۔ تو اسی بنا پر کیا جاتا تھا ورنہ یہ ظاہر ہے کہ صحابہ عموماً ثقہ تھے اور انکی روایت میں انقطاع کا کوئی احتمال نہ تھا۔ صحیح مسلم باب التیمم میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے مسئلہ دریافت کیا کہ مجھکو غسل کی حاجت ہوتی اور پانی نہ مل سکا حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نماز نہ پڑھو۔ عمار موجود تھے انھوں نے اس مسئلہ کے متعلق رسول اللہ سے ایک روایت بیان کی اور کہا کہ اس موقع پر آپ بھی موجود تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا اتق اللہ

یا عمار یعنی اے عمار خدا سے ڈرو" یہ ظاہر ہے کہ حضرت عمر عمار کو کاذب الروایۃ نہیں سمجھتے تھے لیکن اس احتمال پر کہ شاید ادائے مطلب میں غلطی ہوئی یہ الفاظ فرمائے۔ چنانچہ عمار نے کہا "کہ اگر آپ کی مرضی نہ ہو تو یہ حدیث نہ روایت کیا کروں"۔ اخبار احاد کی بحث کو ہم نے قصداً اس لئے طول دیا کہ محدثین زیادہ تر اسی مسئلہ کی وجہ سے امام ابو حنیفہ پر ردو قدح کرتے ہیں حالانکہ امام صاحب کا مذہب نہایت تحقیق اور دقت نظر پر مبنی ہے۔

یہ تمام احتمالات اور اجتہادات اخبار واحاد کے ساتھ مخصوص ہیں متواتر اور مشہور میں ان بحثوں کا مساغ نہیں انہیں وجوہ اور اسباب سے اخبار احاد کے متعلق مختلف رائیں پیدا ہوگئیں۔ معتزلہ نے تو سرے سے انکار کیا انکے مقابلہ میں بعض محدثین نے یہ شدت کی کہ خبر واحد کو قطعی قرار دیا۔ صرف یہ شرط لگائی کہ رواۃ ثقہ ہوں اور انقطاع و شذوذ و علت نہ ہو بعض محدثین اگرچہ اصول کے طور پر اخبار احاد کو ظنی کہتے ہیں لیکن جزئیات احکام اور مسائل اعتقادی میں اسکا خیال نہیں رکھتے۔ امام ابو حنیفہ نے اس بحث میں جو مسلک اختیار کیا وہ نہایت معتدل اور انکی دقت نظر کی بہت بڑی دلیل ہے انھوں نے نہ معتزلہ کی طرح سرے سے انکار کیا نہ ظاہریوں کی طرح خوش اعتقادی سے اسکی قطعیت تسلیم کی۔ امام صاحب کی یہ رائے

خبر واحد قطعی نہیں

بڑے بڑے صحابہ کی رائے کے موافق ہے حضرت عمرؓ حضرت عائشہؓ عبد اللہ بن مسعود نے متعدد موقعوں پر خبر واحد کی تسلیم میں تردد کیا ہے جسکی وجہ یہی تھی کہ وہ اخبار احاد کو قطعی نہیں سمجھتے تھے۔ فاطمہ بنت قیس نے جب عمر کے سامنے رسول اللہ سے روایت کی کہ لا سکنی ولا نفقۃ تو حضرت عمر نے فرمایا لا نترک کتاب اللہ بقول امرأۃ لا ندری صدقت ام کذبت یعنی ہم ایک عورت کی بنا پر جسکی نسبت معلوم نہیں کہ اس نے غلط کہا یا صحیح ہم کتاب الٰہی کو چھوڑ نہیں سکتے فقہی احکام میں اس قاعدہ کی متعدد تفریعین ہیں

خبر واحد میں صحابہ نے شک کیا

مثلاً یہ کہ اخبار احاد سے کسی حکم کا فرض ہونا نہیں ثابت ہوسکتا کیونکہ فرضیت۔ ثبوت قطعی کی محتاج ہے البتہ اس سے ظن غالب پیدا ہوتا ہے۔ اسلئے وجوب، سنن، استحباب ثابت ہوسکتا ہے اسی بنا پر نماز میں قراءۃ فاتحہ کو امام شافعی فرض سمجھتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ واجب اس اصول پر بہت سے احکام متفرع ہیں۔

اس قاعدہ کا اثر علم کلام کے مسائل پر

فقہ سے زیادہ اس قاعدہ کا اثر علم کلام پر پڑتا ہے اور یہی چیز ہے جس نے ایک زمانہ کو امام ابو حنیفہ کا مخالف بنا دیا تھا۔ امام صاحب نے مذکورہ بالا قاعدہ کی بنا پر یہ اصول قرار دیا تھا کہ جو مسائل اور عقائد اسلام میں متفق علیہ ہیں انکے خلاف اخبار احاد قابل اعتبار نہیں مثلاً انبیا کی عصمت اہل حق کا ایک مسلّمہ مسئلہ ہے اسکے برخلاف جن روایتوں سے انبیا کا مرتکب کبائر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ امام ابو حنیفہ کے اصول

کے موافق وہ روایتیں قابل اعتبار نہیں اس اصول کی بنا پر بہت سے اشکالات سے جو ملاحدہ پیش کرتے ہیں نجات ملتی ہے لیکن افسوس ہے کہ اکثر ارباب روایت نے اس عمدہ اصول کی قدر نہ کی بلکہ الٹی اور مخالفت کی۔ علامہ ابن عبدالبر نے جو مشہور محدث ہیں کتاب الکنی میں لکھا ہے کان من مذھبہ الامام ابی حنیفۃ فی اخبار احاد ان لا یقبل منہا المخالف للاصول المجمع علیہا فانکر علیہ اصحاب الحدیث فافرطوا۔ یعنی اخبار احاد میں امام ابوحنیفہ کا یہ مذہب تھا کہ اصول متفق علیہ کے خلاف ہو تو قابل قبول نہیں اسپر اصحاب حدیث نے انکی مخالفت کی اور افراط کو پہنچا دیا۔"

محدثین اور امام ابوحنیفہ کے اصول میں عملاً یہ فرق ہے کہ جو حدیث اصول متفق علیہ کے خلاف ہوتی تھی محدثین اسکی صحت کو تسلیم کر کے تاویل سے کام لیتے تھے حالانکہ اکثر جگہ محض بارد تاویل ہوتی تھی بخلاف اسکے امام صاحب اس طرف مائل ہوتے تھے کہ چونکہ وہ حدیث متواتر اور مشہور نہیں ہے اسلیے ممکن ہے کہ رواۃ نے غلطی یا مسامحت کی ہو۔ امام فخرالدین رازی نے تفسیر کبیر میں ایک بحث لکھی ہے جو اس موقع کی ایک عمدہ مثال ہے وہ لکھتے ہیں کہ "ایک شخص سے میں نے کہا کہ یہ حدیث جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم تین بار جھوٹ بولے ما کذب ابراھیم الا ثلث کذبات صحیح نہیں۔ کیونکہ اس سے حضرت ابراہیم کا (نعوذ باللہ) کاذب ہونا لازم آتا ہے۔ اس شخص نے کہا کہ اس حدیث کے رواۃ ثقہ ہیں انکو کاذب کیونکر کہا جائے میں نے جواب دیا کہ حدیث کو صحیح مانیں تو حضرت ابراہیم کا کذب لازم آتا ہے۔ اور غلط تسلیم کریں تو راوی کا کاذب ماننا پڑتا ہے لیکن یہ بدیہی بات ہے کہ حضرت ابراہیم کو راوی پر ترجیح ہے۔" امام رازی کا استدلال امام ابوحنیفہ کے اسی خیال پر مبنی ہے۔ یعنی چونکہ انبیا کا معصوم اور صادق ہونا قسطلانی صحیح بخاری کی شرح میں استدلال کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ جب رواۃ ثقہ ہیں تو حدیث کو بہر حال صحیح ماننا چاہیے۔"

اسی اصول پر امام صاحب اسبات کے قائل ہیں کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہر سورہ کے شروع میں جزو قرآن نہیں ہے۔ امام شافعی اور بعض محدثین اسکے خلاف ہیں اور سند میں چند حدیثیں پیش کرتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ کیطرف سے یہ جواب ہے کہ قرآن تواتر سے ثابت ہے اور جو تواتر سے ثابت ہے وہی قرآن ہے اخبار احاد سے قرآن نہیں ثابت ہو سکتا اسی طرح امام صاحب کے اصول کے مطابق وہ روایتیں قابل اعتبار نہیں جن میں عبداللہ بن مسعود کی طرف معوذتین کا انکار منسوب کیا گیا ہے حافظ ابن حجر نے ان روایتوں کو صحیح تسلیم کیا ہے اور کہا ہے کہ روایت سے انکار نہیں کرنا چاہیے کہ معوذتین متواتر نہیں ہیں۔ یا تو اتنا نتیجہ گھٹانا ہوگا کہ رسول اللہ کے صحابہ کو بھی اس کی واقفیت نہ تھی ورنہ ہو امام صاحب کے

اس اصول کے مطابق اسلام کا دائرہ اس قدر وسیع رہتا ہے جسقدر کہ اسکو رہنا چاہئے بخلاف اسکے اور لوگوں کی رائے کے مطابق اسکی وسعت نقطہ سے بھی کم رہجاتی ہے مثلاً یہ مسلم اور یقینی ہے کہ جو شخص توحید اور نبوت کا قائل ہے اور دل سے اس پر اعتقاد رکھتا ہے وہ قرآن مجید کی نص کے مطابق مسلمان ہے اب اسکے مقابلہ میں وہ حدیثیں جو قطعی الثبوت نہیں ہیں کہ جن میں بہت سے خارجی امور پر کفر کا حکم دیا گیا ہے کچھ اثر نہیں پیدا کر سکتیں اسی بنا پر امام صاحب معتزلہ قدریہ جہمیہ وغیرہ کو کافر نہیں کہتے تھے اور اس قسم کی حدیثوں کا کہ وہ بہتر فرقوں میں سے صرف ایک فرقہ بہشتی ہے اور باقی دوزخی اعتبار نہیں کرتے تھے لیکن بہت سے ظاہر بینوں نے ان حدیثوں کا یہ رتبہ قائم کیا کہ انکی بنا پر بات بات پر کفر کے فتوی دیئے یہانتک کہ جو شخص وضع قطع میں ذرا بھی کسی دوسرے کے مشابہ ہو جائے وہ کافر ہے خود متاخرین حنفیہ نے امام صاحب کے اس عمدہ اصول کو نظر انداز کر دیا اور سیکڑوں ہزاروں مسئلے کفر کے ایجاد کر دیے جنکی تفصیل سے فقہ کی کتابیں مالامال ہیں

فقہ

اسلامی علوم مثلاً تفسیر۔ حدیث۔ مغازی۔ ان کی ابتدا اگرچہ اسلام کے ساتھ ساتھ ہوئی لیکن جبوقت تک انکو فن کی حیثیت نہیں حاصل ہوئی وہ کسی خاص شخص کیطرف منسوب نہیں ہوئے دوسری صدی کے اوائل میں تدوین و ترتیب شروع ہوئی ہے اور جن لوگوں نے تدوین و ترتیب کی وہ ان علوم کے بانی کہلائے چنانچہ بانی فقہ کا لقب امام ابو حنیفہ کو ملا جو درحقیقت اس لقب کے سزاوار تھے۔ اگر ارسطو علم منطق کا موجد ہے تو بے شبہ امام ابو حنیفہ بھی علم فقہ کے موجد ہیں۔ امام صاحب کی علمی زندگی کا بڑا کارنامہ فقہ ہے اس لئے ہم اس پر تفصیلی بحث کرنی چاہتے ہیں لیکن اصل مقصد سے پہلے ضرور ہے کہ مختصر طور پر ہم فقہ کی تاریخ لکھیں جس سے ظاہر ہو کہ علم کب شروع ہوا اور کیونکر شروع ہوا؟ اور خاصکر یہ کہ امام ابو حنیفہ نے جب اسکو پایا تو اسکی کیا حالت تھی؟

فقہ کی مختصر تاریخ

فقہ کی تاریخ پر شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک نہایت عمدہ مضمون لکھا ہے جس کا التقاط ہمارے لئے کافی ہے وہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ کے زمانہ میں احکام کی قسمیں نہیں پیدا ہوئی تھیں۔ آنحضرت صحابہ کے سامنے وضو فرماتے تھے اور کچھ نہ بتاتے تھے کہ یہ رکن ہے یہ واجب ہے یہ مستحب ہے صحابہ آپ کو دیکھکر اسی طرح وضو کرتے تھے نماز کا بھی یہی حال تھا یعنی صحابہ فرض و واجب وغیرہ کی تفصیل و تدقیق نہیں کیا کرتے تھے جس طرح رسول اللہ کو نماز پڑھتے دیکھا خود بھی پڑھ لی۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے کسی قوم کو رسول اللہ

کے صحاب سے بہتر نہیں دیکھا لیکن انھوں نے رسول اللہ کی تمام زندگی میں تیرہ مسئلوں سے زیادہ نہیں پوچھے جو سب کے سب قرآن میں موجود ہیں البتہ جو واقعات غیر معمولی طور سے پیش آتے تھے ان میں لوگ آنحضرت سے استفتا کرتے اور آنحضرت جواب دیتے اکثر ایسا بھی ہوتا کہ لوگوں نے کوئی کام کیا اور آپنے اس پر تحسین کی یا اس سے نارضامندی ظاہر کی۔ اس قسم کے فتاوے اکثر عام مجمعوں میں ہوتے تھے اور لوگ آنحضرت کے اقوال کو محفوظ رکھتے تھے

آنحضرت کی وفات کے بعد فتوحات کو نہایت وسعت ہوئی اور تمدن کا دائرہ وسیع ہوتا گیا واقعات اس کثرت سے پیش آئے کہ اجتہاد و استنباط کی ضرورت پڑی اور اجمالی احکام کی تفصیل پر متوجہ ہونا پڑا مثلاً کسی شخص نے غلطی سے نماز میں کوئی عمل ترک کردیا۔ اب بحث یہ پیش آئی کہ نماز ہوئی یا نہیں، اس بحث کے پیدا ہونے کے ساتھ یہ تو ممکن نہ تھا کہ نماز میں جسقدر اعمال تھے سب کو فرض کہدیا جاتا صحابہ کو تفریق کرنی پڑی کہ نماز میں کتنے ارکان فرض و واجب ہیں کتنے مسنون اور مستحب اس تفریق کے لئے جو اصول قرار دیئے جاسکتے تھے اسپر تمام صحابہ کی راویوں کا متفق ہونا ممکن نہ تھا اسلئے مسائل میں اختلاف آرا ہوا اور اکثر مسئلوں میں صحابہ کی مختلف رائیں قائم ہوئیں بہت سے ایسے واقعات پیش آئے کہ رسول اللہ کے زمانہ میں انکا عین واثر بھی نہ پایا گیا تھا صحابہ کو ان صورتوں میں استنباط۔ تفریع حمل النظیر علی النظیر قیاس سے کام لینا پڑا ان اصول کے طریقے یکساں نہ تھے اسلئے ضروری اختلاف پیدا ہوئے غرض صحابہ ہی کے زمانہ میں احکام اور مسائل کا ایک دفتر بنگیا اور جدا جدا طریقے قائم ہوگئے صحابہ میں سے جن لوگوں نے استنباط و اجتہاد سے کام لیا۔ اور مجتہد یا فقہ کہلائے ان میں سے چار بزرگ نہایت ممتاز تھے عمرؓ علی عبداللہ بن مسعود عبداللہ بن عباس حضرت علی و عبداللہ بن مسعود زیادہ تر کوفہ میں رہے اور وہیں انکے احکام کی زیادہ ترویج ہوئی۔ اس تعلق سے کوفہ فقہ کا دارالعلوم بنگیا جس طرح کہ حضرت عمر و عبداللہ بن عباس کے تعلق سے حرمین کو دارالعلوم کا لقب حاصل ہوا تھا۔

مجتہدین صحابہ

حضرت علی

حضرت علی بچپن سے رسول اللہ کی آغوش تربیت میں پلے تھے اور جسقدر انکو آنحضرت کے اقوال و افعال سے مطلع ہونے کا موقع ملا تھا کسی کو نہیں ملا تھا ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ آپ اور صحابہ کی نسبت کثیر الروایۃ کیوں ہیں؟ فرمایا کہ میں آنحضرت سے کچھ دریافت کرتا تھا تو بتاتے تھے اور چپ رہتا تھا تو خود ابتدا کرتے تھے، اسکے ساتھ ذہانت، قوت استنباط اعلیٰ درجہ کا تھا۔ عموماً صحابہ اعتراف کرتے تھے حضرت عمرؓ کا عام قول تھا کہ خدا نہ کرے کہ کوئی مشکل مسئلہ آن پڑے اور علیؓ موجود نہ ہوں، عبداللہ بن عباس خود مجتہد تھے مگر کہا کرتے تھے کہ جب ہمکو علیؓ کا فتوے ملجائے

تو کسی اور چیز کی ضرورت نہیں "

عبداللہ بن مسعود بھی حدیث و فقہ دونوں میں کامل تھے رسول اللہ کے ساتھ جسقدر جلوت و خلوت میں ہمدم و ہمراز رہے بہت کم لوگ رہے ہونگے صحیح مسلم میں ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ ہم یمن سے آئے اور کچھ دنوں تک (مدینہ) میں رہے ہم نے عبداللہ بن مسعود کو رسول اللہ کے پاس اس کثرت سے آتے جاتے دیکھا کہ قرآن مجید میں کوئی آیت ایسی نہیں ہے جسکی نسبت میں یہ نہ جانتا ہوں کہ کس باب میں اتری ہے "وہ کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص قرآن مجید کا مجھ سے زیادہ عالم ہوتا تو میں اسکے پاس سفر کر کے جاتا صحیح مسلم میں ہے کہ انھوں نے ایک مجمع میں دعویٰ کیا کہ تمام صحابہ جانتے ہیں کہ میں قرآن کا سب سے زیادہ عالم ہوں شقیق اس جلسہ میں موجود تھے وہ کہتے ہیں کہ "اس واقعہ کے بعد میں اکثر صحابہ کے حلقوں میں شریک ہوا مگر کسی کو عبداللہ بن مسعود کے دعویٰ کا منکر نہیں پایا۔

عبداللہ بن مسعود باقاعدہ طور پر حدیث و فقہ کی تعلیم دیتے تھے اور انکی درسگاہ میں بہت سے تلامذہ کا مجمع رہتا تھا جن میں سے چند شخص یعنی۔ اسود۔ عبیدہ۔ حارث۔ علقمہ نہایت نامآور ہوئے علقمہ رسول اللہ کی زندگی میں پیدا ہوئے تھے اور حضرت عمرؓ۔ عثمانؓ۔ علیؓ۔ عائشہؓ۔ سعدؓ۔ حذیفہؓ۔ خالد بن الولیدؓ۔ خبابؓ اور بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کیں خاصکر عبداللہ بن مسعود کی صحبت میں اس التزام سے رہے تھے اور انکے طور و طریقہ کے اس قدر قدم بقدم چلتے تھے کہ لوگوں کا قول تھا کہ "جس نے علقمہ کو دیکھ لیا اس نے عبداللہ بن مسعود کو دیکھ لیا" خود عبداللہ بن مسعود کا قول تھا کہ "جس قدر علقمہ کی معلومات ہیں میری معلومات اس سے زیادہ نہیں ہیں" اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ صحابہ ان سے مسائل دریافت کرنے آتے تھے عبداللہ بن مسعود کے شاگردوں میں اگر کوئی شخص علقمہ کا ہمسر تھا تو اسود تھے۔

ابراہیم نخعی

علقمہ و اسود کے انتقال کے بعد ابراہیم نخعی مسندنشین ہوئے۔ اور فقہ کو بہت کچھ وسعت دی یہانتک کہ انکو فقیہہ العراق کا لقب ملا۔ علم حدیث میں انکا یہ پایہ تھا کہ صیرفی الحدیث کہلاتے تھے امام شعبی نے جو عامۃ التابعین کے لقب سے ممتاز ہیں انکی وفات کے وقت کہا کہ "ابراہیم نے کسی کو نہیں چھوڑا جو ان سے زیادہ عالم اور فقیہہ ہو" اسپر ایک شخص نے تعجب سے پوچھا کہ کیا حسن بصری۔ اور ابن سیرین بھی، شعبی نے کہا حسن بصری اور ابن سیرین پر کیا ختم ہے۔ بصرہ۔ کوفہ۔ شام حجاز میں کوئی شخص ان سے زیادہ عالم نہیں رہا ابراہیم نخعی کے عہد میں مسائل فقہ کا ایک مختصر مجموعہ تیار ہو گیا تھا جسکا ماخذ حدیث نبوی اور حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود کے فتوے تھے۔ یہ مجموعہ گو مرتب طور پر قلمبند نہیں کیا گیا لیکن انکے شاگردوں کو اسکے مسائل زبانی یاد تھے سب سے زیادہ یہ مجموعہ حماد کے پاس جمع تھا جو ابراہیم کے تلامذہ میں نہایت ممتاز تھے۔ چنانچہ انکے مرنے کے بعد

فقہ کی سند خلافت بھی انہیں کو ملی۔ حماد نے گو فقہ کو چنداں ترقی نہیں دی لیکن وہ ابراہیم کے مجموعہ فقہ کے
بہت بڑے حافظ تھے۔ حماد نے سنہ ۱۲۰ھ ہجری میں قضا کی اور لوگوں نے انکی جگہ امام ابو حنیفہ کو فقہ کی سند
پر بٹھایا۔

امام ابو حنیفہ کو فقہ کی تدوین کا خیال کیونکر پیدا ہوا

امام صاحب کے زمانہ تک اگرچہ فقہ کے معتدبہ مسائل مدون ہو چکے تھے لیکن اولاً تو یہ تدوین صرف
زبانی روایت روایت تھی۔ دوسرے جو کچھ تھا فن کی حیثیت سے نہ تھا نہ استنباط و استدلال کے قواعد قرار
پائے تھے نہ احکام کی تفریع کے اصول منضبط تھے نہ حدیثوں میں امتیاز مراتب تھا اور شبہ النظیر علی النظیر
کے قاعدے مقرر تھے مختصر یہ کہ فقہ جزئیات مسائل کا نام تھا اور اسکو قانون کے رتبہ تک پہنچانے کیلئے
بہت سے زینے باقی تھے تاریخ سے اس بات کا پتہ لگانا مشکل ہے کہ امام ابو حنیفہ کو خاص کس وجہ سے
فقہ کی تدوین کا خیال پیدا ہوا قلائد عقود العقیان کے مصنف نے کتاب الانموذج القتال سے اسکا ایک
قصہ نقل کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ دو شخص حمام میں نہانے گئے اور حمامی کے پاس کچھ امانت رکھتے گئے ایک
ان میں سے نہا کر نکلا اور حمامی سے امانت طلب کی اس نے دیدی یہ لیکر چلتا بنا۔ دوسرا حمام سے
باہر آیا اور امانت مانگی تو اس نے عذر کیا کہ میں نے تمہارے شریک کو حوالہ کر دی۔ اس نے عدالت
میں استغاثہ کیا۔ قاضی صاحب نے حمامی کو ملزم ٹھہرایا کہ جب دونوں نے ملکر تیرے پاس امانت رکھی تھی تو
تجکو ضرور تھا کہ دونوں کی موجودگی میں واپس کرتا۔ حمامی گھبرایا ہوا امام ابو حنیفہ کے پاس آیا۔ امام صاحب نے کہا
کہ تم جاکر اس شخص سے کہو کہ میں تمہاری امانت ادا کرنے کے لئے تیار ہوں لیکن قاعدہ کے موافق تنہا تمکو
نہیں دے سکتا شریک کو لاؤ تو لیجاؤ۔ اس واقعہ کے بعد امام صاحب کو فقہ کی تدوین کا خیال پیدا ہوا۔ اور
اس کی ترتیب شروع کی۔

ممکن ہے کہ یہ واقعہ صحیح ہو لیکن اس خیال کے پیدا ہونے کے اصلی اسباب اور تھے یہ امر تاریخوں سے
ثابت ہے کہ امام صاحب کو تدوین فقہ کا خیال قریباً سنہ ۱۲۰ھ میں پیدا ہوا یعنی جب انکے استاد حماد نے وفات
پائی یہ وہ زمانہ ہے کہ اسلام کا تمدن نہایت وسعت پکڑ گیا تھا عبادات اور معاملات کے متعلق اس کثرت
سے واقعات پیدا ہو گئے تھے اور ہوتے جاتے تھے کہ ایک مرتب مجموعہ قانون کے بغیر کسی طرح کام نہیں چل
سکتا تھا نیز سلطنت کی وسعت اور دوسری قوموں کے میل جول سے تعلیم و تعلم نے اس قدر وسعت حاصل
کر لی تھی کہ زبانی سند و روایت اسکا تحمل نہیں کر سکتی تھی ایسے وقت پر قدرتی طور پر لوگوں کے دل میں خیال آیا
ہوگا کہ ان جزئیات کو اصول کے ساتھ ترتیب دیکر ایک فن بنا دیا جائے۔

امام ابو حنیفہ کی طبیعت مجتہدانہ اور غیر معمولی طور پر قیاسانہ واقع ہوئی تھی اس کے ساتھ تجارت

کی وسعت اور ملکی تعلقات نے انکو معاملات کی ضرورتوں سے خبردار کردیا تھا۔ اطراف بلاد سے ہر روز جو سینکڑوں ضروری استفتا آتے تھے اسنے انکو اندازہ ہوتا تھا کہ ملک کو اس فن کی کس قدر حاجت ہے قضاۃ اور حکام فصل قضایا میں جو غلطیاں کرتے تھے۔ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔

غرض یہ اسباب اور وجوہ تھے جنہوں نے انکو اس فن کی تدوین و ترتیب پر آمادہ کیا۔ ممکن ہے کہ کسی خاص واقعہ سے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اس آمادگی کو اور تحریک ہوئی جسکے ساتھ عملی کوشش کا ظہور ہوا۔

امام صاحب نے جس طریقہ سے فقہ کی تدوین کا ارادہ کیا وہ نہایت وسیع اور پرخطر کام تھا اس لئے انھوں نے اتنے بڑے کام کو اپنی ذاتی رائے اور معلومات پر منحصر کرنا نہیں چاہا اس غرض سے انھوں نے اپنے شاگردوں میں سے چند نامور شخص انتخاب کئے جنمیں سے اکثر خاص خاص فنون میں جو تکمیل فقہ کے لئے ضروری تھے استادِ زمانہ تسلیم کئے جاتے تھے۔ مثلاً یحییٰ بن ابی زائدہ حفص بن غیاث قاضی ابو یوسف داؤد الطائی۔ حبان۔ مندل۔ حدیث و آثار میں نہایت کمال رکھتے تھے امام زفر استنباط میں مشہور تھے۔ قاسم بن معن اور امام محمد کو ادب اور عربیت میں کمال تھا امام صاحب نے ان لوگوں کی شرکت سے ایک مجلس مرتب کی اور باقاعدہ طور سے فقہ کی تدوین شروع ہوئی امام طحاوی نے بسند متصل اسد بن فرات سے روایت کی ہے کہ ابو حنیفہ کے تلامذہ جنہوں نے فقہ کی تدوین کی چالیس تھے جنمیں یہ لوگ زیادہ ممتاز تھے۔ ابو یوسف۔ زفر۔ داؤد الطائی۔ اسد بن عمرو۔ یوسف بن خالد التیمی۔ یحییٰ بن ابی زائدہ۔ امام طحاوی نے یہ بھی روایت کی ہے کہ لکھنے کی خدمت یحییٰ سے متعلق تھی۔ اور وہ تیس برس تک اس خدمت کو انجام دیتے رہے۔ اگر یہ صحیح ہے کہ اس کام میں کم و بیش تیس برس کا زمانہ صرف ہوا یعنی سنہ ۱۲۱ھ ہجری سے ۱۵۰ھ جو امام ابو حنیفہ کی وفات کا سال ہے لیکن یہ غلط ہے کہ یحییٰ شروع سے اس کام میں شریک تھے یحییٰ سنہ ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ اس لئے وہ شروع سے کیونکر شریک ہوسکتے تھے طحاوی نے جن لوگوں کے نام گنائے ہیں انکے سوا عافیہ ازدی ابو علی عزوی علی مسہر قاسم بن معن۔ حبان۔ مندل۔ بھی اس مجلس کے ممبر رہے تھے۔

تلامذہ جو فقہ کی تدوین میں شریک تھے

تدوین کا طریقہ یہ تھا کہ کسی خاص باب کا کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا تھا اگر اسکے جواب میں سب لوگ متفق الرائے ہوتے تو اسی وقت قلمبند کر لیا جاتا ورنہ نہایت آزادی سے بحثیں شروع ہوتیں کبھی کبھی بہت دیر تک بحث قائم رہتی امام صاحب بہت غور اور تحمل کے ساتھ سب کی تقریریں سنتے اور بالآخر ایسا جچا تلا فیصلہ کرتے کہ سب کو تسلیم کرنا پڑتا کبھی ایسا بھی ہوتا کہ امام صاحب کے فیصلہ کے بعد بھی لوگ اپنی اپنی رایوں پر قائم رہتے۔ اسوقت وہ سب مختلف اقوال قلمبند کر لئے جاتے اس کا التزام تھا کہ جب تک تمام شرکائے جلسہ جمع نہولیں کسی مسئلہ کو طے نہ کیا جائے۔

تدوین کا طریقہ

جواہر مضیئہ کے مصنف نے عافیہ بن یزید کے تذکرے میں اسحٰق سے روایت کی ہے کہ امام ابو حنیفہ کے

اصحاب کسی مسئلہ میں بحث کرتے ہوتے اور عافیہ موجود ہوتے تو امام صاحب فرماتے کہ عافیہ کو آلینے دو جب
وہ آلیتے اور اتفاق کرتے تب وہ مسئلہ درج تحریر کیا جاتا اس طرح تیس برس کی مدت میں یہ عظیم الشان کام انجام کو
پہونچا امام صاحب کی اخیر عمر قید خانہ میں گذری وہاں بھی یہ کام برابر جاری رہا۔

اس مجموعہ کا رواج

اس مجموعہ کی ترتیب جیسا کہ حافظ ابو المحاسن نے بیان کی ہے یہ تھی اول باب الطہارۃ باب الصلوۃ
باب الصوم پھر عبادات کے اور ابواب اس کے بعد معاملات سب کے اخیر میں باب المیراث۔

امام صاحب کی زندگی ہی میں اس مجموعہ نے وہ حسن قبول حاصل کیا کہ اسوقت کے حالات کے لحاظ سے
مشکل سے قیاس میں آسکتا ہے جسقدر اسکے اجزا تیار ہوتے جاتے تھے ساتھ ہی ساتھ تمام ملک میں اس کی
اشاعت ہوتی جاتی تھی امام صاحب کا درس گاہ ایک قانونی مدرسہ تھا جسکے طلبا نہایت کثرت سے ملکی
عہدوں پر مامور ہوتے۔ اور انکی آئین حکومت کا یہی مجموعہ تھا تعجب یہ ہے کہ جن لوگوں کو امام صاحب
سے ہمسری کا دعوی تھا وہ بھی اس کتاب سے بے نیاز نہ تھے۔ امام سفیان ثوری نے بڑے لطائف
الحیل سے کتاب الرہن کی نقل حاصل کی اور اسکو اکثر پیش نظر رکھتے تھے زائدہ کا بیان ہے کہ میں نے
ایک دن سفیان کے سرہانے ایک کتاب دیکھی جسکا وہ مطالعہ کر رہے تھے انسے اجازت مانگ کر میں
اسکو دیکھنے لگا تو ابوحنیفہ کی کتاب الرہن نکلی۔ میں نے تعجب سے پوچھا کہ آپ ابوحنیفہ کی کتابیں دیکھتے
ہیں،، ... وہ بولے کاش۔ انکی سب کتابیں میرے پاس ہوتیں۔

یہ بھی کچھ کم تعجب کی بات نہیں کہ باوجودیکہ اسوقت بڑے بڑے مدعیان فن موجود تھے اور ان میں
بعض امام ابوحنیفہ سے مخالفت بھی رکھتے تھے۔ تاہم کسیکو اس کتاب کی رد و قدح کی جرات نہیں ہوتی
امام رازی مناقب الشافعی میں لکھتے ہیں ان اصحاب الرای اظہروا مذہبہم وکانت الدنیا مملوۃ من
المحدثین ورواۃ الاخبار ولم یقدر احد منہم الطعن فی اقاویل اصحاب الرای یعنی اصحاب الرائے
(ابوحنیفہ اور انکے تلامذہ) نے اپنے مسائل جس زمانہ میں ظاہر کئے دنیا محدثین اور راویان اخبار سے بھری ہوئی
تھی تاہم کسیکو یہ قدرت نہوئی کہ انکے قول پر اعتراض کرتا۔ امام رازی نے تو عام نفی کی ہے لیکن ہمکو زیادہ
استقصاء سے معلوم ہوا کہ اس عموم میں ایک استثنا ہے۔ کیونکہ بیہقی نے تصریح کی ہے کہ امام اوزاعی نے
ابوحنیفہ کی کتاب السیر کا رد لکھا تھا جسکا جواب قاضی ابو یوسف نے لکھا۔

غالبا یہ مجموعہ بہت بڑا مجموعہ تھا اور ہزاروں مسائل پر مشتمل تھا۔ قلائد عقود العقیان کے مصنف نے
کتاب الصیانۃ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے جسقدر مسائل مدون کئے انکی تعداد بارہ لاکھ نوے ہزار
سے کچھ زیادہ ہے، شمس الائمہ کردری نے لکھا ہے کہ ،، یہ مسائل چھ لاکھ تھے ،، یہ خاص تعداد شاید صحیح نہ

لیکن کچھ شبہ نہیں کہ انکی تعداد لاکھوں سے کم نہ تھی امام محمد کی جو کتابیں آج موجود ہیں انسے اسکی تصدیق ہو سکتی ہے

اگرچہ اسمیں کسی طرح شبہ نہیں ہو سکتا کہ امام ابو حنیفہ کی زندگی ہی میں فقہ کے تمام ابواب مرتب ہو گئے تھے۔ رجال و تاریخ کی کتابوں میں اس کا ثبوت ملتا ہے جسکا انکار گویا تواتر کا انکار ہے لیکن افسوس ہے کہ وہ مجموعہ ایک مدت سے ضائع ہو گیا ہے اور دنیا کے کسی کتب خانہ میں اسکا پتہ نہیں چلتا امام رازی مناقب الشافعی میں لکھتے ہیں کہ ابو حنیفہ کی کوئی تصنیف باقی نہیں رہی" امام رازی نے ۶۰۶ھ میں انتقال کیا اس لحاظ سے کم از کم چھ سو برس ہوتے کہ امام صاحب کی تصنیفات ناپید ہو چکیں امام صاحب کی تصنیفات کا ضائع ہو جانا اگرچہ کچھ محل تعجب نہیں۔ اس عہد کی ہزاروں کتابیں ہیں سے آج ایک کا بھی وجود نہیں امام اوزاعی ابن جریج ابن عروب۔ حماد بن ابی سعم۔ انکی تالیفات عین اسی زمانہ میں شائع ہوئیں جب امام ابو حنیفہ کا دفتر فقہ مرتب ہو رہا تھا تاہم ان کتابوں کا نام بھی کوئی نہیں جانتا لیکن امام ابو حنیفہ کی تصنیفات کی گم شدگی کی ایک خاص وجہ ہے امام صاحب کا مجموعہ فقہ اگرچہ بجائے خود مرتب اور خوش اسلوب تھا لیکن قاضی ابو یوسف و امام محمد نے انھیں مسائل کو اس توضیح و تفصیل سے لکھا۔ اور ہر مسئلہ پر استدلال و برہان کے ایسے حاشیے اضافہ کئے کہ انھیں کو رواج عام ہو گیا اور اصل ماخذ سے لوگ بے پروا ہو گئے ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ متاخرین نحویوں کی تصنیفات کے بعد۔ فرا۔ کسائی۔ خلیل۔ اخفش۔ ابو عبیدہ کی کتابیں دنیا سے بالکل ناپید ہو گئیں۔ حالانکہ یہ لوگ فن نحو کے بانی اور مدون اول تھے۔

امام صاحب کے مسائل کا آج جو ذخیرہ دنیا میں موجود ہے وہ امام محمد۔ اور قاضی ابو یوسف کی تالیفات ہیں جنکے نام اور مختصر حالات ان بزرگوں کے ترجمہ میں ہم لکھیں گے۔

امام صاحب کے زمانہ میں جو مجموعہ فقہ مرتب ہوا تھا وہ معلوم نہیں

یہ فقہ اگرچہ عام طور سے فقہ حنفی کہلاتی ہے لیکن درحقیقت وہ چار شخصوں یعنی امام ابو حنیفہ۔ زفر قاضی ابو یوسف امام محمد کی رایوں کا مجموعہ ہے۔ قاضی ابو یوسف و امام محمد نے بہت سے مسائل میں امام ابو حنیفہ کی رائے سے اختلاف کیا ہے۔ فقہا حنفیہ نے روایتیں نقل کی ہیں کہ ان صاحبوں کو اعتراف تھا کہ وہ ہم نے جو اقوال امام ابو حنیفہ کے مخالف کہے وہ بھی امام ابو حنیفہ ہی کے اقوال تھے کیونکہ بعض مسئلوں میں امام ابو حنیفہ نے متعدد اور مختلف رائیں ظاہر کی تھیں" یہ روایتیں شامی وغیرہ میں مذکور ہیں لیکن انکا ثابت ہونا مشکل ہے ہمارے نزدیک یہ ان فقہا کا حسن ظن ہے قاضی ابو یوسف و امام محمد اجتہاد مطلق کا منصب رکھتے تھے اور انکو اختلاف کا پورا حق حاصل تھا۔ اسلام کی ترقیاں اسی وقت تک رہیں کہ لوگ باوجود حسن عقیدت کے بزرگوں اور استادوں کی رائے سے علانیہ مخالفت کرتے تھے۔ اور خیالات کی ترقی محدود نہ تھی۔

یہ مسائل جو فقہ حنفی کے نام سے موسوم ہیں نہایت تیزی سے تمام ملک میں پھیل گئے۔ عرب میں تو چنداں

ان مسائل کو رواج ہوا، کیونکہ مدینہ میں امام مالک اور مکہ میں اور ائمہ انکے حریف مقابل موجود تھے۔ لیکن عرب کے سوا تمام ممالک اسلامی میں جن کی وسعت سندھ سے ایشیائے کوچک تک تھی عموماً انہیں کا طریقہ جاری ہو گیا۔ ہندوستان سندھ کابل بخارا۔ وغیرہ میں تو انکے اجتہاد کے سوا کسی کا اجتہاد تسلیم ہی نہیں کیا جاتا۔ دوسرے ممالک میں گو شافعی و حنبلی فقہ کا رواج ہوا لیکن فقہ حنفی کو دبا نہیں سکا البتہ بعض ملکوں میں وہ بالکل معدوم ہو گیا۔ اور اس کے خاص اسباب تھے مثلاً افریقہ میں ۴۰۰ھ تک امام ابو حنیفہ کا طریقہ تمام طریقوں پر غالب تھا لیکن معز بن بادیس نے ۴۰۷ھ میں جب وہاں کی مستقل حکومت حاصل کی تو حکومت کے زور سے تمام ملک میں مالکی فقہ کو رواج دیدیا کہ آجتک قائم ہے[1]

ایک خاص بات یہ ہے کہ عنان حکومت جن لوگوں کے ہاتھ میں رہی وہ اکثر حنفی ہی فقہ کے پابند تھے خلفائے عباسیہ تو اس بحث سے خارج ہیں۔ کیونکہ یہ خاندان جب تک اوج پر رہا۔ یہ لوگ تلوار کے ساتھ قلم کے بھی مالک رہے یعنی انکو خود دعوی اجتہاد تھا اور کبھی کسی کی تقلید نہیں کی۔ تنزل کے بعد وہ اس قابل ہی نہیں رہے کہ انکے حالات سے کسی ملکی اثر کا اندازہ کیا جائے تاہم ان میں اگر کسی نے تقلید گوارا کی تو ابو حنیفہ ہی کی کی۔ عبداللہ بن المعتز جو فن بدیع کا موجد تھا اور خلفاے عباسیہ میں سب سے بڑا شاعر اور ادیب تھا حنفی المذہب تھا۔

عباسیہ کے تنزل کے ساتھ جن خاندانوں کو عروج ہوا اکثر حنفی تھے خاندان سلجوق جس نے ایک وسیع مدت تک حکومت کی اور جنکے دائرہ حکومت کی وسعت طول میں کاشغر سے بیت المقدس تک اور عرض میں قسطنطنیہ سے بلاد خزر تک پہنچی تھی حنفی تھا۔ محمود غزنوی جسکے نام سے ہندوستان کا بچہ بچہ واقف ہے فقہ حنفی کا بہت بڑا عالم تھا فن فقہ میں اسکی ایک نہایت عمدہ تصنیف موجود ہے جسکا نام التفرید ہے اور جسمیں کم و بیش ساٹھ ہزار مسئلے ہیں نور الدین زنگی کا نام چھپا ہوا نہیں ہے وہ ہمارے ہیروز میں داخل ہے بیت المقدس کی لڑائیوں میں اول اسی نے نام حاصل کیا۔ صلاح الدین فاتح بیت المقدس اسی کے دربار کا ملازم تھا۔ دنیا میں پہلا دار الحدیث اسی نے قائم کیا۔ اگرچہ وہ شافعی و مالکی فقہ کی بھی عزت کرتا تھا۔ وہ خود اور اس کا تمام خاندان مذہباً حنفی تھا[2]۔ صلاح الدین خود شافعی تھا لیکن اس کے خاندان میں بھی حنفی المذہب موجود تھے۔ الملک المعظم عیسی بن الملک العادل جو ایک وسیع ملک کا بادشاہ تھا۔ علامہ ابن خلکان اس کے حالات میں لکھتے ہیں کہ وہ نہایت عالی ہمت۔ فاضل۔ ہوشمند و دلیر پر رعب تھا۔ اور حنفی مذہب میں غلو رکھتا تھا جراکسہ مصر جو نویں صدی کے آغاز میں مصر کی حکومت پر پہنچے اور ۴۰ ۱۳ برس تک

---

[1] تاریخ ابن خلکان ترجمہ معز بن بادیس ۱۲ [2] الجواہر المضیئہ ترجمہ نور الدین زنگی ۱۲

فرمانروا رہے اور بہت سی فتوحات حاصل کیں خود حنفی تھے۔ اور انکے دربار میں اسی مذہب کو زیادہ فروغ تھا سلاطین ترک جو کم و بیش چھ سو برس سے روم کے فرمانروا ہیں اور آج انہیں کی سلطنت اسلام کی عزت و وقار کی امیدگاہ ہے عموماً حنفی تھے۔ خود ہمارے ہندوستان کے فرمانروا خوانین اور آل تیمور اسی مذہب کے پابند رہے اور انکی وسیع سلطنت میں اس طریقہ کے سوا اور کسی طریقہ کو رواج نہ ہو سکا۔

بعضوں کا خیال ہے کہ حنفی مذہب کو جو قبول عام حاصل ہوا وہ حکومت کے صدقہ سے ہوا۔ ابن حزم جو ارباب ظاہر کے مشہور امام ہیں۔ انکا قول ہے کہ دو مذہبوں نے سلطنت کے زور سے ابتدا ہی میں رواج عام حاصل کیا ایک ابوحنیفہ کا مذہب کیونکہ جب قاضی ابو یوسف کو قاضی القضاۃ کا منصب ملا تو انھوں نے حنفی لوگوں کو عہدۂ قضا پر مقرر کیا۔ دوسرا امام مالک کا مذہب اندلس میں۔ کیونکہ امام مالک کے شاگرد یحییٰ صمودی خلیفہ اندلس کے نہایت مقرب تھے اور کوئی شخص بے انکے مشورے کے عہدۂ قضا پر مقرر نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ صرف اپنے ہم مذہبوں کو مقرر کراتے تھے[1]۔

لیکن یہ ابن حزم کی ظاہر بینی ہے۔ امام ابوحنیفہ ۱۲۰ھ میں مسند اجتہاد پر بیٹھے قاضی ابو یوسف نے ۱۷۰ھ کے بعد قاضی القضاۃ کا منصب حاصل کیا۔ کیونکہ انکے تقرر اور عروج کا زمانہ ہارون رشید کے عہد سے شروع ہوتا ہے جو ۱۷۰ھ میں تخت نشین ہوا تھا۔ قاضی ابو یوسف کے فروغ سے پہلے پچاس برس کا زمانہ گزر چکا تھا جسمیں امام ابوحنیفہ کے مذہب نے قبول عام حاصل کر لیا تھا۔ اور انکے سیکڑوں شاگرد قضا کے عہدوں پر مامور ہو چکے تھے اس کامیابی کو کس کی طرف منسوب کیا جائے؟ یہ ضرور ہے کہ قاضی ابو یوسف کی وجہ سے امام صاحب کے مسائل کو اور زیادہ عروج ہوا لیکن مذہب حنفی کا اصلی عروج قاضی صاحب کی کوششوں کا محتاج نہ تھا امام رازی نے باوجود مخالفت کے تسلیم کیا ہے کہ ثم انہ لما قوی مذهب اصحاب الرای واشتهر واعظم وقعة فی القلوب ثم اتفق اتصال ابی یوسف و محمد بخدمة هرون الرشید عظمت تلک القوم جدا لان العلم والسلطنة حصلا معا،، یعنی اصحاب الرائے کا مذہب قوی ہو گیا ہے۔ اور شہرت پکڑ گیا اور اسکی وقعت دلوں میں بہت ہو گئی پھر اسکے بعد ابو یوسف و محمد کو ہارون الرشید کے دربار میں رسائی حاصل ہوئی تو یہ قوت بہت ہی زیادہ بڑھ گئی کیونکہ علم اور حکومت دونوں مجتمع ہو گئے۔

اسکے علاوہ قاضی ابو یوسف کا اثر ہارون الرشید کے زمانہ تک محدود تھا۔ دیرپا اور غیر منقطع کامیابی کس نے پیدا کی؟ یوں تو بعض اور ائمہ نے بھی اپنے عہد میں نہایت رسوخ حاصل کیا تھا۔ امام اوزاعی اپنی

[1] ابن حزم کے اس قول کو علامہ ابن خلکان نے یحییٰ صمودی کے ترجمہ میں نقل کیا ہے ۱۲

زندگی میں بلکہ زمانہ مابعد تک بھی تمام شام کے امام مطلق تسلیم کئے گئے اور ان ممالک میں لوگ عموماً انہیں کی تقلید کرتے تھے لیکن وہ ایک محدود اثر تھا جو بہت جلد جاتا رہا۔ ان واقعات سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے مذہب میں ایسی خاص خوبیاں ہیں جو اور مذہبوں میں نہیں۔

اور مجتہدین کے رواج مذہب کے اسباب

تمام ممالک اسلامی میں جن ائمہ کی فقہوں نے رواج پایا وہ صرف چار ہیں۔ ابوحنیفہ۔ مالک شافعی احمد حنبل۔ مسائل فقہ کی ترویج و اشاعت کا سبب۔ اگرچہ خود ان مسائل کی خوبی و عمدگی ہے لیکن کچھ شبہہ نہیں کہ اس امر میں واضع فقہ کی ذاتی رسوخ۔ اور عظمت کو بھی بہت کچھ دخل ہے۔ ہمارے نزدیک امام ابوحنیفہ کے سوا۔ اور مجتہدین فقہ کی ترویج و اشاعت کا باعث زیادہ تر انکی ذاتی خصوصیتیں تھیں مثلاً امام مالکؒ مدینہ کے رہنے والے تھے جو نبوت کا مرکز اور خلفائے راشدین کا دارالخلافہ رہ چکا تھا۔ اس تعلق سے لوگوں کو عموماً مدینہ اور ارباب مدینہ کے ساتھ خلوص و عقیدت تھی۔ انکا خاندان ایک علمی خاندان تھا انکے دادا۔ مالک بن ابی عامر نے بڑے بڑے صحابہ سے حدیثیں سیکھی تھیں انکے چچا شیخ الحدیث تھے امام مالک نے جب حدیث و فقہ میں کمال پیدا کیا تو یہ عارضی اوصاف انکی ذاتی قابلیت پر طرہ بنکر نمایاں ہوئے اور تمام اطراف و دیار میں انکی شہرت کا سکہ جم گیا۔ امام شافعی کو اور بھی خصوصیتیں حاصل تھیں مکہ معظمہ وطن تھا۔ باپ کیطرف سے قریشی اور مطلبی اور ماں کی طرف سے ہاشمی تھے انکا تمام خاندان ہمیشہ سے معزز و ممتاز چلا آتا تھا ان کے پردادا سائب جنگ بدر میں ہاشمیوں کے علم بردار تھے اور گرفتار ہوکر اسلام لائے تھے۔ مکہ معظمہ کی ولادت خاندان کا اعزاز۔ رسول اللہ کے ہم نسبی۔ ایسی چیزیں تھیں جنسے بڑھکر حسن قبول اور مرجعیت کے لئے کوئی کارگر آلہ نہیں ہوسکتا تھا۔ امام ابوحنیفہ میں اس قسم کی کوئی خصوصیت نہ تھی۔ قریشی اور ہاشمی ہونا تو ایک طرف وہ عربی النسل بھی نہ تھے خاندان میں کوئی شخص ایسا نہیں گزرا تھا جو اسلامی گروہ کا مرجع اور مقتدا ہوتا آبائی پیشہ تجارت تھا اور خود بھی تمام عمر اسی ذریعہ سے زندگی بسر کی۔ کوفہ جو انکا مقام ولادت تھا گو دارالعلم تھا لیکن مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کا ہمسر کیونکر ہوسکتا تھا۔ بعض اتفاقی اور ناگزیر اسباب سے ارباب روایت کا ایک گروہ انکی مخالفت پر کمربستہ تھا غرض حسن قبول اور عام اثر کے لئے جو اسباب درکار ہیں وہ بالکل نہ تھے باوجود اسکے انکی فقہ کا تمام ممالک اسلامیہ میں اس وسعت اور ترقی کے ساتھ رواج پانا یقیناً اس بات کی دلیل ہے کہ انکا طریقہ فقہ انسانی ضرورتوں کے نہایت مناسب اور موزوں واقع ہوا تھا۔ اور بالخصوص تمدن کے ساتھ جس قدر انکی فقہ کو مناسبت تھی کسی فقہ کو نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اور ائمہ کے مذہب کو زیادہ تر انہیں ملکوں میں رواج ہوا جہاں تہذیب و تمدن نے زیادہ ترقی نہیں کی تھی۔ علامہ ابن خلدون اس بات کی وجہ یہ بتاتے ہیں

کہ مغرب اندلس میں بدویت غالب تھی اور وہاں کے لوگوں نے وہ ترقی نہیں حاصل کی تھی جو اہل عراق نے حاصل کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان ممالک میں امام مالکؒ کی فقہ کے سوا اور کسی فقہ کو فروغ نہ ہوسکا۔"

حنفی فقہ جس میں امام ابوحنیفہ کے علاوہ انکے نامور شاگردوں کے مسائل بھی شامل ہیں اس زمانہ کا بہت بڑا قانون بلکہ بہت بڑا مجموعہ قوانین تھا۔ زمانہ مابعد میں گو علمائے حنفیہ نے اسپر بہت کچھ اضافہ کیا۔ اور جزئیات کی تفریع کے ساتھ اصول فن کو نہایت ترقی دی لیکن ایجاد کے زمانہ میں جس قدر کسی فن کی حالت ہوسکتی ہے۔ وہ اس سے زیادہ نہیں ہوسکتی جو امام ابوحنیفہ کے عہد میں فقہ کو حاصل ہوچکی تھی اس مجموعہ میں عبادات کے علاوہ دیوانی فوجداری تعزیرات۔ لگان۔ مالگزاری۔ شہادت معاہدہ وراثت وصیت اور بہت سے قوانین شامل تھے اسکی وسعت اور خوبی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ہارون الرشید اعظم کی وسیع سلطنت جو سندھ سے ایشیائے کوچک تک پھیلی ہوئی تھی انھیں اصول پر قائم تھی اور اس عہد کے تمام واقعات ومعاملات انھیں قواعد کی بنا پر فیصل ہوتے تھے۔

مسائل فقہ کی تقسیم

یہ قانون جسکو فقہ کہتے ہیں دو قسم کے مسائل پر مشتمل ہے اور اس لحاظ سے اسکے واضع کی دو مختلف حیثیتیں ہیں۔

(۱) وہ مسائل جو شریعت سے ماخوذ ہیں۔ اور تشریعی احکام کہے جاسکتے ہیں۔ (۲) وہ احکام جنسے شریعت نے سکوت کیا ہے اور جو تمدن اور معاشرت کی ضرورتوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ یا جنکا ذکر شریعت میں ہے لیکن تشریعی طور پر نہیں۔

پہلی قسم کے مسائل کے لحاظ سے فقیہ کی حیثیت شارح اور مفسر کی حیثیت ہے اور اس اعتبار سے اسکے لیئے جس قسم کی قابلیت درکار ہے وہ مہارت زبان واقفیت نصوص۔ قوت استنباط۔ توفیق متعارضات ترجیح دلائل ہے۔ دوسری قسم کے احکام کے لحاظ سے واضع فقہ ایک مقنن کی حیثیت رکھتا ہے اور اس لحاظ سے اسکی قابلیت اس رتبہ کی ہونی چاہیئے جیسی کہ دنیا کے اور مشہور مقننوں کی تھی۔ یہ دونوں حیثیتیں ایک دوسرے سے ممتاز ہیں۔ اسلام میں بہت سے نامور گزرے ہیں جو مقنن اور واضع قانون تھے لیکن نصوص شرعی کے مفسر نہیں کہے جاسکتے تھے۔ جہانتک ہماری واقفیت ہے اسلام کے اس وسیع دور میں قدرت نے یہ دونوں قابلیتیں جس اعلیٰ درجہ پر امام ابوحنیفہ میں جمع کردی تھیں کسی مجتہد یا امام میں جمع نہیں ہوئیں۔ علم فقہ کے متعلق سب سے بڑا کام جو امام صاحب نے کیا وہ تشریعی اور غیر تشریعی احکام میں امتیاز قائم کرنا تھا۔

شارع علیہ السلام کے اقوال وافعال جو سلسلہ روایت سے منضبط کیئے گیئے ان میں بہت سے

ایسے امور تھے جنکو منصب رسالت سے کچھ تعلق نہ تھا لیکن بطور ایک اصطلاح کے ان سب پر حدیث کا لفظ اطلاق کیا جاتا تھا۔ فقہ کی توضیح میں ایک عام اور سخت غلطی یہ ہوئی کہ لوگوں نے ان تمام امور کو شرعی حیثیت پر محمول کیا اور اس خیال سے انپر مسائل اور احکام کی بنیاد قائم کی۔ حالانکہ وہ حدیثیں منصب شریعت سے علاقہ نہیں رکھتی تھیں شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ آنحضرت سے جو کچھ روایت کیا گیا ہے اور کتب حدیث میں اسکی تدوین ہوئی اسکی دو قسمیں ہیں۔

(۱) جو تبلیغ رسالت سے تعلق رکھتا ہے اور اسی بارہ میں یہ آیت اتری ہے مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا یعنی پیغمبر جو چیز تمکو دے اسکو اختیار کرو اور جس چیز سے روکے اس سے باز آؤ۔

(۲) جو تبلیغ رسالت سے متعلق نہیں، چنانچہ انکی نسبت آنحضرت نے ارشاد فرمایا ہے انما انا بشر اذا امرتکم بشئ من دینکم فخذوا بہ واذا امرتکم بشئ من رای فانما انا بشر یعنی میں ایک آدمی ہوں جب میں کوئی مذہبی حکم دوں تو تم لوگ اسکے پابند ہو اور جب میں اپنی رائے سے کسی بات کا حکم دوں تو میں صرف ایک آدمی ہوں۔ اس دوسری قسم میں وہ حدیثیں ہیں جو آنحضرت نے طب کے متعلق ارشاد کیں اور اسی قسم میں وہ افعال داخل ہیں، جو آنحضرت سے عادتاً صادر ہوئے نہ عبادۃً اور اتفاقاً واقع ہوئے نہ قصداً اور اسی قسم میں وہ حدیثیں داخل ہیں جو آنحضرت نے اپنی قوم کے گمان کے موافق بیان کیں مثلاً ام زرع کی حدیث اور خرافہ کی حدیث اور اسی قسم میں وہ امور داخل ہیں جو آنحضرت نے اس وقت مصلحت جزئی کے موافق اختیار فرمائے اور وہ سب لوگوں پر واجب العمل نہیں ہیں مثلاً فوجوں کی تیاری اور شعار کی تعیین۔ اسی بنا پر حضرت عمر نے فرمایا تھا کہ اب رمل کرنے کی کیا ضرورت ہے جس قوم کے دکھانے کے لئے ہم رمل کرتے تھے انکو خدا نے ہلاک کر دیا، اور آنحضرت کے بہت سے احکام اسی قسم میں داخل ہیں، مثلاً یہ حکم کہ جہاد میں جو شخص کسی کافر کو قتل کرے تو اسکے ہتیار کا مالک بھی وہی ہوگا۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے حدیث کی قسموں میں جو دقیق فرق بیان کیا۔ یہ وہی نکتہ ہے جسکی طرف سب سے پہلے امام ابو حنیفہ کا ذہن منتقل ہوا اسی بنا پر بہت سے مسائل مثلاً غسل جمعہ خروج النسا الی العیدین نفاذ طلاق تعین جزیہ تشخیص خراج تقسیم غنایم۔ وغیرہ میں جو حدیثیں وارد ہیں انکو امام ابو حنیفہ نے دوسری قسم میں داخل کیا ہے لیکن امام شافعی وغیرہ ان حدیثوں کو بھی تشریعی حدیثیں سمجھتے ہیں۔

حنفی فقہ کو بمقابلہ اور فقہوں کے بہت بڑی خصوصیت جو حاصل ہے وہ یہی ہے کہ اسکے مسائل عموماً اسی قاعدے پر مبنی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اسمیں وہ وسعت اور آزادی پائی جاتی ہے جو اور ائمہ کے مسائل میں نہیں پائی جاتی۔ یہ قاعدہ اگرچہ نہایت صاف اور صریح ہے لیکن افسوس ہے کہ اور ائمہ نے اسپر لحاظ نہیں کیا اور اگر خلفائے راشدین کی نظریں موجود نہوتیں تو شاید امام ابو حنیفہ کو بھی اس کے اختیار کرنے کی

جرأت نہوتی اگرچہ امام صاحب کے بعد بھی بعض آئمہ نے جنکو انکے مقابلہ میں اجتہاد کا دعویٰ تھا اس عمدہ اصول کی پیروی نہ کی اور اسی غلط خیال پر قائم رہے لیکن اس میں کون شبہہ کرسکتا ہے کہ امام صاحب کی رائے نہایت صحیح اور نہایت دقیقہ سنجی پر مبنی تھی۔

خلفاے راشدین سے بڑھکر کون احکام شریعت کا نکتہ شناس ہوسکتا ہے انھوں نے کیا کیا؟ حضرت عمرؓ کے آغاز خلافت تک امہات اولاد یعنی وہ لونڈیاں جنسے اولاد ہوچکی ہو عموماً خریدی اور بیچی جاتی تھیں حضرت عمرؓ نے اس رواج کو بالکل روک دیا۔ آنحضرتؐ نے تبوک کے سفر میں غیر مذہب والوں پر جو جزیہ مقرر کیا وہ فی کس ایک دینار تھا حضرت عمرؓ نے ایران میں ۴۸ و ۱۲ و ۲۴ کے حساب سے شرحیں مقرر کیں آنحضرتؐ مال غنیمت جب تقسیم کرتے تھے تو اپنے عزیز و اقارب کا بھی حصہ لگاتے تھے خلفاے راشدین میں سے کسی نے حتی کہ حضرت علیؓ نے بھی ہاشمیوں کو کبھی حصہ نہیں دیا۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں بلکہ حضرت ابو بکرؓ کے عہد تک تین طلاقیں ایک سمجھی جاتی تھیں حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں منادی کرادی کہ تین طلاق طلاق بائن سمجھی جائینگی آنحضرتؐ کے عہد میں شراب پینے کی سزا میں کوئی خاص حد نہیں مقرر ہوئی تھی۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس کے حد چالیس دُرّے قرار دیے۔ اور حضرت عمرؓ نے بسبب اسکے کہ انکے زمانہ میں مے نوشی کا زیادہ رواج ہوچلا تھا چالیس سے اسّی دُرّے کردیے یہ وہ واقعات ہیں جو حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ اور جنکے ثبوت سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا لیکن کیا اسکا یہ مطلب ہو کہ خلفاے راشدین کسی حکم کو آنحضرتؐ کا تشریعی حکم سمجھکر اسکی مخالفت کرتے تھے!! اگر (نعوذ باللہ) ایسا کرتے تھے تو وہ خلفاے راشدین نہ تھے بلکہ (عیاذاً باللہ) رسول اللہؐ کے حریف اور مخالف تھے!!!

حقیقت یہ ہے کہ صحابہ جو رات دن آنحضرت کی خدمت میں حاضر رہتے تھے اور فیض صحبت کی وجہ سے شریعت کے ادا شناس ہوگئے تھے انکو یہ تمیز کرنا نہایت آسان کام تھا کہ کون سے احکام تشریعی حیثیت رکھتے ہیں اور کون سے اس حد میں داخل ہیں جنکی نسبت آنحضرت نے فرمایا کہ انتم اعلم بامور دنیاکم حضرت عائشہؓ نے آنحضرت کی وفات کے بعد ایک موقع پر کہا کہ "آج اگر رسول اللہؐ موجود ہوتے تو عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت نہ دیتے" یہ صریح اسبات کی شہادت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ کی اس اجازت کو تشریعی اور لازمی حکم قرار دیا ورنہ زمانہ اور حالات کے اختلاف سے اسپر کیا اثر پڑسکتا تھا۔

امام ابو حنیفہؒ نے اس مرحلہ میں صحابہ ہی کو دلیل راہ بنایا۔ اور اس قسم کے مسائل میں انکی رائے عموماً

خلفائے راشدین کے طرز عمل کے موافق ہے۔ لیکن جن لوگوں کی نگاہ اس نکتہ تک نہیں پہنچی وہ امام ابوحنیفہ بلکہ صحابہ کو بھی مورد الزام ٹھہراتے ہیں طلاق کے مسئلہ میں قاضی شوکانی نے حضرت عمرؓ کا قول نقل کر کے لکھا ہے کہ رسول اللہ کے مقابلہ میں بیچارے عمر کی کیا حقیقت ہے، لیکن قاضی شوکانی یہ نہ سمجھے کہ حضرت عمر قاضی صاحب سے زیادہ اس بات کو سمجھتے تھے کہ رسول اللہ کے مقابلہ میں انکی کوئی حقیقت نہیں

استنباط احکام کی ابتدا

فقہ کی پہلی قسم کے متعلق۔ امام ابوحنیفہ نے جو بڑا کام کیا وہ قواعد استنباط کا انضباط تھا جس کی وجہ سے مصر جواب تک جزئیات مسائل کا نام تھا) ایک مستقل فن بنگیا۔ امام ابوحنیفہ کی علمی تاریخ میں جو چیز سب سے زیادہ قابل قدر اور تعجب انگیز ہے وہ ان قواعد کی تحدید اور انضباط ہے ایسے زمانہ میں جبکہ علوم نہایت ابتدائی حالت میں تھے یہانتک کہ نقل و کتابت کا بھی رواج نہ تھا ایسے دقیق فن کی بنیاد ڈالنی درحقیقت امام ابوحنیفہ ہی کا کام تھا۔

عام خیال یہ ہے کہ یہ قواعد جنکو اب **اصول فقہ** سے تعبیر کیا جاتا ہے سب سے پہلے امام شافعی نے مرتب کئے یہ دعوی اس لحاظ سے تو صحیح ہے کہ امام شافعی سے پہلے یہ مسائل مستقل طور سے حیز تحریر میں نہیں آئے تھے لیکن اصل فن کی بنیاد۔ امام شافعی سے بہت پہلے پڑ چکی تھی۔ اگر تحریر کی قید اٹھا دی جائے تو امام ابوحنیفہ اسکے موجد کہے جا سکتے ہیں۔

اصل یہ ہے کہ مسائل کا استنباط اور احکام کی تفریع۔ تابعین بلکہ صحابہ ہی کے زمانہ میں شروع ہو چکی تھی لیکن استنباط اور استخراج کا جو طریقہ تھا وہ کوئی علمی صورت نہیں رکھتا تھا جس طرح عام لوگ کسی عبارت سے کسی نتیجہ کا استنباط یا کسی حکم کی تفریع صرف وجدانی مذاق کی روسے کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ انکا استنباط یا تفریع کس قاعدۂ کلیہ کے تحت میں داخل ہے اور اسکے کیا شرائط اور قیود ہیں اسی طرح فقہی مسائل بھی استنباط کئے جاتے تھے ... نہ علمی اصطلاحیں قائم ہوئی تھیں نہ کچھ اصول منضبط ہوئے تھے

واصل بن عطا نے فقہ کے بعض قاعدے بیان کیے۔

بنوامیہ کے اخیر دور میں کچھ کچھ علمی اصطلاحیں پیدا ہوئیں چنانچہ واصل بن عطاء نے جو علم کلام کا موجد تھا احکام شرعیہ کی تقسیم کی اور کہا کہ حق کے ثبوت کے چار طریقے ہیں۔ قرآن ناطق۔ حدیث متفق علیہ اجماع امت عقل و حجت (یعنی قیاس)، واصل نے اور بھی چند مسائل اور اصطلاحیں قائم کیں مثلاً یہ کہ عموم و خصوص دو جداگانہ مفہوم، نسخ صرف امر و نواہی ہو سکتا ہے اخبار و واقعات میں نسخ کا احتمال نہیں[1]۔

---

[1] ان مسائل کو ابو ہلال عسکری نے کتاب الاوائل میں واصل بن عطا کی طرف منسوب کیا ہے ۱۲

ان مسائل کے لحاظ سے اصول فقہ میں اولیت کا فخر واصل کیطرف منسوب کیا جاتا ہے لیکن یہ اسی قسم کی اولیت ہوگی جس طرح نحو کے دو تین قاعدوں کے بیان کرنے سے کہا جاتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام فن نحو کے موجد ہیں۔ بہر حال امام ابو حنیفہ کے زمانہ تک جو کچھ ہوا تھا اس سے زیادہ نہیں ہوا تھا لیکن چونکہ امام صاحب نے فقہ کو مجتہدانہ اور مستقل فن کی حیثیت سے ترتیب دینا چاہا اسلئے استنباط اور استخراج مسائل کے اصول قرار دینے پڑے۔ اگرچہ زمانہ مابعد میں اصول فقہ ایک نہایت وسیع فن بنگیا اور سینکڑوں ایسے ایجاد ہوگئے جنکا امام ابو حنیفہ کے زمانہ میں اثر بھی نہ تھا۔ لیکن کچھ شبہ نہیں کہ اس فن کے مہمات مسائل جنپر فن کی بنیاد قائم ہے امام صاحب ہی کے زمانہ میں منضبط ہو چکے تھے اصول اربعہ کی توضیح حدیث کے مراتب اور انکے احکام۔ جرح و تعدیل کے اصول اجماع کے حدود ضوابط۔ قیاس کے احکام و شرائط احکام کی انواع۔ عموم و خصوص کی تحدید، رفع تعارض کے قواعد فہم مراد کے طرق۔ یہ مسائل ہیں جو اصول فقہ کے ارکان ہیں ان تمام مسائل کے متعلق امام صاحب نے ضروری اصول و قواعد منضبط کرد ئے تھے۔

حدیث کے متعلق امام صاحب نے جو اصول قرار دئے انکو ہم حدیث کی بحث میں لکھ آئے ہیں۔ انکے علاوہ ابواب کے متعلق۔ امام صاحب نے تمام ضروری اصول منضبط کر دئے تھے مثلاً مالم یثبت بالتواتر لیس بقرآن الزیادۃ نسخ لا یجوز الزیادۃ علی الکتاب بخبر الواحد حمل المطلق علی المقید زیادۃ علی النص عموم القرآن لا یخصص بالاحاد۔ العام قطعی کالخاص الخاص ان کان متاخراً خصص العام وان کان متقدماً فلا بل کان العام ناسخاً للخاص وان جھل التاریخ تساقطا ویطلب دلیل اخر مفہوم الصفۃ لا یحتج بہ النہی لا تدل علی البطلان امام صاحب کے یہ اقوال انکے شاگردوں کی تصنیفات یا اصول کی کتابوں میں جو شافعیہ و حنفیہ وغیرہ نے لکھے جستہ جستہ مذکور ہیں جنکو اگر یکجا جمع کر دیا جائے تو ایک مختصر رسالہ تیار ہو سکتا ہے[1] یہی اصول ہیں جنکی بنا پر کہا جاتا ہے کہ امام ابو حنیفہ ایک خاص طریقہ اجتہاد کے بانی ہیں انھیں اصول کے اتحاد کی بنا پر۔ امام محمد۔ و قاضی ابو یوسف کا طریقہ۔ امام صاحب کے طریقہ سے الگ نہیں سمجھا جاتا حالانکہ جزئیات مسائل میں ان لوگوں نے سیکڑوں ہزاروں جگہ ان سے اختلاف کیا ہے۔

(الکتام رسطق)

[1] لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ فقہ کی کتابوں میں جو بہت سے اصول مذکور ہیں ان سب کی نسبت یہ دعوی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ امام ابو حنیفہ کے اقوال ہیں شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اسپر ایک نہایت عمدہ تقریر لکھی ہے لیکن شاہ صاحب نے بعض ان اقوال سے بھی انکار کیا ہے جو بروایت صحیحہ امام صاحب سے ثابت ہیں ۱۲

ان اصولی مسائل پر بوجہ اسکے کہ امام شافعی وغیرہ نے ان سے اختلاف کیا ہے نہایت وسیع اور دقیق بحثیں قائم ہو گئی ہیں۔ افسوس ہے کہ ہماری مختصر تالیف میں انکی گنجایش نہیں اصول کی کتابوں میں یہ مباحث نہایت تفصیل سے مذکور ہیں جس شخص کا جی چاہے ان کتابوں کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں فقہ کے اس حصہ میں امام صاحب کی حیثیت ایک مفسر اور مستنبط کی حیثیت ہے اور کچھ شبہہ نہیں کہ اسباب میں امام صاحب نے جو کام کیا وہ نہ صرف تاریخ اسلام میں بلکہ کل دنیا کی تاریخ میں بے نظیر ہے۔ دنیا میں اور بھی قومیں ہیں جنکے پاس آسمانی کتابیں ہیں اور وہ لوگ ان کتابوں سے اخذ احکام کرتے ہیں لیکن یہ قوم دعویٰ نہیں کر سکتی کہ اُنہوں نے استنباط مسائل کے اصول اور قواعد منضبط کئے اور اسکو ایک مستقل فن کے رتبہ تک پہنچا دیا۔

فقہ کا دوسرا حصہ

فقہ کا دوسرا حصہ جو صرف قانون کی حیثیت رکھتا ہے، پہلے حصہ کی نسبت بہت زیادہ وسیع ہے اور یہ وہ خاص حصہ ہے جسمیں امام ابوحنیفہ، علانیہ تمام مجتہدین سے ممتاز ہیں بلکہ سچ یہ ہے کہ اگر اسلام میں کوئی شخص واضع قانون گزرا ہے تو وہ صرف امام ابوحنیفہ ہیں۔

مسلمانوں میں توضیع قانون کا کام ہمیشہ ان لوگوں کے ہاتھ میں رہا جو مذہبی پیشوا تھے اور زہد و اتقا میں نہایت غلو رکھتے تھے۔ مذہبی لوگوں میں جو اوصاف نہایت قابل قدر سمجھے جاتے ہیں وہ یہ ہیں دنیاوی امور سے علیحدگی۔ کم آمیزی۔ معاملات میں سختی۔ عام واقعات سے بیخبری غیر مذہب والوں سے تنفر یہ تمام اوصاف وہ ہیں جو تمدن کے مخالف ہیں اور جس شخص میں یہ اوصاف اعتدال سے بڑھکر اور فطرتی ہوں وہ مشکل سے تمدن کی ضروریات کا اندازہ دان ہو سکتا ہے تقدس و پاکیزہ نفسی کے لحاظ سے ان لوگونکی جسقدر عظمت کی جائے کم ہے لیکن دنیا اور دنیا والوں کا کام انسے نہیں چل سکتا۔ حضرت جنید بغدادی۔ معروف کرخی۔ شیخ شبلی۔ داؤد طائی کی عظمت و شان سے کسکو انکار ہو سکتا ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ لوگ واضع قانون نہیں ہو سکتے تھے۔

مجتہدین جنہوں نے فقہ کے نام سے ملکی اور شخصی قانون بنائے۔ اگرچہ رہبانیت کی حد سے دور تھے تاہم یہ کہنا مشکل ہے کہ تمدن کے وسیع تعلقات پر انکی نگاہ پڑ سکتی تھی جنہیں انکو عمر بھر کبھی سروکار نہیں رہا یہی وجہ ہے کہ انکے قوانین میں بعض جگہ ایسی سختی اور تنگی پائی جاتی ہے جسپر مشکل سے عمل درآمد ہو سکتا ہے امام شافعی وغیرہ کا مذہب ہے کہ نکاح میں بجز ثقاۃ کے کوئی شخص گواہ نہیں ہو سکتا۔ ہمسایہ کو حق شفعہ نہیں پہنچتا۔ بیع بالمعاطات جائز نہیں۔ ذمیوں کی شہادت کسی حال میں مقبول نہیں ایک مسلمان سیکڑوں ذمیوں کو بے قصور قتل کر ڈالے تاہم وہ قصاص میں پکڑا نہیں جا سکتا۔ ان مسائل سے دنیا کا کام کیونکر

چل سکتا ہے ۔

امام ابوحنیفہ اس وصف میں اپنے تمام ہمعصروں سے ممتاز تھے کہ وہ مذہبی تقدس کے ساتھ دنیاوی
اغراض کے اندازہ شناس تھے ۔ اور تمدن کی ضرورتوں کو اچھی طرح سمجھتے تھے ۔ مرجعیت اور فصل قضایا
کی وجہ سے ہزاروں پیچیدہ معاملات انکی نگاہ سے گذر چکے تھے ۔ انکی مجلس افتا بہت بڑی عدالت عالیہ تھی جنے
لاکھوں مقدمات کا فیصلہ کیا تھا ۔ وہ ملکی حیثیت رکھتی تھی اور ارکان سلطنت مہمات امور میں لئے مشورہ
لیتے تھے انکے شاگرد اور ہمنشین جنکی تعداد سیکڑوں سے زیادہ تھی عموماً وہ لوگ تھے جو منصب قضا پر
مامور تھے ان باتوں کے ساتھ خود انکی طبیعت مقننانہ اور معاملہ سنج واقع ہوئی تھی وہ ہر بات کو قانونی
حیثیت سے دیکھتے تھے اور اس کے دقیق نکتوں تک پہنچتے تھے اسبات کا اندازہ واقعہ ذیل
سے ہوسکتا ہے جسکا ذکر اکثر مورخین نے کیا ہے ۔

ایک دن امام صاحب قاضی ابن ابی لیلیٰ سے ملنے گئے ۔ اسوقت انکے سامنے ایک مقدمہ پیش تھا
مدعی کا بیان تھا کہ فلاں شخص نے میری ماں کو زانیہ کہا ہے ۔ اسلئے میں ازالہ حیثیت کا دعویدار ہوں ۔
قاضی صاحب نے مدعا علیہ کیطرف جو اس موقع پر موجود تھا خطاب کیا کہ تم کیا جواب دیتے ہو ۔ امام ابوحنیفہ نے
قاضی صاحب سے کہا کہ ابھی مقدمہ قائم نہیں ہوا مدعی کا اظہار لینا چاہئے کہ اسکی ماں زندہ ہے یا نہیں کیونکہ اسکو
بھی شریک مقدمہ ہونا چاہئے یا اگر اسنے اسکی معرفت مقدمہ دائر کیا ہے تو اسکو مختار نامہ پیش کرنا چاہئے قاضی
صاحب نے مدعی کا اظہار لیا معلوم ہوا کہ اسکی ماں مرچکی ہے اسپر قاضی صاحب نے مقدمہ آگے چلانا چاہا ۔ امام
صاحب نے کہا مدعی سے پوچھنا چاہئے کہ اسکے بھائی بہن ہیں یا نہیں کیونکہ اگر دعویدار موجود ہیں تو انکو بھی شریک
مقدمہ ہونا چاہئے ۔ اسی طرح امام صاحب نے اور چند سوالات کئے جب وہ مراتب طے ہوچکے تو فرمایا کہ اب
مقدمہ قائم ہوا اور آپ مدعا علیہ کا اظہار لیجئے ۔

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ قاضی صاحب نے جس طریقہ سے مقدمہ کی کارروائی شروع کی تھی
وہ اس حیثیت سے بڑھکر نہ تھا جس طرح عوام آپس میں فصل خصومات کیا کرتے ہیں ۔ لیکن امام صاحب
باقاعدہ فیصلہ چاہتے تھے جسکا ضروری اصول یہ ہے کہ ایک حق سے جتنے لوگ دعویدار ہوسکتے ہیں ان سب کو
مقدمہ میں شریک ہونا چاہئے ۔ تاکہ عدالت کو ایک ہی حق کے فیصلہ کرنے میں بار بار زحمت نہ اٹھانی پڑے

امام صاحب نے فقہ کے اس دوسرے حصہ کی جس طرح تدوین کی اور جس ضبط و ربط سے اسکی جزئیات
کا استقصا کیا وہ اس زمانہ کا نہایت وسیع قانون تھا ۔ اگرچہ اسکی تعبیر ایک عام لفظ (فقہ) سے کیجاتی ہے
لیکن درحقیقت اس میں بہت سے قوانین شامل تھے چنانچہ آج تعلیم یافتہ دنیا میں ان ہی ابواب کے

مسائل جو ترتیب دیئے گئے ہیں وہ جدا جدا قانون کے نام سے موسوم ہیں۔ مثلاً قانون معاہدہ۔ قانون بیع قانون لگان و مالگذاری۔ تعزیرات ضابطہ فوجداری وغیرہ وغیرہ۔

کیا فقہ حنفی رومن لا سے ماخوذ ہے

اسی بنا پر بعض یورپین مصنفوں کا خیال[1] ہے کہ امام ابوحنیفہ نے فقہ کی تدوین میں رومن لا یعنی رومیوں کے قانون سے بہت کچھ مدد لی اور اسکے بہت سے مسائل اپنی فقہ میں داخل کر لئے اس خیال کی تائید میں یہ قرائن پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) حنفی فقہ کے بہت سے مسائل رومن لا کے مطابق ہیں۔

(۲) رومن لا تمام ممالک شام میں جاری تھا اور چونکہ مسلمانوں پر شام کی معاشرت و تمدن کا بہت کچھ اثر پڑا تھا اسلئے قیاس غالب یہ ہے کہ علمائے اسلام نے قانونی مسائل میں بھی انسے استفادہ حاصل کیا۔

(۳) اس قدر متعدد اور وسیع قوانین جو فقہ میں شامل ہیں انکی توضیح بغیر اس کے نہیں ہو سکتی کہ دنیا کے اور قوانین سے مدد لی گئی ہو۔

اس بحث کا اصلی تصفیہ تو جب ہو سکتا ہے کہ رومن لا اور حنفی فقہ کا نہایت دقت نظر اور استقصا کے ساتھ مقابلہ کیا جائے جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ جس قدر دونوں قانون میں تطابق ہے وہ توارد کی حد سے متجاوز ہے یا اسی قدر ہے جتنا کہ عموماً تمام قوموں کے قوانین بہت سی باتوں میں موافق ہوا کرتے ہیں اولاً

[1] ہم نے اس خیال کو شہرت عام کی بنا پر لکھا تھا لیکن تالیف کتاب کے بعد ہمکو معلوم ہوا مسٹر شیلڈون ایموز نے جو آجکل لندن یونیورسٹی کے لا پروفیسر ہیں اپنی کتاب رومن سول میں اس دعوی کو بڑے شدومد سے ثابت کرنا چاہا ہے اور اسپر ایک مفصل بحث کی ہے یورپ کو جو برتری آج تمام قوموں بالخصوص مسلمانوں پر حاصل ہے اسنے یوروپین مصنفوں کے دل میں بالطبع یہ بات پیدا کردی ہے کہ وہ مسلمانوں کے تمام گذشتہ کارناموں کو تحقیر کی نگاہ سے دیکھیں اور اگر کوئی کمال ایسا بدیہی اور نمایاں ہو جسکا کسی طرح انکار نہ ہو سکے تو یہ دعویٰ کریں کہ وہ مسلمانوں کی ایجاد نہیں ہے بلکہ روم و یونان و مصر وغیرہ سے ماخوذ ہے یہی اثر ہے جسنے مسٹر شیلڈون ایموز کو اس بحث پر مجبور کیا اونہوں نے اپنے دعوی کو فقہ حنفی تک محدود نہیں رکھا بلکہ عام قانون اسلام کی نسبت انکا یہ دعوی ہے ہم انکے مضمون کو قریباً انکے الفاظ میں نقل کرتے ہیں اور دیکھنا چاہتے ہیں کہ وہ اپنے دعوی میں کہانتک کامیاب ہوتے ہیں وہ اپنے مضمون کو اس تمہید سے شروع کرتے ہیں "مشرق میں دفعتہً ایک بالکل جدید و طبع زاد قائم بالذات سلسلہ قانون کا پیدا ہو جانا جسکی نسبت دعوی کیا گیا ہے کہ وہ قرآن و حدیث پر مبنی ہے ایک ایسی عجیب بات ہے کہ خواہ مخواہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شریعت اسلامی کی نسبت جو دعویٰ کیا جاتا ہے اسکی تاریخی بنیاد کیا ہے علاوہ دوسری شہادتوں کے مورخانہ قیاس اس دعوی کے سخت مخالف ہے" اسکے بعد پروفیسر موصوف اس کلیہ پر بحث کر کے کہ ہمیشہ سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ ہر سلسلہ قانونی کو کسی واقعی یا فرضی واضع قانون کے نام سے موسوم کر دیا کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ "اس لحاظ سے ابتدا ہی میں ایک قوی قیاس پیدا ہوتا ہے کہ جو باترتیب اور منضبط سلسلہ

ملہ دیکھو کتاب مذکور صفحہ ۴۰۶ لغایتہ ۴۱۵

تو رومن لا سے واقف نہیں اور ہوتا بھی تو اتنی فرصت کہاں نصیب کہ تمام مسائل کا مقابلہ کرسکتا اس لئے مجھکو اعتراف کرنا چاہیئے کہ اس موقع پر جو کچھ میں لکھوں گا اس کا رتبہ قیاس اور ظن سے زیادہ نہیں لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جن لوگوں نے اس بحث کو چھیڑا ہے وہ بھی قیاس اور ظن ہی سے کام لیتے ہیں کیونکہ باوجود تحقیق کے ہمکو کوئی ایسا مصنف نہیں ملا جسکا یہ دعویٰ ہو کہ وہ رومن لا اور حنفی فقہ کے تمام یا اکثر مسائل کا مقابلہ کرچکا ہے۔

اس امر سے تو انکار نہیں ہوسکتا کہ فقہ حنفی میں ایسے مسائل موجود ہیں۔ جو عرب اور عراق میں اسلام سے پہلے معمول بہ تھے لیکن اس میں فقہ حنفی کی خصوصیت نہیں۔ یہ سلسلہ اور آگے چلتا ہے جو مسائل آج خاص اسلام کے مسائل خیال کئے جاتے ہیں اور خود قرآن مجید میں انکا ذکر ہے ان میں متعدد ایسے ہیں جو زمانہ جاہلیت میں معمول و متداول تھے علامہ ابو ہلال عسکری نے کتاب الاوائل میں انکی تفصیل بھی کی ہے حضرت عمرؓ نے خراج و ٹیکس کے متعلق جو قاعدے مقرر کئے وہ عموماً وہی ہیں جو نوشیروان عادل نے اپنے زمانہ حکومت میں وضع کئے تھے اور یہ کچھ توارد نہ تھا بلکہ حضرت نے دانستہ نوشیرواں کی اقتدا کی تھی چنانچہ علامہ طبری و ابن الاثیر نے صاف انھیں الفاظ میں تصریح کی ہے۔

ایک مقنن جب کسی ملک کے لئے قانون بناتا ہے تو ان تمام احکام اور رسم و رواج کو سامنے رکھ لیتا ہے

(بقیہ مضمون نوٹ صفحہ ۱۲۷) قانون مسلمان فاتحوں نے تمام ممالک مفتوحہ میں جاری کیا وہ بہ تبدیل ہیئت کوئی اعلیٰ درجہ کا مکمل رواج یافتہ سلسلہ قانون تھا" پروفیسر موصوف نے تاریخی شہادتوں سے ثابت کیا ہے کہ جس وقت مسلمانوں نے شام مصر کو فتح کیا تو وہاں رومی قوانین کے متعدد مدرسے موجود تھے۔ بیروت میں ایک بدل سیورس کے زمانہ سے ایک مدرسہ قانون چلا آتا تھا جسمیں چار پروفیسر تھے۔ قیصریہ میں وکلا کی ایک جماعت رہتی تھی۔ اسکندریہ میں قانون کی تعلیم جاری تھی ان واقعات کی تفصیل کے بعد پروفیسر موصوف فرماتے ہیں کہ اس قیاس کی نسبت کہ اسلامی قوانین پر رومی قانون کا اثر پڑا ہے اس قدر کہنا کافی ہوگا لیکن جس طریقہ سے کہ اسلامی فتوحات ہوئیں اور جس طرح پر مسلمان ممالک مفتوحہ میں آباد ہوتے اگر ان امور پر غور کیا جائے تو یہ قیاس یقین سے بدلجاتا ہے"، اسلامی فتوحات کے طریقہ سے پروفیسر موصوف نے اس طرح استدلال کیا ہے کہ شروع میں مسلمانوں نے غیر قوموں سے بجز جزیہ وصول کرنیکے اور کسی قسم کا اثر ڈالنا نہیں چاہا لیکن جب علمی ترقی کا زمانہ آیا تو انہوں نے غیر قوموں کے لئے قانون وضع کئے جو خود انہیں قوموں سے ماخوذ تھے پروفیسر موصوف کے الفاظ یہ ہیں نہ تو قرآن اور نہ ابتدائی خلافت کے زمانہ میں اسبات کی کچھ کوشش ہوئی کہ جو اعلیٰ قومیں عرب کے ماتحت ہوگئی تھیں انکی دنیاوی زندگی کے پیچیدہ معاملات میں دست اندازی کیجائے نہ اسکے لئے فرصت تھی نہ دماغ اور نہ ایسے آدمی موجود تھے جو اس خدمت کو انجام دے سکتے جب بغداد اور اندلس کے شہروں اور قاہرہ میں امن و امان کا زمانہ آیا اور مطالعہ و غور کا موقع ملا تو طب ریاضت منطق اور علوم فقہ میں ترقی ہوئی جس طرح کہ ارسطو سے عربوں نے

جو اس ملک میں اس سے پہلے جاری تھے ان میں سے بعض کو وہ بعینہ اختیار کرتا ہے بعض میں ترمیم و صلاح کرتا ہے بعض کی بالکل مخالفت کرتا ہے۔ بے شبہ امام ابو حنیفہ نے بھی ایسا ہی کیا ہوگا لیکن اس حیثیت سے وہ رومن لا کی بہ نسبت ایران کے قانون سے زیادہ مستفید ہوئے ہونگے کیونکہ اولاً تو وہ خود فارسی النسل تھے اور انکی زبان مادری فارسی تھی۔ دوسرے ان کا وطن کوفہ تھا اور وہ فارس کے اعمال میں داخل تھا۔

غرض یہ امر بہرحال قابل تسلیم ہے کہ امام صاحب کو فقہ کی توضیع میں ان قواعد اور رسم و رواج سے ضرور مدد ملی ہوگی جو ان ممالک میں جاری تھے لیکن سوال یہ ہے کہ ایسی استعانت سے امام صاحب کے واضع قانون ہونے کی حیثیت پر کیا اثر پڑتا ہے؟ یعنی وہ ایک مستقل واضع قانون کہے جا سکتے ہیں یا صرف ناقل اور جامع جہانتک ہماری تحقیق ہے مسلمانوں نے غیر قوموں کی قانونی تصنیفات سے بہت کم واقفیت حاصل کی۔ ترجموں کی فہرست میں ہم سیکڑوں ہزاروں کتابوں کے نام پاتے ہیں لیکن وہ فلسفہ طب وغیرہ کی تصنیفات ہیں۔ قانون کی ایک کتاب کا بھی پتہ نہیں چلتا جو عربی زبان میں ترجمہ کی گئی ہو اور اسقدر قطعاً ثابت ہے کہ امام صاحب کے زمانہ میں فقہ کی تدوین کی کسی ایسی کتاب کا ترجمہ نہیں ہوا تھا اس لئے یہ احتمال کہ امام ابو حنیفہ نے غیر قوموں کی قانونی تصنیفات سے فائدہ اٹھایا ہو بالکل بے اصل ہے ملک میں رسم و رواج کی بنیاد پر جو احکام نافذ تھے اس قابل نہ تھے کہ حیز تحریر میں آکر قانون کا لقب حاصل کر سکتے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۸) منطق سیکھی اسی طرح ہیسل ( ) ملبور ( ) اور انکے یونانی شارحوں سے علم قانون اخذ کیا اسکے بعد پروفیسر صاحب موصوف اس خیال کی قطعیت پر دلیل قائم کرتے ہیں کہ قرآن میں اسقدر کم احکام ہیں کہ انپر ایک قانون کی بنیاد نہیں قائم ہو سکتی۔ پروفیسر صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن میں صرف یہ احکام ہیں۔ خدا کو اپنی قسموں کا نشانہ بناؤ تم اپنی بیبیوں کو دو دفعہ طلاق دے سکتے ہو پھر انکو رحمدلی یا مہربانی سے علیحدہ کر دو سود خوار قیامت میں آسیب زدوں کی طرح اٹھیں گے۔ میعادی قرض کو قلمبند کر لیا کرو۔ اگر بیبیوں کے ساتھ انصاف کر سکو تو کئی نکاح کر سکتے ہو لیکن چار سے زیادہ نہیں۔ مرد کو دو حصہ ملیگا اور عورتوں کو ایک لیکن صرف عورتیں ہوں تو دو۔ شوہر کو نصف حصہ ملیگا۔ مرض الموت میں وصیت کے وقت گواہوں کا ہونا ضرور ہے۔ سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے۔ مکاتب کو آزادی کا معاہدہ لکھدو اگر تمہاری مرضی ہو۔ سزائے زنا و غیبت ۱۲ پروفیسر صاحب کے نزدیک قرآن میں صرف اسی قدر قانونی احکام مذکور ہیں اور اسلئے انکے نزدیک قرآن مجید ایک وسیع قانون کی بنیاد نہیں قرار پا سکتا چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ جو سیدھے قواعد اور درج ہوئے اس میں مشکل سے انکے بنیاد کا پتہ لگ سکتا ہے اس لحاظ سے یہ امر اور بھی حیرت انگیز ہے کہ مسلمان فقیہوں نے ایسے پرانے مصالحہ سے تیار کی وہ قریب قریب یہ ایک زمانہ رومی قانون کی کلیوں اور جزئیوں کو یاد دلاتی ہے اسکے بعد پروفیسر صاحب نے دعوی کیا ہے کہ مسائل مندرجہ ذیل میں فقہ اسلام اور رومی قانون بالکل یکساں ہے اور بالآخر اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ سلسلہ قانون یعنی علم فقہ دراصل رومی قانون ہے لیکن بہ تبدیل ہیئت پروفیسر موصوف نے ۲ صفحوں میں یہ بحث لکھی ہے ہم نے اس کا

مختصر یہ کہ جسقدر تاریخی قرائن موجود ہیں انسے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ امام صاحب کو روم یا فارس کی کوئی قانونی تصنیف ہاتھ آئی جسکے نمونہ پر انھوں نے فقہ کی بنیاد رکھی اس میں بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ امام ابوحنیفہ سے پہلے فقہ کے مسائل جس قدر اور جس صورت میں مدون ہو چکے تھے وہ فن کی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ ان باتوں کا لازمی نتیجہ ہے کہ اگر فقہ کو ایک قانون مانا جائے تو ضرور ماننا پڑیگا کہ امام صاحب ہی اسکے مقنن اور واضع تھے البتہ انکو ملک کے رسم و رواج مسائل معمول بہا۔ علما کے فتاوے سے مدد ملی لیکن یہ اسی قسم کی مدد ہے جس سے دنیا کے اور واضعان قانون بھی بے نیاز نہ تھے۔ اسلئے یہ امر امام صاحب کی مقننیت کے رتبہ کو گھٹا نہیں سکتا۔

ان عام مباحث کے بعد اب ہم ان خاصیتوں کا ذکر کرتے ہیں جنکی وجہ سے حنفی فقہ کو اور فقہوں کے مقابلہ میں ترجیح حاصل ہے۔

خصوصیات حنفی کی خصوصیتیں

فقہ حنفی کا اصول عقلی کے موافق ہونا

(۱) سب سے مقدم اور قابل قدر خصوصیت جو فقہ حنفی کو حاصل ہے وہ مسائل کا اسرار اور مصالح پر مبنی ہونا ہے احکام شرعیہ کے متعلق اسلام میں شروع ہی سے دو فرقے قائم ہوگئے ایک گروہ کی یہ رائے ہے کہ یہ احکام تعبدی احکام ہیں یعنی ان میں کوئی سر اور مصلحت نہیں ہے مثلاً شراب خواری یا فسق

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۹) خلاصہ لکھدیا ہے لیکن کوئی ضروری بات ترک نہیں کی بلکہ اکثر انکے خاص فقرے لکھدیئے ہیں۔ پروفیسر موصوف نے جن مقدمات کی ترتیب سے استدلال کیا ہے وہ مختصراً یوں بیان کئے جاسکتے ہیں "قرآن مجید میں بہت احکام ہیں اسلئے قانون نہیں بن سکتا۔ ممالک مفتوحہ اسلام میں رومی قانون پہلے سے جاری تھا۔ مسلمانوں نے یونان و روم وغیرہ کی تصنیفات کے ترجمے کئے۔ فلاں فلاں مسائل میں اسلامی فقہ اور رومی قانون متحد ہیں" یہ بحث حقیقت میں نہایت مفید اور امپارٹنٹ بحث ہے لیکن جیسا کہ ہم نے اصل کتاب میں بیان کیا ہے اس معرکہ میں اس شخص کو قدم رکھنا چاہئے جو فقہ اسلام و رومن لا دونوں سے پوری واقفیت رکھتا ہو پروفیسر موصوف بے شبہ رومن لا کی نسبت ہر قسم کی واقفیت کا دعوی کرسکتے ہیں لیکن مسائل اسلام کے متعلق انکی وسعت معلومات کا اعتراف کرنا مشکل ہے انھوں نے دعوی کیا ہے کہ قرآن مجید میں قانون احکام صرف معدودے چند ہیں جنکی انہوں نے تفصیل کردی ہے۔ حالانکہ قرآن مجید کی آیات احکام کم و بیش پانسو ہیں اور اگرچہ ان میں بہت سے احکام عبادات وغیرہ کے متعلق ہیں[6] تاہم خاص وہ آیتیں جنمیں قانونی احکام ہیں سو سے کم نہیں یہ آیتیں جداگانہ جمع کی گئی ہیں اور علما نے انپر متعدد تفسیریں لکھی ہیں ان تمام احکام سے واقف ہونا تو ایک طرف پروفیسر صاحب کی وسعت معلومات کا یہ حال ہے کہ نکاح و طلاق کے مسائل میں سے انکو صرف دو مسئلے معلوم ہیں تعداد طلاق و تعداد نکاح۔ حالانکہ قرآن مجید میں۔ محرمات نکاح موطوءہ اب جمع بین الاختین۔ نکاح۔ با مشرکات۔ طلاق قبل خلوت صحیحہ و بعد خلوت اور دونوں کے احکام خلع اور ایلا کے مسائل تفصیل کیساتھ مذکور ہیں۔ وارثت کے متعلق پروفیسر صاحب کو صرف شوہر کا حصہ اور یہ کہ مرد کو عورت کے دو حصہ کے برابر

وغیرہ صرف اس لئے ناپسندیدہ ہیں کہ شریعت نے ان کو منع کیا ہے اور خیرات و زکوٰۃ صرف اسلئے مستحسن ہیں کہ شارع نے انکی تاکید کی ہے ورنہ فی نفسہ یہ افعال برے یا بھلے نہیں ہیں امام شافعی کا اسی طرف میلان پایا جاتا ہے اور شاید اسی کا اثر تھا کہ ابوالحسن اشعری نے جو شافعیوں میں علم کلام کے بانی ہیں علم کلام کی بنیاد اسی مسئلہ پر رکھی

دوسرے فرقہ کا یہ مذہب کہ شریعت کے تمام احکام مصالح پر مبنی ہیں البتہ بعض مسائل ایسے بھی ہیں جنکی مصلحت عام لوگ نہیں سمجھ سکتے لیکن درحقیقت وہ مصلحت سے خالی نہیں۔ یہ مسئلہ اگرچہ بوجہ اسکے کہ اسکے دونوں پہلو بڑے بڑے علما نے اختیار کئے ہیں ایک معرکۃ الآرا مسئلہ بن گیا ہے۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ وہ اس قدر بحث و اختلاف کے قابل نہ تھا تمام مہمات مسائل کی مصلحت اور غایت خود کلام الٰہی میں مذکور ہے کفار کے مقابلہ میں قرآن کا طرز استدلال عموماً اسی اصول کے مطابق ہے نماز کی مصلحت خدا نے خود بتائی کہ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ روزہ کی فرضیت کے ساتھ ارشاد ہوا لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ جہاد کی نسبت فرمایا حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ اسی طرح اور احکام کے متعلق قرآن و حدیث میں جابجا تصریحیں اور اشارے موجود ہیں کہ انکی غرض و غایت کیا ہے۔

امام ابوحنیفہ کا یہی مذہب تھا اور یہ اصول انکے مسائل فقہ میں عموماً مرعی ہے اسی کا اثر ہے کہ حنفی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۰) ملتا ہے معلوم ہے افسوس انکو یہ معلوم نہیں کہ وراثت کا پورا باب اجمالاً قرآن مجید میں مذکور ہے اور خصوصاً والدین کا حصہ اور کلالہ کے احکام تو صاف صاف تصریحاً مذکور ہیں قصاص اور دیت کے مسائل جو نہایت تفصیل سے قرآن میں مذکور ہیں اور جنہیں قتل عمد اور قتل خطا اور انکے احکام کی پوری تفصیل ہے پروفیسر صاحب کو سرے سے معلوم نہیں حیرت ہے کہ اس محدود واقفیت کے ساتھ پروفیسر صاحب نے اس بحث کے طے کرنے کی کیونکر جرأت کی۔

یہ تو ضمنی بحث تھی اب ہم ان مقدمات پر توجہ کرتے ہیں جن پر پروفیسر صاحب کی استدلال کی بنا ہے اس قدر انھوں نے خود تسلیم کر لیا ہے اور واقع میں بھی صحیح ہے کہ شروع اسلام یعنی خلافت راشدہ کے اخیر زمانہ تک مسلمان غیر قوموں سے بالکل الگ رہے اور انکے قانونی احکام سے کسی قسم کی واقفیت نہیں حاصل کی اسلئے دمشق و بیروت و اسکندریہ میں اسوقت رومن لا کے جو مدرسے جاری تھے خود بقول پروفیسر صاحب کے اسلامی فقہ پر اسکا کچھ اثر نہیں پڑ سکتا تھا اب قابل لحاظ یہ امر ہے کہ پروفیسر صاحب نے اسلام کے جو مسائل اس دعوے کیساتھ پیش کئے ہیں کہ وہ رومن لا کے موافق ہیں وہ کس زمانہ کے ایجاد شدہ مسائل ہیں مثلاً وراثت کے متعلق پروفیسر صاحب نے لکھا ہے کہ مسائل ذیل یعنی اولاد بسلسلہ اصولی۔ رشتہ داران طرفی خواہ آدھا خون ملا ہو یا کل اور انکی اولاد۔ بی بی۔ یا خاوند سولائی غلام آزاد۔ یہ سب رومن لا کے موافق ہیں اسکے بعد وہ تحریر فرماتے ہیں کہ مسلمانوں میں ترکہ اس طرح تقسیم کیا جاتا تھا جو رومن لا کا طریقہ تھا یعنی کل حصے یہ تھے۔ نصف۔ ربع۔ ثمن۔ دو ثلث۔ ایک ثلث۔ سدس۔ یہی حصے رومن لا میں ہیں لیکن پروفیسر صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ یہ حصص خود قرآن مجید میں مذکور ہیں اور قرآن مجید کی نسبت خود پروفیسر صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ اس میں رومی بنیاد کا پتہ

فقہ جسقدر اصول عقلی کے مطابق ہی اور کوئی فقہ نہیں۔ امام طحاوی نے جو محدث اور مجتہد دونوں تھے اس بحث میں ایک کتاب لکھی ہے جو شرح معانی الآثار کے نام سے مشہور ہے اور جسکا موضوع یہ ہی کہ مسائل فقہ کو نصوص وطریق نظر سے ثابت کیا جائے محدث مذکور نے فقہ کے ہر باب کو لیا ہے اور اگرچہ انصاف پرستی کیساتھ بعض مسئلوں میں امام ابوحنیفہ سے مخالفت کی ہے لیکن اکثر مسائل کی نسبت مجتہدانہ طرز استدلال سے ثابت کیا ہی کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب احادیث اور طرق نظر دونوں کے موافق ہے۔ امام محمد نے بھی کتاب الحج میں اکثر مسائل میں عقلی وجوہ سے استدلال کیا ہے یہ دونوں کتابیں چھپ گئی ہیں اور ہر جگہ ملتی ہیں جسکو تفصیل مقصود ہو ان کتابوں کی طرف رجوع کرے اس دعوی سے کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب عقل کے موافق ہی شافعیہ وغیرہ کو بھی انکار نہیں اور وہ انکار کیوں کرتے انکے نزدیک احکام شرعیہ خصوصاً عبادات جس قدر عقل سے بعید ہوں اسی قدر انکی خوبی ہے۔

امام رازی نے زکوۃ کی بحث میں لکھا ہی کہ امام شافعی کا مذہب امام ابوحنیفہ سے زیادہ صحیح ہی جس کی دلیل یہ ہے کہ امام شافعی کا مذہب عقل وقیاس سے بعید ہی اور یہی اسکی صحت کی دلیل ہے کیونکہ زکوۃ کے مسائل زیادہ تر تعبدی احکام ہیں جن میں عقل ورائے کو دخل نہیں"

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۱) نہیں لگتا۔ البتہ ورثا، کی بعض افراد قرآن مجید میں مذکور نہیں لیکن وہ زمانہ رسالت خلافت تک پوری طرح سے معین ومقرر ہو چکے تھے۔ حدیث وآثار کی نہایت قدیم کتابیں آج موجود ہیں انکو پڑھکر متعصب سے متعصب شخص بھی اس سے انکار نہیں کرسکتا۔ وصیت کے متعلق پروفیسر صاحب نے فقہ کے جن مسائل کو رومن لا سے ماخوذ سمجھا ہے انکی یہ تفصیل کی ہی وصیت تقریری یا تحریری دو گواہوں کے سامنے۔ وصی ایک ثلث جائداد سے زیادہ کی وصیت نہیں کرسکتا جبتک کہ ورثا، نہ راضی ہوں لیکن یہ مسائل بھی زمانہ نبوت یا خلافت کے مسائل ہیں اور اس امر سے ایک عام عربی داں بھی انکار نہیں کرسکتا۔ پروفیسر صاحب نے اور بھی مسائل گنائے ہیں جو انکی رائے میں رومن لا سے ماخوذ ہیں ہم ان سب کی تفصیل نہیں کرسکتے مختصراً اس قدر کہنا کافی ہی کہ ان میں اکثر مسائل اسی زمانہ کے ہیں جنکی نسبت پروفیسر صاحب نے تسلیم کیا ہی کہ مسلمانوں نے غیر قوموں کے قوانین احکام سے کچھ واقفیت نہیں حاصل کی تھی۔

پروفیسر صاحب کو اس بات پر بڑی حیرت ہی کہ قرآن مجید یا حدیث میں قانونی مسائل بہت کم تھے انکی بنیاد پر فقہ کا اتنا بڑا دفتر کہاں سے تیار ہو گیا اسی حیرت نے انکو مجبور کیا کہ وہ فقہ اسلام کو رومن لا کا خوشہ چین بنائیں لیکن پروفیسر صاحب کس کس بات پر حیرت کرینگے، قانونی مسائل تو خیر رومن لا سے ماخوذ ہیں۔ نماز۔ روزہ حج۔ زکوۃ کے متعلق قرآن مجید واحادیث میں کون سی بڑی تفصیل ہے پھر فقہ میں انہی مسائل کا ایک عظیم الشان سلسلہ کیونکر قائم ہو گیا؟ کیا یہ مسائل بھی رومن لا سے ماخوذ ہیں اسکو بھی جانے دو تمام اور اسلامی علوم کیونکر پیدا ہوئے؟ اور اس وسعت کو کیونکر پہنچے؟ آنحضرت کے زمانہ میں تفسیر۔ حدیث۔ اصول حدیث۔ اصول فقہ اسماء الرجال کے کتنے مسائل پیدا ہوئے تھے اور آج انکی کیا حالت ہی کیا آج یہ سب علوم جداگانہ فن نہیں ہیں کیا انکے مسلمانوں کی دقت نظر

بخلاف اور ہمعصروں کے امام ابو حنیفہ کا اس اصول کی طرف مائل ہونا ایک خاص سبب سے تھا۔ دوسرے ائمہ جنہوں نے فقہ کی تدوین و ترتیب کی۔ انکی علمی ابتدا فقہی مسائل سے ہوئی تھی۔ بخلاف اسکے امام ابو حنیفہ کی تحصیل علم کلام سے شروع ہوئی جسکی ممارست نے انکی قوت فکر اور جدت نظر کو نہایت قوی کر دیا تھا معتزلہ وغیرہ جنسے انکے معرکہ رہتے تھے عقلی اصول کے پابند تھے۔ اس لئے امام صاحب کو بھی انکے مقابلہ میں انھیں اصول سے کام لینا پڑتا تھا۔ اور متنازع فیہ مسئلوں میں مصالح و اسرار کی خصوصیتیں دکھانی پڑتی تھیں اس غور اور تدقیق مشق و مہارت سے انکو ثابت ہو گیا تھا کہ شریعت کا ہر مسئلہ اصول عقل کے مطابق ہے علم کلام کے بعد وہ فقہ کی طرف متوجہ ہوئے تو ان مسائل میں بھی وہی جستجو رہی۔ حنفی فقہ کے مسائل کا دوسری فقہوں کے مسائل سے مقابلہ کیا جائے تو یہ تفاوت صاف نظر آتا ہے۔ معاملات تو معاملات عبادات میں بھی جسکی نسبت ظاہر بینوں کا خیال ہے کہ اس میں عقل کو دخل نہیں۔ امام صاحب کے مسائل عموماً عقل کے موافق معلوم ہوتے ہیں۔

اگر اس بات پر غور کیجائے کہ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ شریعت کن مصلحتوں سے فرض کئے گئے ہیں اور ان مصالح کے لحاظ سے ان احکام کی بجا آوری کا کیا طریقہ ہونا چاہیئے تو وہی طریقہ موزوں ثابت ہوگا جو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۲) تیزی طبع۔ وسعت خیال کا اندازہ نہیں ہوتا۔ کیا یہ علوم و فنون بھی مسلمانوں نے روم و یونان سے سیکھے؟ فقہ سے جن مسائل کو پروفیسر صاحب نے رومن لا سے ماخوذ بتایا ہے وہ تو اس زمانہ کے مسائل ہیں جب خود بقول پروفیسر صاحب کے مسلمانوں نے غیر قوموں سے کچھ نہیں سیکھا تھا لیکن زمانہ مابعد میں بھی فقہ نے رومن لا کا کبھی احسان نہیں اٹھایا۔ پروفیسر صاحب کا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ دولت عباسیہ کے عہد ترقی میں مسلمانوں نے یونان و مصر سے علوم و فنون لئے لیکن انکو جاننا چاہیئے کہ یونان و مصر کے شاگردوں کا گروہ ایک خاص گروہ تھا۔ بے شبہ مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی تھے جو غیر قوموں سے مستفید ہوتے تھے اور اسکو عیب نہیں سمجھتے تھے لیکن مسلمانوں ہی میں وہ گروہ بھی تھا۔ اور وہی بہت بڑا گروہ تھا جو اپنے فضل و کمال زعم میں غیر قوموں کیطرف کبھی رخ نہیں کرتا تھا۔ مجتہدین اور فقہا اسی گروہ میں داخل ہیں یونان و روم وغیرہ کی کتابیں جو عربی زبان میں ترجمہ ہوئیں انکی نہایت مفصل فہرست ہمکو معلوم ہے ان میں فلسفہ۔ طب۔ ہندسہ۔ نجوم۔ کیمیا۔ صنعت۔ تاریخ۔ لائف۔ ناول۔ ہر قسم کی کتابیں ہیں لیکن قانون کی ایک تصنیف بھی نہیں جسکی وجہ غالباً یہی ہے کہ فقہا اور مجتہدین جو اسلام میں واضع قانون تھے غیر قوموں کی خوشہ چینی کو اپنی اصطلاح میں حرام کہتے تھے کیا امام ابو حنیفہ۔ امام مالک۔ امام شافعی امام احمد حنبل سے یہ امید ہو سکتی ہے کہ وہ مسائل فقہ کو جو انکے نزدیک مذہب کا ایک حصہ تھا روم و یونان سے سیکھے اگر پروفیسر صاحب کو ان ائمہ کی حالات معلوم ہوتے اور یہ بھی معلوم ہوتا کہ فقہ کے تمام ابواب انہی بزرگوں کے عہد میں مرتب ہو گئے تھے تو وہ ہرگز ایسا دعویٰ نہ کرتے۔

البتہ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ بعض مسائل میں رومن لا اور فقہ اسلام متحد کیوں ہیں۔ لیکن اس میں فقہ اسلام کی تخصیص

حنفی فقہ سے ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً نماز چند افعال کے مجموعہ کا نام ہے لیکن اس لحاظ سے کہ نماز کی اصل غرض کیا ہے؟ (یعنی خضوع۔ اظہار تعبد۔ اقرار عظمت الٰہی دعا) اور اسکے حاصل ہونے میں کن افعال کو کس نسبت سے دخل ہے ان افعال کے مراتب مختلف ہیں بعض لازمی اور ضروری ہیں کیونکہ انکے نہونے سے نماز کی اصل غرض فوت ہوتی ہے ان افعال کو شریعت کی زبان میں فرض سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بعض افعال ایسے ہیں جو طریقہ ادا میں ایک حسن وخوبی پیدا کرتے ہیں لیکن انکے فوت ہونے سے اصل غرض فوت نہیں ہوتی ان افعال کا رتبہ پہلی قسم سے کم ہے اور انکو سنت و مستحب سے تعبیر کرتے ہیں۔

اوپر ہم لکھ آئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرض و واجب و سنت کی تصریح نہیں فرمائی لیکن اس میں کچھ شبہ نہیں ہوسکتا تھا کہ نماز کے تمام افعال یکساں درجہ نہیں رکھتے تھے اس لئے تمام مجتہدین نے انکے امتیاز مراتب پر توجہ کی اور استنباط اجتہاد کی رو سے ان افعال کے مختلف مدارج قائم کئے اور انکے جدا جدا نام رکھے۔ امام ابوحنیفہ نے بھی ایسا ہی کیا لیکن اس باب میں انکو اور ائمہ پر جو ترجیح ہے وہ یہ ہے کہ انھوں نے جن افعال کو جس رتبہ پر رکھا درحقیقت انکا وہی رتبہ تھا مثلاً سب سے ضروری امر یہ ہے کہ نماز کے ارکان یعنی وہ افعال جنکے بغیر نماز ہو ہی نہیں سکتی۔ کیا ہیں؟ چونکہ نماز اصل میں اقرار عبودیت اور اظہار خشوع کا نام ہے اسلئے اسقدر تو سب مجتہدوں کے نزدیک مسلم رہا کہ نیت تکبیر قرارت۔ رکوع۔ سجود۔ وغیرہ جنسے بڑھکر اقرار عبودیت اور اظہار خشوع کا کوئی طریقہ نہیں ہوسکتا فرض اور لازمی ہیں اور خود شارع نے انکے لازمی اور ضروری ہونیکی طرف اشارے کئے بلکہ بعض جگہ تصریح بھی کی لیکن اور ائمہ نے یہ زیادتی کی کہ ان ارکان کی خصوصیتوں کو بھی فرض قرار دیدیا۔ حالانکہ وہ خصوصیتیں لازمی نہ تھیں اسلئے امام ابوحنیفہ انکے فرضیت کے قائل نہیں۔ مثلاً امام ابوحنیفہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ اللہ اکبر کے سوا اور الفاظ سے بھی ادا ہوسکتی ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۳) نہیں جن قانونوں کا گو وہ کتنے ہی بے تعلق ہوں آپس میں مقابلہ کیا جاوے بہت سے مسائل مشترک ثابت ہوں گے اور قدرتاً ایسا ہونا ضرور ہے جب تمام دنیا کے آدمیوں کی ذاتی تمدنی۔ ملکی ضرورتیں اکثر متحد اور یکساں ہیں تو ان ضرورتوں کے لحاظ سے ہر جگہ جو قوانین واضع کئے جاوینگے انکے مسائل کا مشترک ہونا کون سے تعجب کی بات ہے شعر

دو رہرو کہ بیک رہ روند در یک سمت عجب نباشد اگر او فتند پے بر پے

حاشیہ متعلقہ صفحہ) لہ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جن خصوصیتوں کا ہم نے دعویٰ کیا ہے وہ بلحاظ اکثر مسائل کے ہیں ممکن ہے کہ بعض جزئیات کے لحاظ سے یہ خصوصیتیں امام صاحب کے مذہب میں نہ پائی جاویں اور دوسرے اماموں کی فقہ میں پائی جاویں لیکن ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ امام صاحب کے اکثر مسائل میں یہ خصوصیتیں پائی جاتی ہیں اور امام شافعی وغیرہ کے اکثر مسائل میں نہیں پائی جاتیں ۱۲

جو اسکے ہم معنی ہیں (مثلاً اللہ اعظم ۔ اللہ اجل) امام شافعی کے نزدیک نہیں ہو سکتی۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک تکبیر اگر فارسی زبان میں کہی جائے تب بھی جائز ہے امام شافعی کے نزدیک اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک قرآن مجید کی کسی آیت کے پڑھنے سے قرارت کا فرض ادا ہو جاتا ہے امام شافعی کے نزدیک بغیر سورہ فاتحہ کے نماز ہو ہی نہیں سکتی"

امام ابو حنیفہ کے نزدیک جو شخص عربی میں قرآن پڑھنے سے معذور ہے وہ مجبوراً ترجمہ پڑھ سکتا ہے[1] امام شافعی کے نزدیک ترجمہ سے کسی حالت میں نماز نہیں ہو سکتی۔

اس سے یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ امام ابو حنیفہ یا کسی مجتہد نے صرف عقل و قیاس سے نماز کے ارکان متعین کئے ہیں، ائمہ نے ان ارکان کے ثبوت کے لئے عموماً احادیث کی تصریحات و اشارات سے استدلال کیا ہے۔ چنانچہ ہر مجتہد کے نقلی دلائل کتب فقہ میں بہ تفصیل مذکور ہیں۔ ہمارا یہ مطلب ہے کہ امام ابو حنیفہ کے دعووں پر جس طرح نقلی دلائل یعنی احادیث کی تصریحیں اور اشارے موجود ہیں اسی طرح عقلی وجوہ بھی انکی صحت کے شاہد ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام صاحب شریعت کے اسرار اور مصالح کو نہایت دقیق نگاہ سے دیکھتے تھے

زکوۃ کے مسائل کا بھی یہی حال ہے زکوۃ کا اصلی مقصد بنی نوع کی ہمدردی اور اعانت ہے اسلئے زکوۃ کے مصرف میں وہ لوگ خاص کر دیئے گئے ہیں جو سب سے زیادہ ہمدردی اور اعانت کا استحقاق رکھتے ہیں یعنی فقراء۔ مساکین۔ عمال۔ زکوۃ۔ مولفۃ القلوب۔ مقروض۔ مسافر۔ غازی۔ مکاتب۔ چونکہ ان لوگوں کی تصریح خود قرآن مجید میں مذکور ہے۔ اسی لئے اس امر میں سب مجتہدین کا اتفاق رہا کہ یہ لوگ مصرف زکوۃ ہیں۔ لیکن تعین نے ایک اختلاف پیدا کر دیا امام شافعی نے ان اقسام کے ذکر سے یہ خیال کیا کہ یہ سب اشخاص زکوۃ کے ادا میں لازمی ہیں یعنی جب تک ان آٹھوں اقسام کے لوگوں کو زکوۃ ادا نہ کیجائے فرض ادا ہی نہیں ہو سکتا بخلاف اسکے امام ابو حنیفہ کا یہ مذہب ہے کہ زکوۃ ان اقسام سے باہر نہ جانے پائے۔ باقی یہ امر کہ ان لوگوں میں سے سب کو دیجائے یا بعض کو یہ امر مقتضائے وقت اور ضرورت پر موقوف ہے امام اور حاکم وقت ضرورت کے لحاظ سے جسکو چاہے انتخاب کر سکتا ہے۔

ایک اور مسئلہ جس میں امام ابو حنیفہ اور دوسرے آئمہ مختلف ہیں یہ ہے کہ چارپایوں کی زکوۃ ادا کرنیکا

---

[1] امام محمد نے جامع صغیر میں جو روایت کی ہے اس میں مجبوری قید نہیں ہے اور اسی بنا پر مخالفین نے امام صاحب پر یہ سخت اعتراض کیا ہے کہ وہ قرآن کی حقیقت و مفہوم میں الفاظ کو داخل نہیں سمجھتے یعنی انکے نزدیک صرف قرآن کے معانی پر قرآن کا اطلاق ہو سکتا ہے ۱۲ بے شبہہ امام صاحب کی اس غلطی کو ہم تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن فقہائے حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ امام صاحب نے بالآخر اس قول سے رجوع کیا ہے ۱۲۔

طریقہ کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک زکوۃ میں جانور یا اسکی قیمت ادا کیجا سکتی ہے۔ امام شافعی کے نزدیک قیمت ادا کرنے سے زکوۃ ادا نہیں ہوتی۔ حالانکہ زکوۃ کی غرض حاصل ہونے میں جانور اور اس کی قیمت دونوں برابر ہیں اسلئے شارع نے بھی کوئی تخصیص نہیں فرمائی۔

ان مسائل کے سوا عبادات کے سیکڑوں مسائل ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حنفی مسائل میں ہر جگہ مصالح اور اسرار کی مخصوصیت ملحوظ ہے لیکن ہم تطویل کے لحاظ سے ان سب کی تفصیل نہیں کر سکتے معاملات کے مسائل میں یہ عقدہ زیادہ حل ہوجاتا ہے اور صاف نظر آتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب کس قدر مصالح اور اقرار کے موافق ہے۔

دوسری خصوصیت فقہ حنفی کے آسان اور سہل ہونا

(۲) دوسری خصوصیت یہ ہے کہ حنفی فقہ بہ نسبت تمام اور فقہوں کے نہایت آسان اور یسیر التعمیل ہے۔
قرآن مجید میں متعدد جگہ آیا ہے کہ خدا تم لوگوں کے ساتھ آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا، رسول اللہ کا قول ہے کہ میں نرم اور آسان شریعت لیکر آیا ہوں، بے شبہ اسلام کو تمام اور مذہبوں کے مقابلہ میں یہ فخر حاصل ہے کہ وہ رہبانیت سے نہایت بعید ہے اس میں عبادات شاقہ نہیں ہیں اسکے مسائل آسان اور یسیر التعمیل ہیں حنفی فقہ کو بھی اور فقہوں پر یہی ترجیح حاصل ہے۔

حنفی فقہ کا آسان اور وسیع ہونا ایسا متعارف ہے کہ شعرا اور مصنفین اسکو ضرب المثل کے طور پر ذکر کرتے ہیں۔ انوری نے جو ایک فحاش اور بدزبان شاعر تھا اگرچہ برے موقع پر اس کا استعمال کیا اور کہا
ع چون رخصتہائے بوحنیفہ ٭ تاہم اصل مدعا کا ثبوت اس کے کلام سے بھی ہوتا ہے عبادات اور معاملات کا کوئی باب کوئی فصل لیلو یہ تفرقہ صاف نظر آتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے مسائل ایسے آسان اور نرم ہیں جو شریعت سہلہ کی شان ہے بخلاف اسکے اور ائمہ کے بہت سے احکام نہایت سخت اور عسیر التعمیل ہیں مثلاً کتاب الجنایات وکتاب الحدود کے مسائل انہی میں سے سرقہ کے احکام ہیں چنانچہ ہم اسکے چند جزئیات نمونہ کے طور پر یہاں لکھتے ہیں۔

اس قدر تو سب کے نزدیک مسلم ہے کہ سرقہ کی سزا قطع ید یعنی ہاتھ کاٹنا ہے لیکن مجتہدین نے سرقہ کی تعریف میں چند شرطیں اور قیدیں لگائی ہیں جن کے بغیر قطع کی سزا نہیں ہو سکتی ان شروط کے لحاظ سے احکام پر جو اثر پڑتا ہے وہ ذیل کی جزئیات سے معلوم ہوگا جس سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب کس قدر آسان ہے اور تمدن و شائستگی کے کس قدر موافق ہے۔

اور ائمہ کے مسائل	امام ابو حنیفہ کے مسائل
ایک اشرفی کا ربع	نصاب سرقہ کم از کم ایک اشرفی
امام احمد کے نزدیک ہر ایک کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔	اگر ایک نصاب میں متعدد چوروں کا ساجھا ہو تو کسی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔
امام مالک کے نزدیک ہے۔	نادان بچہ پر قطع ید نہیں
اور ائمہ کے نزدیک ہے	کفن چور پر قطع ید نہیں
امام مالک کے نزدیک ہے۔	زوجین میں سے اگر ایک دوسرے کا مال چرائے تو قطع ید نہیں۔
امام مالک کے نزدیک ہے۔	بیٹا باپ کا مال چرائے تو قطع ید نہیں۔
اور ائمہ کے نزدیک ہے۔	قرابت قریبہ والے مثلاً چچا۔ بھائی وغیرہ پر قطع ید نہیں۔
اور ائمہ کے نزدیک ہے۔	ایک شخص کسی سے کوئی چیز مستعار لیکر انکار کر گیا تو قطع ید نہیں۔
اور ائمہ کے نزدیک ہے۔	ایک شخص نے ایک چیز چرائی پھر بذریعہ ہبہ یا بیع اسکا مالک ہو گیا تو قطع ید نہیں
اور ائمہ کے نزدیک ہے۔	غیر مذہب والے جو مستامن ہو کر اسلام کی عملداری میں بستے ہیں انپر قطع ید نہیں
امام شافعی و مالک کے نزدیک ہے۔	قرآن مجید کے سرقہ پر قطع ید نہیں
اور ائمہ کے نزدیک لازم آتا ہے۔	لکڑی یا جو چیزیں جلد خراب ہو جاتی ہیں ان کے سرقہ سے قطع ید لازم نہیں آتا۔

فقہ کا ایک بڑا حصہ کتاب الحظر والاباحۃ ہے یعنی حرام وحلال۔ جائز و ناجائز کی تفصیل اس باب میں یہ دعوی اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ اور ائمہ کے بہت سے ایسے مسئلے ہیں جنکی پابندی کی جائے تو زندگی دشوار ہو جائے بخلاف اسکے امام ابو حنیفہ کے احکام نہایت آسان اور سہل ہیں۔ مثلاً امام شافعی کے نزدیک جو پانی اپلوں کی آگ سے گرم کیا گیا ہو اس سے غسل اور وضو ناجائز ہے۔ رانگ۔ کانچ۔ بلور عقیق کے برتنوں کا

استعمال ناجائز ہے مثلاً پشمینہ سمور۔ پوستین وغیرہ کا استعمال ناجائز ہے اور اسکو پہنکر نماز نہیں ہوسکتی برتن یا کرسیاں اور زین وغیرہ جنپر چاندی کا کام ہو انکا استعمال ناجائز ہے۔ بیع بالمعاطاۃ یعنی خرید و فروخت کا عام طریقہ جس میں بعت واشتریت کی تصریح نہیں کیجاتی۔ ناجائز ہے۔ ان تمام مسائل میں امام ابو حنیفہ کا مذہب امام شافعی سے مخالف ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حنفی فقہ۔ دوسرے فقہوں کی طرح تنگ اور سخت گیر نہیں ہے۔

(۳) فقہ کا بہت بڑا حصہ جس سے دنیوی ضرورتیں متعلق ہیں معاملات کا حصہ ہے اور یہی وہ موقع ہے جہاں ہر مجتہد کی وقت نظر اور نکتہ شناسی کا پورا اندازہ ہوسکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے زمانہ تک معاملات کے احکام ایسے ابتدائی حالت میں تھے کہ متمدن اور تہذیب یافتہ ملک کیلئے بالکل ناکافی تھے نہ معاہدات کے استحکام کے قاعدے منضبط تھے نہ دستاویزات وغیرہ کی تحریر کا اصول قائم ہوا تھا نہ فصل قضایا اداے شہادت کا کوئی باقاعدہ طریقہ تھا۔ امام ابوحنیفہ پہلے شخص ہیں جو ان چیزوں کو قانون کی صورت میں لائے لیکن افسوس ہے کہ جو مجتہدین انکے بعد ہوئے اونہوں نے بجائے اسکے کہ اسکو وسعت دیتے اسی غیر متمدنی حالت کو قائم رکھنا چاہا جس کا منشا زاہدانہ خیالات تھے جو علما مذہب کے دماغوں میں جاگزیں تھے ایک مشہور محدث نے فقہا پر طعن کیا ہے کہ ان لوگوں کے نزدیک جب کسی زمین کا دعوی کسی عدالت میں پیش کیا جائے تو ضرور ہے کہ عرضی دعوی میں زمین کا موقع بتایا جائے اسکی حدود اربعہ کہائی جائیں حیثیت اور صورت کی تفصیل ہو۔ حالانکہ رسول اللہ یا صحابہ کے زمانہ میں ان جزئیات اور قیدوں کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ محدث مذکور کے نزدیک یہ بڑے الزام کی بات ہے لیکن اگر انکو کسی ترقی یافتہ ملک میں رہنے کا اتفاق ہوتا اور معاملات سے بھی کام پڑتا تو معلوم ہوتا کہ جن چیزوں کو وہ الزام کی بات سمجھتے ہیں انکے بغیر زندگی بسر کرنی مشکل ہے۔

فقہ حنفی میں معاملات کے متعلق جو قاعدے ہیں نہایت وسیع اور تمدن کے موافق ہیں

امام شافعی ہبہ کے لئے قبضہ کو ضروری نہیں سمجھتے۔ شفعہ ہمسایہ کو جائز نہیں رکھتے تمام معاملات میں مستور الحال کی شہادت کو ناجائز قرار دیتے ہیں گواہان نکاح کے لئے ثقہ اور عادل ہونے کی قید ضروری سمجھتے ہیں ذمیوں کے باہمی معاملات میں بھی ان کی شہادت جائز نہیں قرار دیتے۔ بے شبہہ یہ باتیں ان ممالک میں آسانی سے چل سکتی ہیں جہاں تمدن نے وسعت نہیں حاصل کی ہے اور معاملات کی صورتیں سادہ اور نیچرل حالت میں ہیں لیکن جن ملکوں میں تمدن نے ترقی حاصل کی ہو۔ معاملات کی مختلف اور پیچ در پیچ صورتیں پیدا ہوتی جاتی ہوں حقوق کی تحدید اور انضباط کے بغیر چارہ نہ ہو وہاں ایسے احکام کا قائم رہنا آسان نہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان تمام مسائل میں امام ابوحنیفہ امام شافعی سے مخالف ہیں مورخ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ امام مالک کا مذہب انہی ممالک میں رواج پاسکا جہاں تمدن نے وسعت نہیں

حاصل کی تھی[1] اس کی یہی وجہ ہے کہ امام مالک کے مسائل میں اصول تمدن کی رعایت نہ تھی امام ابو حنیفہ نے جس وقت نظر اور نکتہ شناسی کے ساتھ معاملات کے احکام منضبط کئے اس کا صحیح اندازہ تو اسوقت ہو سکتا ہے کہ معاملات کے چند ابواب پر ایک مفصل ریویو لکھا جائے لیکن ایسی تفصیل کے لئے نہ وقت مساعد ہے نہ اس مختصر کتاب میں اس کی گنجایش ہے تاہم ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ اس لئے نمونہ کے طور پر ہم صرف مسائل نکاح کا ذکر کرتے ہیں جو عبادات اور معاملات دونوں کا جامع ہے۔

نکاح کو اگرچہ فقہا نے عبادات میں شامل کیا ہے لیکن یہ صرف ایک اصطلاح ہے ورنہ نکاح بوجہ اسکے کہ تمدن اور معاشرت کے دو بڑے بڑے نتائج اسپر متفرع ہوتے ہیں معاملات کا نہایت ضروری حصہ قرار دیا جا سکتا ہے،،

مسائل نکاح کے انتخاب کی ایک یہ بھی وجہ ہے کہ بعض بعض یورپین مصنفوں نے یہ دعوے کیا ہے کہ حنفی فقہ کے مسائل نکاح نہایت وحشیانہ اور ، ظالمانہ ہیں لیکن ہم اس بحث میں دکھا دینگے کہ آج مہذب سے مہذب ملکوں میں بھی نکاح کے قواعد حنفی فقہ سے عمدہ تر نہیں ہیں۔ بنتھم نے اپنی کتاب یوٹلٹی میں لکھا ہے کہ رومن لا کے بموجب قواعد نکاح ایک مجموعہ ظلم ہیں،،

لیکن ہم ثابت کر دینگے کہ حنفی فقہ کے بموجب قواعد نکاح مجموعہ انصاف ہیں۔ غالباً اس بحث سے ان لوگوں کے خیالات کی بھی کسی قدر اصلاح ہوگی جو غلطی سے یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ حنفی فقہ رومن لا سے ماخوذ ہے

نکاح دازدواج۔ تمدن اور معاشرت کا نہایت وسیع حصہ ہے۔ نکاح بقول ایک حکیم کے جاعتوں کا شیرازہ تہذیب کی اصل۔ تمدن کی بنیاد ہے اس لحاظ سے یہ کہنا صحیح ہے کہ محققین نے اسکے اصول وضوابط کی عمدہ توضیح یا تشریح کی وہ قانون تمدن کا بہت بڑا نکتہ شناس ہے اگرچہ امام ابو حنیفہ ان اصول وضوابط کے موجد نہیں ہیں۔ شارع نے خود اسکے مہمات مسائل بتا دیے تھے۔ تاہم جس نکتہ سنجی کے ساتھ انھوں نے ان اصول کی تشریح کی اور اسپر احکام متفرع کئے وہ خود ایک بڑے مقنن کا کام تھا۔ شارع کا کلام کہیں مجمل واقع ہوا تھا کہیں محتمل المعنیین بعض جگہ صرف اشارے تھے۔ خاصکر جزئیات بہت کم مذکور تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ نکاح کے اکثر مسائل میں مجتہدین کی مختلف رائیں قائم ہوگئیں یہی مختلف فیہ مسائل ہیں جن میں امام صاحب کے اجتہاد کے جوہر کھلتے ہیں اور صاف نظر آتا ہے کہ جس طرح انھوں نے ان موقعوں پر شارع کے اجمال کی تفصیل کی احتمالات کے محل معین کئے اشارات کی تصریحیں بتائیں جزئیات کی تفریع کی۔ وہ انھیں کا کام تھا جن میں اور مجتہد کسی طرح ان کی ہمسری نہیں کر سکتے۔

---

[1] اس قول کو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں

نکاح کے مسائل جن اصول پر متفرع ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) کن لوگوں کے ساتھ نکاح ہونا چاہیئے۔

(۲) معاملہ نکاح کس کے اختیار سے ہونا چاہیئے۔

(۳) اس کی بقاو ثبات کا استحکام کس حد تک ضروری ہے۔

(۴) فریقین کے حقوق کیا قرار دیئے جائیں۔

(۵) نکاح کن دستورات اور رسوم کے ساتھ عمل میں آئے۔

محرمات نکاح

یہ امر کہ نکاح کی وسعت کو کس حد تک محدود کیا جائے تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ تمام مذاہب میں یکساں طور پر پایا جاتا ہے۔ ہر قوم نے چند محرمات قرار دئے ہیں جنکے ساتھ ازدواج کو ناجائز قرار دیا ہے اور یہ محرمات قریباً تمام مذہبوں میں مشترک ہیں جسکی وجہ یہ ہے کہ یہ امر نہایت صریح اصول عقلی پر مبنی ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ اور فلاسفر بنتہم نے کتاب یوٹلٹی میں محرمات کی حرمت کے جو دلائل قائم کئے ہیں بالکل مشترک ہیں چونکہ یہ امر بالکل اصول فطرت کے مطابق ہے اور قرآن مجید میں محرمات کے نام تصریحاً مذکور ہیں اسلئے اصل مسئلہ میں تمام مجتہدین کا اتفاق رہا لیکن جو جزئیات ظاہر نص کے ذیل میں نہیں آتیں ان میں اختلاف پیدا ہو گیا انھیں میں حرمت بالزنا کا مسئلہ ہے جو امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے اختلاف کا ایک معرکۃ الآرا مسئلہ ہے۔ امام شافعی کا مذہب ہے کہ زنا سے حرمت کے احکام نہیں پیدا ہوتے۔ مثلاً باپ نے کسی عورت سے زنا کیا تو بیٹے کا نکاح اس عورت سے ناجائز نہیں ہے امام شافعی نے اسکو یہانتک وسعت دی ہے کہ ایک شخص نے اگر کسی عورت کے ساتھ زنا کیا ۔۔۔۔ اور اس سے لڑکی پیدا ہوئی تو خود وہ شخص اس لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے۔ انکی دلیل ہے کہ زنا ایک حرام فعل ہے اس لئے وہ حلال کو حرام نہیں کر سکتا۔ امام ابو حنیفہ اس کے بالکل مخالف ہیں انکے نزدیک مقاربت کے ذریعہ سے مرد عورت کے تعلقات پر جو فطری اثر پڑتا ہے وہ نکاح پر محدود نہیں ہے اور یہ بالکل صحیح ہے محرمات کی حرمت جس اصول پر مبنی ہے اسکو نکاح کے ساتھ خصوصیت نہیں ہے اپنے نطفہ سے جو اولاد ہو گو زنا ہی سے ہو اسکے ساتھ نکاح و مقاربت کا جائز رکھنا بالکل اصول فطرت کے خلاف ہے۔ باپ کی موطؤہ کا بھی یہی حال ہے وعلیٰ ہذا القیاس خود قرآن مجید میں اسکے اشارے موجود ہیں لیکن چونکہ یہاں نقلی بحث نہیں۔ ہم اس کا ذکر نہیں کرتے۔

معاملہ نکاح میں اختیار

دوسری بحث یہ ہے کہ معاملہ نکاح کا مختار کون ہے؟ یہ ایک نہایت مہتم بالشان سوال ہے۔ اور نکاح کے اثر کی خوبی یا برائی بہت کچھ اسی امر پر منحصر ہے۔ امام شافعی و امام احمد حنبل کے نزدیک عورت گو عاقلہ بالغہ ہو۔ نکاح کے بارے میں خود مختار نہیں ہے یعنی کسی حال میں وہ اپنا نکاح آپ نہیں کر سکتی بلکہ

ولی کی محتاج ہے ان بزرگوں نے ایک طرف تو عورت کو اس قدر مجبور کیا۔ دوسری طرف ولی کو ایسے وسیع اختیارات دیے کہ زبردستی جس شخص کے ساتھ چاہے نکاح باندھ دے عورت کسی حال میں انکار نہیں کر سکتی۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک بالغہ عورت اپنے نکاح کی آپ مختار ہے۔ بلکہ اگر نابالغی کی حالت میں ولی نے نکاح کر دیا ہو تو بالغ ہو کر وہ نکاح فسخ کر سکتی ہے۔

اس اختلاف کی اصل بنیاد عورتوں کے حقوق کے مسئلہ پر مبنی ہے۔ تمام مذہبوں میں عورتوں کی حالت نہایت پست قرار دی گئی ہے اور ان کے حقوق نہایت تنگدلی سے قائم کئے گئے ہیں ہندوؤں اور عیسائیوں کے ہاں عورت کو میراث نہیں ملتی خود عرب میں اسلام سے پہلے یہی دستور تھا۔ اسی طرح اور بہت سے امور ہیں جنسے عورتوں کا کم ازرتبہ ہونا ثابت ہوتا ہے لیکن اسلام نے مردوں اور عورتوں کے حقوق یکساں درجہ پر قائم کئے۔ اور فرمایا للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء نصیب مما اکتسبن امام ابوحنیفہ نے تمام مسائل میں اس اصول مساوات کو مرعی رکھا ہے۔ اور یہی خصوصیت ہے جو اس باب میں انکی فقہ کو اور آئمہ کی فقہ سے ممتاز کرتی ہے۔ مثلاً امام ابوحنیفہ کے نزدیک نکاح۔ طلاق عتق وغیرہ معاملات میں عورتوں کی شہادت اسی طرح معتبر ہے جس طرح مردوں کی بخلاف اسکے اور آئمہ مجتہدین کے نزدیک عورتوں کی شہادت کا اعتبار نہیں بعض معاملات میں ان بزرگوں نے عورتوں کی شہادت جائز بھی رکھی ہے تو یہ قید لگائی ہے کہ دو سے کم نہوں امام شافعی کے نزدیک تو چار سے کم کا کسی حالت میں اعتبار نہیں۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک جس طرح ایک مرد کی گواہی معتبر ہے عورت کی بھی ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک عورت منصب قضا پر مامور کیجا سکتی ہے۔ لیکن اور آئمہ مخالف ہیں۔ اسی بنا پر انکے نزدیک جب مرد نکاح کے معاملہ میں خود مختار قرار دیا گیا ہے تو عورت کو بھی ایسا ہی اختیار دینا چاہیئے۔

اس عام اصول مساوات کے قطع نظر صورت متنازعہ میں خصوصیت کی وجہ یہ بھی ہے کہ نکاح کا معاملہ عام معاملات پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ نکاح ایک ایسا تعلق ہے جس کا اثر نہایت وسیع ہے اور زندگی کے اخیر وقت تک قائم رہتا ہے اس لئے ایسے معاملہ میں ایک فریق کو بالکل بے اختیار رکھنا نہایت ناانصافی ہے۔

اس بحث میں امام شافعی کا مدار محض نقلی دلیلوں پر ہے لیکن اس میدان میں بھی امام ابوحنیفہ ان سے پیچھے نہیں۔ اگر امام شافعی کو لا نکاح الا بولی۔ پر استدلال ہے تو امام صاحب کی طرف الثیب حق بنفسها من ولیها والبکر تستاذن فی نفسها۔ موجود ہے لیکن اس بحث کا یہ موقع نہیں۔

تیسری بحث یہ ہے کہ معاملہ نکاح کا استحکام و بقا کس حد تک ضروری ہے۔ عقد نکاح کی خوبی کی نسبت جو کچھ کہا گیا ہے یعنی یہ کہ وہ تمدن کی بنیاد اور جماعتوں کا شیرازہ ہے یہ اسی حالت میں ہے جب وہ ایک مضبوط اور دیرپا معاملہ قرار دیا جاوے ورنہ وہ صرف قضائے شہوت کا ایک ذریعہ ہے۔ امام ابو حنیفہ نے اس اصول کو نہایت قوت کے ساتھ ملحوظ رکھا ہے انھوں نے طریقہ انعقاد و تعین مہر۔ ایقاع طلاق۔ نفاذ خلع کے جو قاعدے قرار دئے ہیں ان سب میں اس اصول سے کام لیا ہے

استقامت زوجین میں طلاق حرام ہے

اس باب میں سب سے مقدم انکا مسئلہ ہے کہ طلاق مع استقامۃ حال الزوجین حرام یعنی جب تک زوجین کی حالت استقامت پر ہے۔ طلاق دینا حرام ہے۔ ضرورت اور مجبوری کی حالت میں طلاق کو جائز قرار دیا ہے تو اس کا طریقہ ایسا رکھا ہے جس سے صلاح اور رجعت کی امید منقطع نہ ہو یعنی یہ کہ تین بار کر کے طلاق دے اور ہر طلاق میں ایک مہینہ کا فاصلہ ہو تاکہ اس اثنا میں شوہر کو اپنے ارادے کے فیصل کرنے کے لئے کافی وقت ملے اگر وہ اس ارادے سے باز آنا چاہے تو باز آسکے اور مستحب یہی ہے کہ باز آئے اس وسیع مدت میں بھی اگر اصلاح و آشتی کی توقع نہ ہو اور تجربے سے ثابت ہو جائے کہ فریقین کی یہ بھی کسی طرح اصلاح پذیر نہیں ہے۔ تو مجبوراً طلاق دے۔ طلاق کے بعد اسکو مہر ادا کرنا ہوگا۔ اور تین مہینے تک زوجہ کی خورد و نوش کی کفالت ہوگی اس سے یہ مقصد ہے کہ جب تک وہ دوسرا شوہر نہ پیدا کر سکے گذر اور بسر اوقات کے لئے اسکو تکلیف نہ اٹھانی پڑے اور مہر کی رقم عام مصارف میں کام آئے اسباب میں امام صاحب کے مسائل جو اور آئمہ سے مختلف ہیں ہم انکو ذیل میں یکجائی طور پر لکھتے ہیں جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ امام صاحب نے معاملہ نکاح کو کیسا مہتم بالشان اور مضبوط معاملہ سمجھا ہے اور ہر حالت میں اس کے قائم رکھنے کی کوشش کی ہے

(۱) جب تک فریقین کی حالت استقامت ہو طلاق حرام ہے	امام شافعی کے نزدیک حرام نہیں
(۲) ایک بار تین طلاق دینا حرام ہے اور اسکا مرتکب عاصی ہے۔	امام شافعی اور امام احمد حنبل کے نزدیک مضائقہ نہیں ٭
(۳) مہر کی تعداد کسی حالت میں دس درہم سے کم نہیں ہو سکتی۔ اس سے یہ مقصد ہے کہ مرد کو بے تحقیق طلاق پر آسانی سے جرأت نہ ہو کیونکہ یہ تعداد غریب اور مفلس کے لئے۔ ہے جس کو اس	امام شافعی و امام احمد حنبل کے نزدیک ایک حبہ بھی مہر ہو سکتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مرد بے دریغ بے سوچے سمجھے طلاق دینے پر جرأت کر سکتا ہے اور عورت کو بوجہ اس کے

رقم کا ادا کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسے امیروں کو دو چار ہزار	کہ تفرق کے بعد محض مفلس اور نادار رہ گئی تکلیف کا احتمال ہے۔
(۴) خلوت صحیحہ سے پورا مہر واجب ہو جاتا ہے	امام شافعی کے نزدیک نصف واجب ہوتا ہے
(۵) جسمانی بیماریاں مثل برص وغیرہ فسخ نکاح کا سبب نہیں ہو سکتیں۔	امام شافعی و مالک کے نزدیک ان کی وجہ سے فسخ نکاح ہو سکتا ہے۔
(۶) اگر کوئی شخص مرض الموت میں طلاق دے اور عدت کے زمانہ میں اس کا انتقال ہو جائے تو عورت کو میراث ملے گی۔	امام شافعی کے نزدیک نہیں ملیگی۔
(۷) طلاق رجعی کی حالت میں وطی حرام نہیں ہے یعنی زوجیت کا تعلق ایسی معمولی بیزاری سے منقطع نہیں ہوتا۔	امام شافعی کے نزدیک حرام ہے گویا وہ بائنہ ہو چکی۔
رجعت کے لئے اظہار زبانی کی ضرورت نہیں ہر فعل جس سے رضامندی ظاہر ہو رجعت کے لئے کافی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آسانی دیجائے تاکہ رجعت بادنیٰ مسامحت ہو سکے۔	امام شافعی کے نزدیک بغیر اقرار و اظہار رجعت ہو ہی نہیں سکتی۔
(۸) رجعت پر گواہ مقرر کرنیکی کچھ ضرورت نہیں ورنہ بعض حالتوں میں گواہ نہ مل سکے اور رجعت کی مدت قریب الانقضا ہے تو طلاق بائن ہو جائے گی۔	امام مالک کے نزدیک بغیر استشہاد کے رجعت صحیح نہیں ہے

نکاح کے قواعد مرتب ہونے کے لئے یہ ایک نہایت ضروری امر ہے کہ فریقین کے حقوق نہایت فیاضی اور اعتدال کیساتھ قائم کئے جائیں۔ عورتوں کو مردوں کے ساتھ جن باتوں میں مساوات حاصل ہے وہ باطل نہ ہونے پائے کیونکہ نکاح سے عورت کو اپنے امن و راحت کی توقع ہونی چاہئے۔ نہ یہ کہ اس کے اصلی حقوق میں زوال آجائے یہ اسلام کی خاص فیاضی ہے جسکی نظیر اور کسی مذہب میں نہیں مل سکتی کہ اسنے معاملہ نکاح میں عورتوں کے حقوق نہایت وسعت کیساتھ قائم کئے ہیں۔ امام ابوحنیفہ نے اس اصول کو تمام مسائل میں محفوظ رکھا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان مسائل میں جہاں اور ائمہ نے انسے اختلاف کیا ہے صریح غلطی کی مثلاً خلع کا معاملہ جو طلاق سے مشابہ ہے۔

عورتوں کے حقوق

اس باب میں تو سب ائمہ متفق ہیں کہ جس طرح مرد کو طلاق کا حق دیا گیا ہے اسی طرح عورت کو کچھ معاوضہ دیکر خلع کا اختیار ہے لیکن اس امر میں اختلاف ہے کہ اس معاوضہ کی کیا صورت ہے امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ اگر عورت کا قصور ہے اور خود اسکی بدسلوکی تفریق کا سبب ہوئی ہے تو اس مہر کی مقدار کے برابر شوہر کو معاوضہ دینا چاہیے۔ مرد اگر اس مقدار سے زیادہ معاوضہ کا خواہاں ہو تو مکروہ ہے لیکن اگر مرد کی شرارت ہے تو عورت بغیر کسی جرمانہ ادا کرنے کے خلع کی مستحق ہے اور مرد کو خلع کا معاوضہ لینا مکروہ ہے امام شافعی و امام مالک کے نزدیک اولاً مرد جس قدر چاہے معاوضہ لے سکتا ہے۔ اور اسپر عورت کو مجبور کر سکتا ہے اس سے بڑھکر یہ کہ گو شرارت اور زیادتی مرد کی ہو تاہم وہ عورت سے معاوضہ لے سکتا ہے اور جسقدر چاہے لے سکتا ہے حالانکہ یہ صریح ناانصافی ہے کہ عورت بے گناہ بھی ہو اور معاوضہ بھی ادا کرے۔

دستور نکاح

اخیر بحث یہ ہے کہ نکاح کن دستورات کے ساتھ عمل میں آئے۔ ان رسوم میں صرف دو مقصود پیش نظر ہیں۔ اول یہ کہ فریقین کی رضامندی محقق ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ واقعہ عقد کا اشتہار ہو جائے ان اغراض کے لحاظ سے۔ امام ابو حنیفہ نے نہایت مناسب قاعدے قرار دئے ہیں یعنی یہ کہ فریقین ایسے الفاظ استعمال کریں جنسے ظاہر ہو کہ انہوں نے معاملہ نکاح کو قبول کر لیا ہے اور یہ کہ عقد نکاح دو گواہوں کے سامنے عمل میں آئے یہ دونوں سادہ اور آسان شرطیں ہیں جو ہر موقع پر استعمال کیجا سکتی ہیں لیکن بعض ائمہ نے بخلاف اسکے ان شرطوں میں ایسی سخت قیدیں لگائی ہیں جنکی پابندی نہایت مشکل ہے امام شافعی کا مذہب ہے کہ گواہان نکاح عادل ہونے چاہئیں ورنہ نکاح صحیح نہیں۔ عدالت کے جو معنے مجتہدین اور خاصکر امام شافعی نے بیان کئے ہیں اسکے لحاظ سے ہزاروں میں ایک عادل ہو سکتا ہے اسی لئے اگر یہ قید ضروری سمجھی جاوے تو صحیح نکاح کا وجود ڈھونڈے سے نہ مل سکے۔ امام شافعی و امام احمد حنبل کے نزدیک ضرور ہے کہ گواہ مرد ہوں لیکن امام ابو حنیفہ کے نزدیک عورتیں بھی گواہ ہو سکتی ہیں اور یہی قرین عقل بھی ہے۔ امام شافعی نے یہ بھی قید لگائی ہے کہ خاص تجویز کے الفاظ استعمال کئے جائیں۔ حالانکہ خاص الفاظ کی پابندی کا کچھ حاصل نہیں جو الفاظ اس مفہوم پر دلالت کرتے ہیں مثلاً ہبہ تملیک وغیرہ سب عقد نکاح کیلئے کافی ہیں۔

چوتھی خصوصیت ذمیوں کے حقوق

(۴) ایک بڑی خصوصیت جو حنفی فقہ کو حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اسنے ذمیوں یعنی اُن لوگوں کو جو مسلمان نہیں ہیں لیکن مسلمانوں کی حکومت میں مطیعانہ رہتے ہیں نہایت فیاضی اور آزادی سے حقوق بخشے ہیں اور یہ وہ خصوصیت ہے جسکی نظیر کسی امام اور مجتہد کے مسائل میں نہیں ملتی۔ اگرچہ ذمیوں کے حقوق کی حفاظت خود شارع کی ہدایتوں میں جا بجا موجود ہے لیکن چونکہ وہ کلیات ہیں اسکے علاوہ شارع کے بعض اقوال بظاہر اسکے خلاف معلوم ہوتے ہیں اسلئے انکی تعبیر مطالب میں اختلاف پیدا ہوئے ہیں تاہم کچھ شبہہ نہیں کہ جو تعبیر امام

ابو حنیفہ نے کی وہی صحیح تعبیر تھی اسلام نہایت وسیع دنیا پر حکمران رہا ہے اور اسکی حدود حکومت میں سینکڑوں غیر قومیں آباد تھیں اور رہیں اس لیے اگر انکے حقوق کی واجبی حفاظت نہ کی جاے تو ایک دن بھی امن قائم نہیں رہ سکتا۔ امام ابو حنیفہ نے ذمیوں کو جو حقوق دیے ہیں دنیا میں کسی گورنمنٹ نے کبھی کسی غیر قوم کو نہیں دیے یورپ جسکو اپنے قانون انصاف پر بڑا ناز ہے۔ بیشک زبانی دعوی کر سکتا ہے لیکن عملی مثالیں نہیں پیش کر سکتا۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ کے یہ احکام۔ اسلامی گورنمنٹوں میں عموماً نافذ تھے اور خاصکر ہارون الرشید اعظم کی وسیع حکومت انھیں احکام پر قائم تھی۔

سب سے بڑا مسئلہ قتل و قصاص کا ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ذمیوں کا خون مسلمانوں کے خون کے برابر ہے یعنی اگر مسلمان ذمی کو قتل کر ڈالے تو مسلمان بھی اسکے بدلے قتل کیا جائے گا اور اگر غلطی سے قتل کیا ہے تو جو خون بہا مسلمان کے قتل بالخطا سے لازم آتا ہے وہی ذمی کے قتل سے بھی لازم آئیگا

تذکرہ امام رازی نے اپنی کتاب مناقب الشافعی میں حنفیوں کو طعنہ دیا ہے کہ انکے نزدیک ابو بکر صدیق کا خون اور ایک ذلیل ذمی کا خون برابر ہے یعنی اگر ابو بکر صدیق بجرم کسی ذمی کو قتل کر ڈالتے تو حنفیوں کے نزدیک وہ بھی قتل کئے جانے کے مستحق تھے حنفیوں نے اس مسئلہ کی تعمیم کی ہیں یہ مثال نہیں دی بلکہ امام رازی نے اس غرض سے کہ وہ اس مسئلہ کو بدنما کرکے دکھائیں خود یہ مثال فرض کی ہے لیکن ہم فخر کے ساتھ اس طعنہ کو قبول کرتے ہیں بے شبہ انصاف اور حق کی حکومت میں شاہ و گدا مقبول و مردود کا ایک رتبہ ہے بے شبہہ یہ اسلام کی بڑی فیاضی ہے کہ اس نے اپنی رعایا کو اپنے برابر سمجھا۔ اسلام کو اس انصاف پر ناز ہو سکتا ہے۔ اگر امام رازی کو عار آتی ہے تو آئے خود صحابہ کا کیا قول اور کیا عمل تھا؟ حضرت علی کا قول ہے من کانت لہ ذمتنا فدمہ کدمنا و دیتہ کدیتنا یعنی ذمی کا خون ہمارا خون ہے اور اسکی دیت ہماری دیت ہے۔ حضرت علی پر موقوف نہیں تمام مہاجرین و انصار کا یہی قول تھا اور اسی پر عمل تھا عبید اللہ جو حضرت عمر فاروق کے فرزند تھے انھوں نے حضرت عمر کے زخمی ہونیکے وقت دو شخصوں کو جو کافر تھے اور جن پر انکا شبہہ تھا قتل کر ڈالا۔ جب حضرت عثمان مسند خلافت پر بیٹھے تو انھوں نے مہاجرین و انصار کو بلایا اور اس بارہ میں راے پوچھی۔ تمام مہاجرین نے بالاتفاق کہا کہ عبید اللہ کو قتل کرنا چاہیے۔

امام ابو حنیفہ نے ذمیوں کے لئے اور جو قواعد مقرر کئے وہ نہایت فیاضانہ قواعد ہیں وہ تجارت میں مسلمانوں کی طرح آزاد ہیں۔ ہر قسم کی تجارت کر سکتے ہیں۔ ان سے اسی شرح سے ٹیکس لیا جائیگا جس طرح مسلمانوں سے لیا جاتا ہے جزیہ جو انکی محافظت کا ٹیکس ہے اسکی شرح حسب حیثیت قائم کی جائے گی مفلس شخص جزیہ سے بالکل معاف ہے اگر کوئی شخص جزیہ کا باقی دار رہکر مر جائے تو جزیہ ساقط ہو جائے گا۔ ذمیوں کے

معاملات انھی کی شریعت کے موافق فیصل کئے جائیں گے۔ یہاں تک کہ مثلاً اگر کسی مجوسی نے اپنی بیٹی سے نکاح کیا تو اسلامی گورنمنٹ اس نکاح کو اسکی شریعت کے موافق صحیح تسلیم کریگی۔ ذمیوں کی شہادت انکی باہمی مقدمات میں مقبول ہوگی۔ ذمیوں کی اعزازی حالت یہ ہے کہ وہ حرم محترم میں جا سکتے ہیں۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں آباد ہو سکتے ہیں تمام مسجدوں میں بغیر اجازت حاصل کئے داخل ہو سکتے ہیں بجز ان خاص شہروں کے جو مسلمانوں نے آباد کئے ہیں ہر جگہ وہ اپنی عبادت گاہ بنا سکتے ہیں۔ وہ اگر حربی کافروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا ساتھ دینا چاہیں تو سپہ سالار ان پر اعتماد کر سکتا ہے۔ اور ان سے ہر طرح اعانت لے سکتا ہے۔

اس قسم کے اور احکام ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے عموماً تمام معاملات میں ذمیوں کے حقوق مسلمانوں کے برابر قرار دئے ہیں۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ بعض امور میں تو انھوں نے اعتدال سے زیادہ فیاضی کی ہے مثلاً اس امر میں کہ ذمی کس حالت میں عہد سے باہر ہو جاتا ہے۔ انکا مذہب ہے کہ بجز اس حالت کے کہ انکے پاس جمعیت ہو اور وہ گورنمنٹ سے بمقابلہ پیش آئیں۔ اور کسی صورت میں انکے حقوق باطل نہیں ہوتے مثلاً اگر کوئی ذمی جزیہ نہ ادا کرے۔ یا مسلمان عورت کیساتھ زنا کا مرتکب ہو یا کافروں کی جاسوسی کرے یا کسی مسلمان کو کفر کی ترغیب دے یا خدا اور رسول کی شان میں بے ادبی کرے تو ان تمام حالتوں میں وہ سزا کا مستحق ہوگا لیکن باغی نہ سمجھا جائے گا اور اسکے حقوق باطل نہ ہونگے۔

اب اسکے مقابلہ میں اور آئمہ کے مسائل دیکھو امام شافعی کے نزدیک کسی مسلمان نے گو بے جرم اور عمداً کسی ذمی کو قتل کیا ہو تاہم وہ قصاص سے بری رہیگا صرف دیت دینی ہوگی یعنی مالی معاوضہ ادا کرنا ہوگا وہ بھی مسلمان کی دیت کی ایک ثلث۔ اور امام مالک کے نزدیک نصف تجارت میں یہ سختی ہے کہ ذمی اگر تجارت کا مال ایک شہر سے دوسرے شہر کو لیجاوے تو سال میں جتنی بار لیجاوے ہر بار اس سے نیا ٹیکس لیا جاوے جزیہ کے متعلق امام شافعی کا مذہب ہے کہ کسی حال میں ایک اشرفی سے کم نہیں ہو سکتا اور بوڑھے اندھے۔ اپاہج مفلس۔ تارک الدنیا تک اس سے معاف نہیں بلکہ امام شافعی سے ایک اور روایت ہے کہ جو شخص مفلس ہونے کی وجہ سے جزیہ ادا نہیں کر سکتا وہ اسلام کی عملداری میں نہ رہنے پاوے خراج جو ابتدا حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مقرر کیا گیا تھا اسپر اضافہ ہو سکتا ہے مگر کسی صورت میں کمی نہیں ہو سکتی۔ ذمیوں کی شہادت گو فریقین مقدمہ ذمی ہوں کسی حال میں مقبول نہیں اس مسئلہ میں امام مالک و امام شافعی دونوں متفق الرائے ہیں ذمی کبھی حرم میں نہیں داخل ہو سکتا اور نہ وہ مکہ اور مدینہ منورہ میں آباد ہو سکتا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک عام مسجدوں میں اجازت کے ساتھ داخل ہو سکتا ہے لیکن امام مالک اور امام حنبل کے نزدیک اسکو بالکل اجازت نہیں مل سکتی ذمی اسلامی حدود حکومت میں کہیں

اپنی عبادت گاہ نہیں بنا سکتا۔ ذمیوں پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا اور وہ اسلامی فوج میں نہیں شریک ہو سکتے ذمی اگر کسی مسلمان کو قصداً قتل کر ڈالے یا کسی مسلمان عورت کے ساتھ زنا کا مرتکب ہو تو اسی وقت اس کے تمام حقوق باطل ہو جاویں گے اور وہ کافر حربی سمجھا جائے گا یہ احکام بھی عیسائیوں اور یہودیوں کیساتھ خاص ہیں اور امام شافعی کے نزدیک بت پرستوں کو جزیہ ادا کرنے پر بھی اسلامی حدود میں رہنے کی اجازت نہیں۔

یہ تمام احکام ایسے سخت ہیں جنکا تحمل ایک ضعیف سے ضعیف محکوم قوم بھی نہیں کر سکتی اور یہی وجہ ہے کہ امام شافعی وغیرہ کا مذہب سلطنت کے ساتھ نہ نبہ سکا۔ مصر میں بے شبہ ایک مدت تک گورنمنٹ کا مذہب شافعی تھا لیکن اس کا یہ نتیجہ تھا کہ عیسائی اور یہودی قومیں اکثر بغاوت کرتی رہیں۔

اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضرور ہے کہ فقہ حنفی کی کتابوں میں ذمیوں کے متعلق چند ایسے احکام بھی مذکور ہیں جو نہایت سختی اور تنگدلی پر مبنی ہیں اور چونکہ وہ اس طریقہ سے ظاہر کئے گئے ہیں کہ گویا وہ خاص امام ابو حنیفہ کے مسائل ہیں اس لئے غیر قوموں کو مذہب حنفی پر بلکہ عموماً مذہب اسلام پر حملہ کرنے کا موقع ملا ہے ہدایہ میں ہے کہ ذمیوں کو ضرور ہے کہ وہ ہتیار نہ لگائیں۔ زنار پہنیں۔ انکے گھروں پر علامت بنا دی جاوے جس سے ظاہر ہو کہ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں،، وغیرہ وغیرہ صاحب ہدایہ نے ان احکام کی وجہ یہ بتائی ہے کہ ذمیوں کی تحقیر ضروری ہے۔

فتاوی عالمگیری میں اس سے بھی زیادہ سخت و بیرحمانہ احکام ہیں لیکن یہ جو کچھ ہے متاخرین فقہا کی ایجاد ہے ورنہ امام ابو حنیفہ کا دامن اس داغ سے پاک ہے۔

امام ابو حنیفہ سے جو کچھ اسباب میں مروی ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ ذمی زنار باندھیں اور ایسے زین پر سوار ہوں جنکی شکل زنیلی کی سی ہوتی ہے۔ البتہ قاضی ابو یوسف صاحب نے بعض اور احکام اس پر بڑھائے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ ذمی مسلمانوں کے ساتھ وضع قطع لباس سواری میں مشابہت نہ اختیار کریں اور لمبی ٹوپیاں اوڑھیں اور انکے زین کے آگے گول لکڑی ہو اور انکی جوتیوں کے تسمے دوہرے ہوں اور انکی عورتیں کجاووں پر نہ سوار ہوں قاضی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عمر نے ذمیوں کے بارے میں یہی احکام صادر کئے تھے اور اسکی وجہ خود حضرت عمر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ذمیوں کی وضع مسلمانوں کی وضع سے الگ رہے۔

بلا شبہہ یہ حضرت عمر کے احکام ہیں لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ یہ احکام ذمیوں کی تحقیر کی وجہ سے صادر ہوئے تھے سخت غلطی ہے۔ افسوس ہے کہ اس غلطی کا ارتکاب اکثر متاخرین فقہا نے کیا ہے شبہہ

لہ دیکھو جامع صغیر امام محمد ۱۲ لہ قاضی ابو یوسف صاحب نے یہ احکام کتاب الخراج میں لکھے ہیں ۱۲

حضرت عمرؓ کا ایک طبعی مذاق تھا کہ وہ قومی امتیاز کو پسند کرتے تھے۔ انھوں نے اہل فوج کو اکثر فرمانوں میں لکھا ہے کہ وہ جاڑوں میں دھوپ کھانا نچھوڑیں گھوڑوں پر رکاب کے سہارے سے سوار نہ ہوں موٹے کپڑے استعمال کریں جس سے مقصد یہ تھا کہ اہل عرب اپنے ملک وطن کی خصوصیت کو محفوظ رکھیں اسی بنا پر انھوں نے اہل عجم کو جنہوں نے اسلام نہیں قبول کیا تھا تاکید کی کہ وہ اپنی قومی خصوصیتوں کو ضائع نہونے دیں اہل عجم زمانہ اسلام سے پہلے زنار باندھتے تھے لمبی[1] ٹوپیاں اوڑھتے تھے۔ انکے زین آجکل کے انگریزی زین کے مشابہ ہوتے تھے۔ اونکی عورتیں اونٹوں پر نہیں سوار ہوتی تھیں چنانچہ انہی رسوم وعادات کی نسبت حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اہل ذمہ اسکی پابندی کریں یہی احکام ابو حنیفہ اور قاضی ابو یوسف نے قائم رکھے جنکا مقصد صرف اسقدر ہے کہ دونوں قومیں اپنی خصوصیات پر قائم ہیں۔

البتہ امام ابو حنیفہ نے یہ حکم دیا ہے کہ اہل ذمہ اسلامی شہروں میں اپنی عبادت گاہیں نہ بنائیں لیکن انکا مقصد صرف اس قدر تھا کہ امن وامان میں خلل نہ ہو اور مسلمان رعایا جو اکثر عرب کی نسل سے تھے اور ناقوس کی صداؤں سے انکے کان آشنا نہ تھے فساد پر نہ آمادہ ہوں اس حکم نے ذمیوں کے حق میں چنداں وقت بھی نہیں پیدا کی مسلمانوں نے جو شہر آباد کئے وہ دو چار شہر سے زیادہ نہ تھے باقی تمام ملک انہیں کے شہروں سے معمور تھا جو غیر قوموں کے آباد کیے ہوئے تھے اور جہاں ذمیوں کو عموماً عبادت گاہوں کے بنانے کی اجازت تھی اسلامی شہروں میں بھی یہ قید اس وقت تک قائم رہی جب تک فتنہ کا احتمال رہا جب یہ خوف جاتا رہا تو ذمیوں کو عام اجازت مل گئی چنانچہ بغداد میں جو خاص اسلامی شہر تھا سیکڑوں ہزاروں چرچ اور گرجے تعمیر ہوئے۔

(۵) ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ جو احکام نصوص سے ماخوذ ہیں اور جن میں ائمہ کا اختلاف ہوا ہے امام ابو حنیفہ جو پہلو اختیار کرتے ہیں وہ عموماً نہایت قوی اور مدلل ہوتا ہے نص کا لفظ قرآن۔ حدیث دونوں پر اطلاق کیا جاتا ہے اور اس لحاظ سے وہ احکام بھی نصی کہے جاتے ہیں جو قرآن سے نہیں بلکہ صرف حدیث سے ثابت ہیں لیکن اس موقع پر ہم ان سے بحث نہیں کر سکتے اور اسکے مختلف وجوہ ہیں اول تو یہ کہ اس قسم کے مسائل نہایت کثرت سے ہیں جنکا مختصر سے مختصر حصہ بھی اس کتاب میں نہیں آسکتا اگر چند مسائل نمونہ کے طور پر بیان کئے جائیں تو بدگمانوں کو اس سوظن کا موقع باقی رہتا ہے کہ چند قوی مسائل لے لئے اور ضعیف چھوڑ دئے دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ آج ان مسائل کا فیصلہ مجتہدانہ نہیں ہو سکتا۔

لفظ نص کا اطلاق قرآن اور حدیث دونوں پر کیا جاتا ہے۔

[1] خلیفہ منصور نے اپنے درباریوں کو اسی قسم کی ٹوپیوں کے اوڑھنے پر مجبور کیا تھا جس کی نسبت مورخین لکھتے ہیں کہ منصور نے عجم کی تقلید کی ۱۲

حدیث کے متعلق بہت بڑی بحث صحت وعدم صحت کی پیدا ہوتی ہے اور یہی وہ چیز ہے جس نے مسائل فقہ میں ائمہ کو مختلف الآرا کر دیا ہے ایک امام کے نزدیک ایک حدیث قابل حجت ہے دوسرے کے نزدیک نہیں اس بحث کے تصفیہ کیلئے جو سامان ہمارے ملک میں موجود ہے وہ بالکل ناکافی ہے اور اس سے کسی حدیث کی نسبت مجتہدانہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ بڑا مرحلہ اسماء الرجال کا ہے اس فن کی جو کتابیں ہمارے ملک میں موجود ہیں مثلاً تہذیب الکمال مزی تہذیب التہذیب میزان الاعتدال طبقات الحفاظ۔ تہذیب الاسماء واللغات وغیرہ ان میں جرح وتعدیل کے متعلق ائمہ کے جو اقوال مذکور ہیں اکثر انکا سلسلہ سند مذکور نہیں اس لئے محدثانہ حیثیت سے اسکے ثبوت وعدم ثبوت کا تصفیہ نہیں ہو سکتا اسکے علاوہ اکثر جروح مبہم ہیں اور جن جرحوں کو مفسر قرار دیا ہے۔ وہ بھی ابہام سے خالی نہیں۔ قدماء نے اس ... فن میں جو تصنیفات لکھیں اسنے بلا شبہہ یہ مباحث طے ہو سکتے ہیں لیکن وہ یہاں میسر نہیں آتیں علماء حنفیہ نے خاص اس بحث پر کہ حنفی فقہ کے مسائل احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں۔ بہت سی کتابیں لکھی ہیں جسکو زیادہ شوق ہو ان تصنیفات کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔

لیکن قرآن مجید میں اس بحث کا بڑا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے کیونکہ قرآن کے ثبوت میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔ اس لئے نزع کا مدار صرف اسپر رہجاتا ہے کہ جو مسئلہ اس سے مستنبط کیا گیا صحیح طور پر کیا گیا یا نہیں اس حالت میں بحث مختصر رہجاتی ہے اور نہایت آسانی سے اس کا تصفیہ ہو جاتا ہے قرآن مجید سے جو احکام ثابت ہیں انکی تعداد بھی کچھ کم نہیں ہے اور وہ فقہ کے مہمات مسائل ہیں اس لئے اگر یہ ثابت ہو کہ حنفی فقہ کے مسائل نصوص قرآن سے زیادہ مطابق ہیں تو مہمات مسائل میں فقہ حنفی کی ترجیح بآسانی ثابت ہو جائیگی اس کے ساتھ یہ بھی ثابت ہو جائے گا کہ امام ابو حنیفہ کو حیثیت اجتہاد میں تمام ائمہ پر ترجیح ہے کیونکہ اجتہاد کا مدار زیادہ تر استنباط اور استخراج ہی پر ہے۔

ان وجوہ کی بنا پر۔ اگرچہ ہم صرف ان مسائل پر اکتفا کرتے ہیں جو قرآن سے ثابت ہیں تاہم حدیث کے متعلق ایک اجمالی بحث ضرور ہے جس سے بدگمانی کو سوء ظن کا موقع نہ ہو بعض لوگوں کا خیال ہے کہ امام صاحب کے بہت سے مسائل احادیث صحیحہ کے مخالف ہیں ان لوگوں میں سے بعض نے الزام دیا ہے کہ امام صاحب نے دانستہ حدیث کی مخالفت کی بعض انصاف پسند وجہ یہ بتاتے ہیں کہ امام صاحب کے زمانہ تک احادیث کا استقصا نہیں کیا گیا تھا اس لئے بہت سی حدیثیں انکو نہیں پہنچیں لیکن یہ خیال محض لغو اور بے سر و پا ہے امام صاحب کے زمانہ تک تو حدیثیں جمع نہیں ہوئی تھیں لیکن جب جمع ہو چکیں اس وقت بڑے بڑے محدثین انکے مسائل کو کیوں تسلیم کرتے رہے وکیع بن جراح جنکی روایتیں صحیح بخاری میں بکثرت موجود

اس بدگمانی کی تردید کہ حنفی کے مسائل حدیث کے مخالف ہیں

ہیں اور جنکی نسبت امام احمد حنبل کہا کرتے تھے کہ میں نے ان سے بڑھکر کسی کو حافظ العلم نہیں دیکھا وہ امام ابو حنیفہ کے مسائل کی تقلید کرتے تھے خطیب بغدادی نے انکے حال میں لکھا ہے کان یفتی بقول ابی حنیفۃ[1] یحییٰ بن سعید بن القطان جو فن جرح و تعدیل کے موجد ہیں اکثر مسائل میں امام ابو حنیفہ کے پیرو تھے خود انکا قول ہے قد اخذنا باکثر اقوالہ[2] امام طحاوی جو حافظ الحدیث تھے اور مجتہد فی المذہب کا درجہ رکھتے تھے۔ پہلے شافعی تھے۔ پھر امام ابو حنیفہ کے مسائل اختیار کئے اور کہا کرتے تھے کہ میں ابو حنیفہ کا مقلد نہیں ہوں بلکہ مجکو انکے توارد سے طحاوی امام بخاری اور مسلم کے ہمزبان ہیں اور یہ وہ زمانہ ہے جب حدیث کا دفتر کامل طور سے مرتب ہو گیا تھا۔ متاخرین میں علامہ ماردینی۔ حافظ زیلعی۔ ابن الہمام قاسم بن قطلوبغا وغیرہم کی نسبت قلت نظر کا کون گمان کر سکتا ہے؟ یہ لوگ عموماً حنفی مسائل کے حامل ہیں۔

اسکے علاوہ جو لوگ عموماً حافظ الحدیث تسلیم کئے گئے ہیں انکے مسائل امام ابو حنیفہ سے کیوں موافق ہیں طبقہ اولیٰ میں سب سے بڑے محدث امام احمد حنبل ہیں جنکی شاگردی پر بخاری و مسلم کو ناز تھا اور جنکی نسبت محدثین کا عام قول ہے کہ جس حدیث کو احمد حنبل نہ جانتے ہوں وہ حدیث ہی نہیں۔ امام احمد حنبل بہت سے مسائل میں امام شافعی کے مخالف اور امام ابو حنیفہ کے موافق ہیں۔ خوارزمی نے لکھا ہے کہ فروع و جزئیات چھوڑکر امہات فقہ کے متعلق ایک سو پچیس مسئلوں میں انکو امام ابو حنیفہ کے ساتھ اتفاق ہے اور امام شافعی سے اختلاف ہم نے خود بہت سے مسائل میں تطبیق کی ہے جس سے خوارزمی کے دعوی کی تائید ہوتی ہے سفیان ثوری امام احمد حنبل کو محدثین نے امام الحدیث تسلیم کیا ہے انکے مسائل امام ابو حنیفہ کے موافق ہیں قاضی ابو یوسف کہا کرتے تھے کہ واللہ سفیان اکثر متابعۃ منی لابی حنیفۃ یعنی خدا کی قسم سفیان مجھ سے زیادہ ابو حنیفہ کی پیروی کرتے ہیں،، صحیح ترمذی میں سفیان ثوری کے مسائل مذکور ہیں جو زیادہ تر شافعی کے مخالف اور ابو حنیفہ کے موافق ہیں۔

اس خیال کے پیدا ہونے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ بعض محدثین مثلاً امام بخاری ابن ابی شیبہ نے امام ابو حنیفہ کے متعدد مسائل کی نسبت تصریح کی ہے کہ حدیث کے خلاف ہیں ابن ابی شیبہ نے امام ابو حنیفہ کے رد میں ایک مستقل باب لکھا ہے لیکن یہ خیال کرنے والونکی کوتاہ نظری ہے۔ اکثر آئمہ نے ایک دوسرے پر جرح و اعتراض کیا ہے امام شافعی امام مالک کے با اخلاص شاگرد تھے اور کہا کرتے تھے کہ آسمان کے نیچے موطا امام مالک سے صحیح کوئی کتاب نہیں باوجود اسکے انھوں نے امام مالک کے رد میں ایک مستقل رسالہ لکھا جس میں دعوی کیا ہے کہ امام مالک کے بہت سے مسائل احادیث صحیحہ کے

[1] مختصر تاریخ بغداد لابن جولہ ترجمہ وکیع بن الجراح ۱۲ [2] تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر ترجمہ امام ابو حنیفہ ۱۲

خلاف ہیں امام رازی نے مناقب الشافعی میں اس رسالہ کا دیباچہ نقل کیا ہے اور خود ہماری نظر سے گذرا ہے لیث بن سعد جو مشہور محدث ہیں کہا کرتے تھے کہ امام مالک نے ستر مسئلوں میں حدیث کی مخالفت کی ہے چنانچہ میرا ارادہ ہے کہ میں انکو اس کی نسبت خط لکھوں" امام شافعی بھی اس اعتراض سے نہیں بچے اور کیونکر بچ سکتے تھے جہر بسم اللہ و قنوت فی الفجر و ترک توریث ذوی الارحام وغیرہ مسائل میں انکا مذہب صریح حدیثوں کے مخالف معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اجتہادی امور ہیں اور انکی بنا پر ہم کسی کو مخالف حدیث نہیں کہہ سکتے جس حدیث کو ایک مجتہد صحیح سمجھتا ہے ضرور نہیں کہ دوسرے مجتہد کے نزدیک بھی صحیح ہو پھر اس مرحلے کے طے ہونے کے بعد استنباط و استدلال کی بحث باقی رہتی ہے جس میں مجتہدین بہت کم متفق الرائے ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ استنباط و استدلال کے اصول جداگانہ ہیں امام بخاری کا جزء القراءۃ ہمنے دیکھا ہے جامع صحیح میں جہاں وہ امام ابو حنیفہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں اس سے بھی ہم واقف ہیں سب سے پہلے ان مسئلوں میں امام بخاری کا دعوی ہے کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب حدیث کے مخالف ہے لیکن امام بخاری کی تحریر اور امام ابو حنیفہ کا فتوی دونوں ہمارے سامنے ہیں اور ہم خود سمجھ سکتے ہیں کہ ان مسائل میں امام صاحب کا مذہب حدیث کے مخالف ہے یا امام بخاری کے فہم و اجتہاد کے مخالف ہے۔ قرأت فاتحہ کے مسئلے میں امام ابو حنیفہ کا استدلال اس آیت پر ہے واذا قری القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا امام بخاری جزء القرأت میں فرماتے ہیں کہ یہ آیت خطبہ کے بارے میں اتری ہے یعنی نماز سے اسکو تعلق نہیں۔ امام بخاری کا یہ جواب کس قدر حیرت انگیز ہے اگر رسالہ جزء القراءۃ خود ہماری نظر سے نہ گذرا ہوتا تو ہمکو مشکل سے یقین آتا کہ واقعی یہ امام بخاری کا قول ہے اول تو بیسیوں روایتوں سے ثابت ہے کہ یہ آیت نماز میں اتری ہے تو یہ کون نہیں جانتا ہے کہ مورد ورود کے خاص ہونے سے آیت کا حکم عام ہے خاص نہیں ہو سکتا۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ امام و مقتدی کو آمین آہستہ کہنی چاہئے۔ امام بخاری برخلاف اسکے جہر کے قائل ہیں اور دلیل یہ لاتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ جب امام والضالین کہے تو تم آمین کہو لیکن اس حدیث میں جہر کا کہاں ذکر ہے اور مطلق آمین کہنے سے تو امام ابو حنیفہ کو بھی انکار نہیں۔ امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے نبیذ تمری بشرطیکہ مسکر نہ ہو وضو جائز ہے امام بخاری اسکے خلاف ترجمۃ الباب باندھتے ہیں اور حدیث نقل کرتے ہیں کہ کل ما اسکر حرام

امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ مقتدی کے لئے قراءۃ فاتحہ ضروری نہیں۔ امام بخاری وجوب کے مدعی ہیں اور جامع صحیح میں باب باندھا ہے کہ امام و مقتدی پر ہر نماز میں خواہ سفر میں ہو یا حضر میں۔ نماز خواہ جہری ہو یا سری قراءت واجب ہے اس دعوی پر دو حدیثیں پیش کی ہیں ایک یہ کہ کوفہ والوں نے حضرت

عمر کے پاس سعد بن ابی وقاص کی شکایت کی حضرت عمر نے انکو معزول کر دیا۔ اور بجائے انکے عمار کو مقرر کیا۔ کوفہ والے عمار کے بھی شاکی ہوئے کہ انکو تو نماز پڑھنی بھی نہیں آتی۔ حضرت عمر نے عمار کو بلا بھیجا اور ان سے کہا کہ ان لوگوں کا یہ گمان ہے۔ عمار نے کہا واللہ میں انکے ساتھ رسول اللہ کی سی نماز پڑھتا تھا تو پہلی دو رکعتوں میں دیر تک قیام کرتا تھا اور دو اخیر کی رکعتوں میں تخفیف کرتا تھا"

اس حدیث سے قرأت فاتحہ کا وجوب کیونکر ثابت ہوا حافظ ابن حجر وغیرہ نے جو تاویلیں کی ہیں انسے اگر بہزار دقت وجوب پر استدلال بھی ہو تو کیا اسکی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے حدیث کی مخالفت کی۔!!

حقیقت یہ ہے کہ کسی مجتہد کی نسبت یہ خیال کرنا کہ اسکو احکام کے متعلق حدیثیں نہیں پہنچیں۔ سخت غلطی ہے لیکن چونکہ حدیثوں کا معیار صحت و وجوہ استنباط طرق استدلال تمام مجتہدین کے نزدیک متحد نہیں۔ اس لئے مسائل میں اختلاف کا پیدا ہونا ضرور تھا۔

اب ہم اس ضمنی بحث کو چھوڑ کر مقصد کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ہمارا دعوی ہے کہ قرآن مجید کی تمام آیتیں جن سے کوئی مسئلہ فقہی مستنبط کیا گیا ہے۔ ان کے وہی معنی صحیح اور واجب العمل ہیں جو امام ابو حنیفہ نے قرار دئے ہیں۔ قرآن مجید میں احکام کی آیتیں سو سے متجاوز ہیں اس لئے ہم ان کا استقصا تو نہیں کر سکتے البتہ مثال کے طور پر متعدد مسائل کا ذکر کرتے ہیں جن سے ایک عام اجمالی خیال قائم ہو سکتا ہے!!

فرائض وضو

امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ وضو میں چار فرض ہیں۔ امام شافعی دو فرض اور اضافہ کرتے ہیں یعنی نیت اور ترتیب امام مالک بجائے انکے موالات کو فرض کہتے ہیں۔ امام احمد حنبل کا مذہب ہے کہ وضو کے وقت بسم اللہ کہنا ضروری ہے۔ اور اگر قصداً نہ کہا تو وضو باطل ہے امام صاحب کا استدلال ہے کہ آیت میں صرف چار حکم مذکور ہیں اس لئے جو چیز ان احکام کے علاوہ ہے وہ فرض نہیں ہو سکتی۔ نیت و موالاۃ و تسمیہ کا تو آیہ میں کہیں وجود نہیں۔ ترتیب کا گمان البتہ واؤ کے حرف سے پیدا ہوتا ہے لیکن علمائے عربیت نے متفقاً طے کر دیا ہے کہ واؤ کے مفہوم میں ترتیب داخل نہیں۔

امام رازی نے تفسیر کبیر میں ترتیب کی فرضیت کے لئے متعدد دلیلیں پیش کی ہیں لیکن انصاف یہ ہے کہ ان کا رتبہ تاویل سے بڑھکر نہیں۔ بڑا استدلال یہ ہے کہ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ میں حرف فا تعقیب کے لئے ہے جس سے اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ منہ کا پہلے دہونا فرض ہے اور جب ایک رکن میں ترتیب ثابت ہوئی تو باقی ارکان میں بھی ہونی چاہئے۔ دوسری دلیل یہ لکھی ہے کہ وضو کا حکم خلاف عقل حکم ہے اس لئے اس کی تعمیل بھی اسی ترتیب سے فرض ہونا چاہئے جس طرح آیت میں مذکور ہے کیونکہ وضو کا حکم

جس طرح خلاف عقل ہے۔ ترتیب بھی خلاف عقل ہے۔ امام رازی کی یہ دلیلیں جس رتبہ کی ہیں خود ظاہر ہیں اس پر رد و قدح کی ضرورت نہیں۔

امام ابو حنیفہ کا قول ہے عورت کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ امام شافعی اسکے مخالف ہیں اور استدلال میں یہ آیت پیش کرتے ہیں وَاِنْ کُنْتُمْ مَّرْضٰی اَوْ عَلٰی سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا یعنی اگر تم بیمار ہو۔ یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص غایط[1] سے آئے یا تم نے عورت کو چھوا ہو اور تمکو پانی نہ ملے تو تم تیمم کرو۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ عورت کے چھونے سے جماع و مقاربت مراد ہے اور یہ قرآن مجید کا عام طرز ہے کہ ایسے امور کو صریحًا تعبیر نہیں کرتا۔ "لطف یہ ہے کہ اس لفظ ہم معنے لفظ "مس" ہے جسکے معنی چھونے کے ہیں۔ خدا نے اس آیت میں جماع کے معنے میں استعمال کیا ہے اور خود امام شافعی تسلیم کرتے ہیں کہ وہاں جماع ہی مقصود ہے حقیقت یہ ہے کہ آیت میں ملامسہ کے ظاہری معنے لینے ایسی غلطی ہے جو ہرگز اہل زبان سے نہیں ہوسکتی اس آیت میں غایط کا لفظ بھی تو ہے اسکو تمام مجتہدین کنایہ قرار دیتے ہیں ورنہ ظاہری معنے لئے جائیں تو لازم آئے کہ جو شخص ہموار زمین سے ہو کر آئے اسپر وضو کرنا واجب ہو"

میری رائے میں اگرچہ امام شافعی کا یہ مذہب ہے کہ عورت کے چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے لیکن ان کا استدلال اس آیت پر نہیں ہے وہ حدیث سے اسناد کرتے ہوں گے غالبًا ان کے بعد ان کے مقلدوں نے حنفیہ کے مقابلہ کے لئے آیت سے استدلال کیا اور اس کو امام شافعی کی طرف منسوب کر دیا۔

ایک تیمم سے کئی فرض ادا ہوسکتے ہیں۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ ایک تیمم سے کئی فرض ادا ہوسکتے ہیں۔ امام مالک و شافعی کی رائے ہے کہ ہر فرض کے لئے نیا تیمم کرنا چاہیے۔ امام صاحب کا استدلال ہے کہ جو حیثیت وضو کے حکم کی ہے وہی تیمم کی ہے اور جب ہر نماز کے لئے وضو کی ضرورت نہیں تو تیمم کی تجدید کی بھی ضرورت نہیں البتہ جن لوگوں کا مذہب ہے کہ ایک وضو سے کئی نمازیں نہیں ادا ہوسکتیں وہ تیمم کی نسبت بھی یہ حکم لگا سکتے ہیں لیکن وضو و تیمم میں تفریق کرنی جیسا کہ امام شافعی وغیرہ نے کی محض بے وجہ ہے۔

تیمم کا نماز میں برقرار ہونا

امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ اثنار نماز میں تیمم کو اگر پانی ملجائے تو تیمم جاتا رہے گا۔ امام مالک و احمد حنبل اسکے مخالف ہیں امام صاحب کا استدلال یہ ہے کہ قرآن میں تیمم کا جواز اس قید کے ساتھ مشروط ہے کہ لَمْ تَجِدُوْا مَآءً یعنے جب پانی نہ ملے صورت مذکورہ میں جب شرط باقی نہیں رہتی تو مشروط

[1] غایط کے معنے ہموار زمین کے ہیں لیکن اس سے جائے ضرور یعنی پاخانہ مراد ہے ۱۲

بھی باقی نہیں رہا۔

باب الصلوٰۃ تکبیر تحریمہ جزو نماز نہیں

امام صاحب کا قول ہے کہ تکبیر تحریمہ جزو نماز نہیں اور فارسی زبان میں تکبیر کہنا درست ہے امام شافعی وغیرہ مخالف ہیں امام صاحب کا استدلال ہے کہ جس آیت سے تکبیر کی فرضیت ثابت کی گئی ہے یعنے وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلّٰى اس میں زبان کی کوئی خصوصیت نہیں اور چونکہ یہاں تعقیب داخل ہے اس لئے نماز کا وجود تکبیر سے موخر ہونا ضرور ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تکبیر گو فرض ہے لیکن نماز میں داخل نہیں۔ اور جزو نماز نہیں۔

مقتدی کو قرات فاتحہ ضروری نہیں

امام صاحب کا مذہب ہے کہ مقتدی کو قرارت فاتحہ ضروری نہیں۔ امام شافعی و امام بخاری وجوب کے قائل ہیں۔ امام صاحب اس آیت سے استدلال کرتے ہیں وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا جب قرآن پڑھا جاوے تو سنو اور چپکے رہو۔ اگرچہ اس آیت سے سری نمازوں میں بھی ترک قراۃ کا حکم ثابت ہوتا ہے لیکن خاصکر جہری نماز کے لئے تو وہ نص قاطع ہے جس کی کوئی تاویل نہیں ہوسکتی تعجب ہے کہ شافعیہ نے ایسے صاف اور صریح آیت کے مقابلہ میں حدیثوں سے استدلال کیا ہے حالانکہ حدیثیں جو اس باب میں وارد ہیں خود متعارض ہیں جس درجہ کی وجوب قرارت کی حدیثیں موجود ہیں اسی درجہ کی ترک قرارت کی بھی ہیں۔

امام بخاری نے اس بحث میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور کوشش کی ہے کہ آیت کے استدلال کا جواب دیں لیکن جواب ایسا دیا ہے جسکو دیکھکر تعجب ہوتا ہے

کتاب الحظر والاباحۃ یعنے حلال وحرام

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ترجمہ یعنی سوائے اسکے نہیں ہے کہ حرام کیا خدا نے تمپر مردہ کو اور خون کو اور سور کے گوشت کو اور اس چیز کو جسپر خدا کے سوا اور کسی کا نام لیا جاوے لیکن جو شخص مجبور ہو بشرطیکہ نافرمان اور حد سے گذر جانے والا نہ ہو تو اسپر گناہ نہیں ہے اس آیت سے بہت سے مسائل مستنبط ہوتے ہیں جن میں مجتہدین کو باہم اختلاف ہے ان تمام مختلف فیہ مسائل میں امام ابوحنیفہ نے آیت کا جو مطلب قرار دیا ہے وہی صحیح ہے پہلی بحث یہ ہے کہ مردہ سے کیا معنے ہیں امام ابوحنیفہ وہی عام معنے لیتے ہیں جو عام اطلاق میں شائع ہے امام شافعی نے اس کو بہت وسعت دی ہے یہانتک کہ مردہ جانوروں کے بالوں اور ہڈیوں کو بھی مردہ کہتے ہیں اس بناپر انکی رائے ہے کہ ان چیزوں سے کسی قسم کا تمتع مثلاً پوستین وغیرہ کا استعمال جائز نہیں۔ امام مالک بال اور کھال کا کام میں لانا جائز قرار دیتے ہیں لیکن ہڈی کا استعمال انکے نزدیک بھی حرام ہے۔

امام شافعی سے اور امام مالک سے [illegible] چونکہ صاف غلط معلوم ہوتے ہیں اس لئے

ان کے مقلدوں نے تاویلیں کیں۔ امام رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ ہڈی کو مردہ کہہ سکتے ہیں کیونکہ خدا نے قرآن میں فرمایا ہے مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ یعنے ہڈی کو کون زندہ کرے گا اور زندہ وہی چیز ہو سکتی ہے جو پہلے مر چکی ہو اسی طرح خدا نے زمین کو مردہ کہا ہے۔" امام رازی کی یہ تاویل نہایت تعجب خیز ہے اس قسم کے اطلاقات مجازی اطلاق ہیں جن پر احکام کی تفریع نہیں ہو سکتی۔ امام رازی نے زمین کا مردہ ہونا قرآن مجید سے ثابت کیا ہے تو زمین اور خاک کے استعمال کو بھی ناجائز قرار دینا چاہیے۔

دوسری بحث یہ ہے کہ خون جسکو اس آیت میں حرام کہا ہے اس سے کیا مراد ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ دم مسفوح ہے یعنی جس خون میں روانی ہو اسی بنا پر مچھلی کے خون کو حرام نہیں کہتے امام شافعی کے نزدیک اس میں کوئی تخصیص نہیں اور ہر قسم کا خون حرام ہے امام صاحب کا استدلال یہ ہے کہ یہ تخصیص خود خدا نے کی ہے چنانچہ دوسرے موقع پر فرمایا قُلْ لَّا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا۔ اس آیت میں خون کی تحریم کو مسفوح کے ساتھ مقید کر دیا

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ باغ و عاد سے کیا مراد ہے۔ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ کھانے میں بغاوت و عدوان نہ ہو یعنی جو شخص مجبور ہو اور جان بلب ہو اس کو مردہ و سور کا گوشت کھانا جائز ہے لیکن اس شرط پر کہ سد رمق سے زیادہ نہ کھائے اور کسی دوسرے مضطر سے چھین کر نہ کھائے۔ امام شافعی بغاوت اور عدوان کے یہ معنے لیتے ہیں کہ اس شخص نے سلطان وقت سے بغاوت نہ کی ہو اور گنہگار نہ ہو اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک مسلمان شخص جو سلطان وقت سے باغی ہو کسی موقع پر فاقہ سے جان بلب ہو جائے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کو مردہ یا سور کا گوشت بقدر سد رمق کھانا جائز ہے۔ بخلاف اس کے امام شافعی کا قول ہے کہ وہ اگر باغی نہ ہوتا تو کھانا جائز تھا لیکن بغاوت کی حالت میں اسکو اجازت نہیں مل سکتی"

امام شافعی نے ان الفاظ کے جو معنے لئے اولاً تو سیاق عبارت سے بالکل بیگانہ ہیں۔ دوسرے اصول شرع اس کی مساعدت نہیں کرتے۔ شریعت نے ضرورت کے وقت جن چیزوں کی رخصت یا اجازت دی ہے وہ کسی جرم و عصیان سے باطل نہیں ہوتی جھوٹ بولنا گناہ ہے اور بعض حالتوں میں مثلاً جب جان کا خوف ہو اس کی اجازت دی گئی ہے کیا ایک گنہگار شخص اس اجازت سے متمتع نہیں ہو سکتا؟ صورت متنازعہ میں اگر اس شخص کو اس لئے کھانے کی اجازت نہیں دی گئی کہ اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر ہے تو حرام کی کیا تخصیص ہے اسکے لئے تو حلال غذا کی بھی اجازت نہ ہونی چاہیے۔

یہ مسائل تو لفظی تھے امام ابوحنیفہ نے اس آیت سے ایک قیاسی مسئلہ قائم کیا ہے اور امام شافعی نے اس سے مخالفت کی ہے یعنی ایک شخص پیاس سے جان بلب ہو اور بجز شراب کے اور کوئی چیز اس کو

تو اس کو شراب پینے کی اجازت ہے یا نہیں۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے اور امام شافعی کے نزدیک نہیں امام شافعی اگر ظاہریوں کی طرح قیاس کے منکر ہوتے تو اس جواب سے کچھ تعجب نہ ہوتا لیکن قیاس کے قائل ہوکر یہ مخالفت محل تعجب ہے کیونکہ یہ حالت اور جس حالت کا ذکر قرآن میں صریحاً ہے دونوں کی علت مشترک ہے یعنی حفاظت نفس پھر حکم کے نہ مشترک ہونیکی کوئی وجہ نہیں۔

جنایات

جنایات کے باب میں جو احکام قرآن مجید میں وارد ہیں انکی تعبیر جس صحت کے ساتھ امام ابوحنیفہ نے کی کسی دوسرے مجتہد نے نہیں کی زمانہ جاہلیت میں قصاص کے جو قاعدے رائج تھے نہایت ناانصافی اور جہالت پر مبنی تھے اسلام نے نہایت خوبی سے اس کی اصلاح کی اور ایسے احکام مقرر کئے جن سے بڑھکر نہ کبھی ہوئے نہ ہو سکتے۔ جاہلیۃ میں قصاص کا اعتبار مقتول و قاتل کی حیثیت سے کیا جاتا تھا جو معزز قبیلے تھے۔ وہ دوسرے قبیلوں سے اس طرح قصاص لیتے تھے کہ اپنے غلام کے بدلے دوسرے قبیلہ کے آزاد کو اپنی عورت کے بدلے انکے مرد کو اور اپنے مرد کے بدلے دوسرے قبیلہ کے دو مردوں کو قتل کرتے تھے خدا نے قصاص کا عام حکم صادر فرمایا جسکا یہ مطلب ہے کہ قصاص کا حکم کسی قید کے ساتھ مقید نہیں ہے قاتل ہر حالت میں مقتول کے بدلے مارا جائیگا خواہ شریف ہو یا رذیل۔ مرد ہو یا عورت غلام ہو یا آزاد مسلم ہو یا ذمی زیادہ توضیح کے لئے ان صورتوں کی خاص طور پر نفی کی جو عرب میں اسلام سے پہلے جاری تھیں چنانچہ ارشاد فرمایا کہ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ ترجمہ یعنی تم پر مقتول کے بارے میں قصاص فرض کیا گیا۔ آزاد۔ آزاد کے بدلے غلام غلام کے بدلے عورت عورت کے بدلے۔

زمانہ جاہلیت میں یہ بھی دستور تھا کہ قتل عمد کے بارے میں مالی معاوضہ دیدینا کافی سمجھا جاتا تھا اور اسکو دیت کہتے تھے اسلام نے اسکو باطل کیا اور دیت کو جو ایک قسم کا جرمانہ ہے صرف شبہ عمد اور قتل خطا کی حالت میں جائز رکھا۔ اور اسکی مقدار مسلمان و ذمی کے لئے یکساں مقرر کی چنانچہ خدا نے ارشاد فرمایا کہ وما کان لمومن ان یقتل مومنا الا خطاءً ومن قتل مومنا خطاءً فتحریر رقبة مومنة ودیة مسلمة الی اهله الا ان یصدقوا فان کان من قوم عدو لکم وهو مومن فتحریر رقبة مومنة وان کان من قوم بینکم وبینهم میثاق فدیة یعنی مسلمان کی شان نہیں کہ کسی مسلمان کو قتل کرے۔ مگر غلطی سے اور جو شخص کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کرے تو اسکو ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا اور مقتول کے اہل کو دیت دینی ہوگی۔ اور اگر مقتول اس قوم سے ہو کہ تمہارے اور انکے درمیان میثاق ہے تو دیت دینی ہوگی اور ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا۔

یہ احکام نہایت صاف اور صریح طور پر قرآن سے ثابت ہوتے ہیں اور امام ابو حنیفہ انہیں احکام کے قائل ہیں لیکن امام شافعی وغیرہ نے بعض مسائل میں اختلاف کیا ہے جسکی نسبت ہم افسوس کے ساتھ کہتے ہیں کہ یقیناً انکی غلطی ہے

پہلا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی و امام مالک و احمد حنبل قائل ہیں کہ غلام کے بدلے آزاد قتل نہیں کیا جا سکتا، غلام اور آزاد میں ایسا بیرحمانہ تفرقہ کرنا ہرگز قرآن سے ثابت نہیں ہوتا اگر الحر بالحر کی تخصیص سے استدلال ہے تو الانثی بالانثی کی تخصیص سے کہ عورت کے بدلے مرد نہ قتل کیا جاوے حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں۔

دوسرا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی ذمی کی دیت مسلمان کی دیت سے کم قرار دیتے ہیں حالانکہ دیت کے جو الفاظ خدا نے مومن کے حق میں استعمال کئے وہی ان لوگوں کے حق میں بھی ارشاد کئے جو مسلمانوں سے میثاق و معاہدہ رکھتے ہیں بے شبہہ یہ اسلام کی نہایت فیاض دلی ہے کہ اس نے مسلمان و ذمی کا حق برابر رکھا لیکن افسوس ہے کہ ایسے فیاضانہ حکم کی لوگوں نے غلط تاویل کی۔

تیسرا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی قتل عمد کی حالت میں بھی مالی معاوضہ ادا کرنا کافی سمجھتے ہیں حالانکہ قرآن مجید میں قتل عمد کی حالت میں قصاص کا حکم ہے دیت کی کہیں اجازت نہیں اور یہی اقتضائے عقل ہے۔ جاہلیت میں قتل مقدمات دیوانی کی حیثیت رکھتا تھا اور اس وجہ سے مالی معاوضہ اس کا بدل ہو سکتا تھا لیکن اسلام ایسے غلطی کا مرتکب نہیں ہو سکتا تھا۔

چوتھا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی کیفیت قتل میں مساوات کو لازمی قرار دیتے ہیں یعنے اگر قاتل نے پتھر سے سر پھوڑ کر کسی کو مارا ہو تو وہ بھی پتھر سے سر توڑ کر مارا جاوے یا کسی نے آگ سے جلا کر مارا ہو تو وہ آگ سے جلا کر مارا جاوے لیکن اس قسم کی مساوات پر قرآن کا کوئی لفظ دلالت نہیں کرتا۔

پانچواں اختلاف یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک قتل عمد کی حالت میں کفارہ لازم نہیں آتا امام شافعی قصاص و کفارہ دونوں لازمی قرار دیتے ہیں حالانکہ قرآن مجید میں کفارہ کا حکم قتل خطا کے ساتھ مخصوص ہے قتل عمد میں کفارہ کا کچھ ذکر نہیں۔

وراثت

وراثت کے بعض احکام میں جو نہایت مہتم بالشان ہیں امام ابو حنیفہ نے جو پہلو اختیار کیا وہ نہایت صریح طور سے قرآن سے ثابت ہے وراثت کے قاعدے جو اسلام نے مقرر کئے ہیں۔ وہ تمام دنیا کے قواعد وراثت سے الگ ہیں اور ایسے دقیق اور نازک اصول پر مبنی ہیں جو علانیہ اس بات کی دلیل ہیں کہ خدا کے سوا اور کوئی ان احکام کا واضع نہیں ہو سکتا۔ وراثت کا اصلی اصول یہ ہے کہ متوفی اگرچہ جائداد کا مالک خاص

شخص کو دیا جاتا تو اسی کو ملتی لیکن جب اسنے کوئی ہدایت نہیں کی تو اسپر لحاظ ہوگا کہ اسکے فطری تعلقات کن کن لوگوں کے ساتھ کس کس تفاوت کے ساتھ تھے جو لوگ یہ تعلقات رکھتے ہیں وہ اسی تفاوت درجات کے ساتھ اس کی جائداد کے مالک ہونگے گویا متوفی کی یہ معنوی ہدایت ہے کہ لوگوں کو اسی مناسبت سے دیا جائے جس نسبت سے میرے تعلقات انکے ساتھ تھے دوسرا اصول جو پولیٹکل اکانمی کا عام اصول ہے یہ ہے کہ دولت کا بہت سے اشخاص میں تقسیم ہونا اس سے اچھا ہے کہ وہ ایک شخص تک محدود رہے۔ یہ عمدہ اصول تمام اور قوموں کی نگاہ سے رہ گئے اور اس وجہ سے ان کا قانون وراثت بھی ناتمام اور محدود رہ گیا عیسائیوں کے قانون میں بڑے بیٹے کو جائداد پہنچتی ہے دوسرے بھائیوں کو کچھ دست بردشتہ ملتا ہے ہندوؤں کے ہاں صرف اولاد ذکور جائداد کی مالک ہے۔ باپ بھائی وغیرہ محروم مطلق ہیں لیکن اسلام نے نہایت دقت نظر سے ان نازک تعلقات پر نگاہ کی جو ورثہ کہ متوفی کیساتھ ہیں اور اسی نسبت سے تین درجہ قرار دیئے۔ ذوالفروض۔ عصبات۔ ذوالارحام ان تینوں درجوں کی تصریح قرآن مجید میں موجود ہے اور خاصکر ذوی الارحام کا ذکر ان آیتوں میں۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ امام ابوحنیفہ نے توریث کے احکام میں یہ تینوں مراتب قائم رکھے لیکن امام شافعی و امام مالک نے ذوی الارحام کو سرے سے خارج کر دیا چنانچہ ان کے نزدیک نانا بھتیجیاں۔ بھانجے وغیرہ کسی حال میں ورثہ نہیں پاسکتے ان بزرگوں نے ذوالارحام کو عام سمجھا ہے اور ذوی الفروض وعصبات اسکے افراد قرار دیے ہیں جیساکہ امام رازی نے تفسیر کبیر میں ذکر کیا ہے لیکن یہ ایک صریح غلطی ہے

نکاح وطلاق کے متعلق قرآن میں بہت سے احکام مذکور ہیں جن میں سے بعض بعض میں مجتہدین مختلف الآرا ہیں ان اختلافی مسائل میں دو مسئلے نہایت مہتم بالشان ہیں اور ہم اس موقع پر انھیں کا ذکر کرتے ہیں۔

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک گو عورت بالغہ اور عاقلہ ہو تاہم کسی حالت میں بغیر ولی کی ولایت کے نکاح نہیں کر سکتی امام ابوحنیفہ کے نزدیک بالغہ عاقلہ اپنے نکاح کی آپ مختار ہے اس دعوی پر دونوں طرف سے قرآن کی آیتیں اور حدیثیں پیش کی گئی ہیں احادیث کی بحث کا تو یہ محل نہیں۔ قرآن مجید سے امام شافعی کا جو استدلال ہے اور جسکو خود انھوں نے کتاب الام میں بڑے شد و مد سے لکھا ہے وہ اس آیت پر مبنی ہے وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا

تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن ترجمہ جب تم طلاق دو عورتون کو اور وہ اپنی مدت کو پہنچیں تو انکو اسبات سے نہ روکو کہ وہ اپنے شوہروں سے نکاح کریں" امام شافعی کہتے ہیں کہ تعضلوھن اولیائے نکاح سے خطاب ہے اور انکو حکم دیا گیا ہے کہ عورتوں کو نکاح سے نہ روکیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اولیائے نکاح کو روکنے کا حق حاصل ہے۔ ورنہ نہی کی کیا ضرورت ہے" امام شافعی نے اس مطلب کی تائید میں آیت کی شان نزول کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ معقل بن یسار نے اپنی بہن کی شادی۔ اپنے چچیرے بھائی سے کردی تھی شوہر نے چند روز کے بعد طلاق دیدی۔ لیکن عدت گذر جانے کے بعد اسکو ندامت ہوئی اور اس نے دوبارہ نکاح کرنا چاہا۔ عورت بھی راضی ہوگئی معقل نے سنا تو بہن کے پاس گئے اور کہا کہ میں نے نکاح کردیا تھا اس نے طلاق دیدی اب میں کبھی اس سے نکاح نہ ہونے دونگا اس پر یہ آیت اتری" امام شافعی نے آیت کے جو معنے لئے اگر ہم نے خود انکی کتاب میں اس کو تصریحًا نہ دیکھا ہوتا تو ہمکو مشکل سے یقین آتا کہ یہ انہیں کا قول ہے

اول ہمکو اسپر غور کرنا چاہئے کہ آیت کے یہ معنے ہو بھی سکتے ہیں یا نہیں اس قدر توسب کے نزدیک مسلم ہے کہ طلقتم میں شوہروں کی طرف خطاب ہے اور جب یہ مسلم ہے تو ضرور ہے کہ تعضلوھن میں بھی انہیں کیطرف خطاب ہو ورنہ عبارت بالکل بے ربط ہوگی کیونکہ اس تقدیر پر آیت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ اے شوہرو جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی مدت کو پہونچ چکیں۔ تو اے نکاح کے اولیا تم ان عورتوں کو نکاح سے نہ روکو"۔ اس عبارت کی بے ربطی میں کون شبہ کرسکتا ہے؟ شرط میں تو شوہروں سے خطاب ہوا اور جزا میں ان سے کچھ واسطہ نہیں ہے اور اولیائے نکاح سے تخاطب کیا جائے یہ کونسا طریقہ کلام ہے؟ امام رازی باوجودیکہ شافعی ہیں تاہم انہوں نے تفسیر کبیر میں صاف ... تصریح کی ہے کہ یہ معنے بالکل غلط ہیں۔ اور خدا ایسی بے ربط عبارت بول نہیں سکتا۔ اگر ہم یہ معنے تسلیم بھی کرلیں تو بھی امام شافعی کا استدلال تمام نہیں ہوتا کیونکہ یہ ضرور نہیں کہ جو شخص ایک کام سے روکا جائے وہ اس کام کا حق بھی رکھتا ہو۔

اب ہم اس آیت کا صحیح محل بیان کرتے ہیں۔ جاہلیت میں اکثر دستور تھا کہ لوگ اپنی بیویوں کو طلاق دیتے تھے اور اس غیرت سے کہ جو عورت ان کے ہم بستر رہ چکی ہے دوسرے کے آغوش میں نہ جانے پائے۔ اس عورت کو دوسرا نکاح بھی نہیں کرنے دیتے تھے اس بری رسم کو خدا نے مٹایا اور یہ آیت نازل کی جسکا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ "اے شوہرو جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ چکیں تو ان کو اس بات سے نہ روکو کہ وہ اپنے شوہروں سے یعنی جنکو اب وہ شوہر بنانا چاہتی ہیں، نکاح کریں۔ امام ابوحنیفہ نے اس آیت کے یہی معنی لئے ہیں اور اس سے وہ استدلال کرتے ہیں کہ

عورتیں نکاح کے معاملہ میں خود مختار ہیں استدلال کی زیادہ تائید ینکحن کے لفظ سے ہوتی ہے کیونکہ اس لفظ میں نکاح کے فعل کو عورتوں کی طرف منسوب کیا ہے نہ اولیاے نکاح کی طرف۔

مختلفین

دوسرا مسئلہ تین طلاقوں کا ہے۔ اس قدر تو چاروں آئمہ مجتہدین کے نزدیک مسلم ہے اگر کوئی شخص ایکبارگی تین طلاق دے تو طلاق واقع ہو جائے گی اور پھر رجعت نہ ہو سکے گی لیکن اس میں اختلاف ہے کہ اس طرح طلاق دینا جائز اور مشروع ہے یا نہیں۔ امام شافعی کے نزدیک مشروع ہے اور خدا نے اس کی اجازت دی ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک حرام اور ممنوع ہے اور طلاق دینے والا گنہگار ہے امام ابو حنیفہ کا استدلال یہ ہے کہ خدا نے جو طلاق کا یہ طریقہ بتلایا ہے وہ اس آیت پر محدود ہے الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان یعنے طلاق دو بار کرکے ہی پھر یا تو بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یعنی رجعت کر لینا ہے یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا پس اس آیت میں طلاق کا جو طریقہ بتایا گیا ہے صرف وہی شرعی طلاق ہو سکتا ہے۔ بعض لوگوں نے امام ابو حنیفہ کے قول پر یہ اعتراض کیا ہے وہ کہ اگر ایک بار تین طلاق دینا شرعاً جائز نہیں تو اسکے نفاذ کے کیا معنی حالانکہ نفاذ سے امام ابو حنیفہ کو بھی انکار نہیں اس کا جواب ایک بڑی نازک بحث پر مبنی ہے جسکا یہ موقع نہیں مگر اجمالاً یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ کسی کام کا ممنوع ہونا دوسری چیز ہے۔ اور نافذ ہونا دوسری چیز ہے۔ باپ کا اولاد کو کم و بیش حصوں میں جائداد ہبہ کرنا۔ شرعاً ممنوع ہے لیکن اگر کوئی ناانصاف باپ ایسا کرے تو اسکا نفاذ ضرور ہوگا۔

اب ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں لیکن یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ ہم امام ابو حنیفہ کی نسبت یہ عام دعوی کرتے ہیں کہ ان کے مسائل صحیح اور یقینی ہیں۔ امام ابو حنیفہ مجتہد تھے پیغمبر نہ تھے۔ اسی لئے انکے مسائل میں غلطی کا ہونا ممکن ہے نہ صرف امکان بلکہ ہم وقوع کا دعویٰ کر سکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ خود ان کے خاص شاگردوں نے بہت سے مسائل میں ان سے مخالفت کی۔ مدت رضاعت قضاء قاضی کا ظاہراً و باطناً نافذ ہونا قتل بالمثل۔ نکاح محرمات میں حد کا نہ لازم آنا۔ ان تمام مسائل میں ہمارے نزدیک امام ابو حنیفہ کے مذہب کی کوئی صحیح تاویل نہیں ہو سکتی ایسے اور بھی مسائل ہیں لیکن ہمارا مقصد اس موقع پر صرف یہ ہے کہ ایک مجتہد کا جس حد تک صائب الرائے ہونا ممکن ہے امام صاحب اس حد تک صاحب الرائے تھے۔

خاتمہ

امام صاحب کے تلامذہ

ایشیائی ملکوں میں اگرچہ شاگردی اور استادی کا تعلق عموماً نہایت قوی تعلق ہوتا ہے لیکن بعض شاگردوں کو مختلف وجوہ سے کچھ ایسی خصوصیت ہو جاتی ہے کہ جہاں استاد کا نام آتا ہے ممکن نہیں کہ ان کا نام نہ آئے جیسا کہ ہم اس کتاب کے پہلے حصے میں لکھ آئے ہیں امام ابو حنیفہ کی درس تدریس کا دائرہ اس قدر وسیع تھا کہ خلیفہ وقت کی حدود حکومت اس سے زیادہ وسیع نہ تھیں حافظ ابو المحاسن شافعی نے نوسو اٹھارہ شخصوں کے نام بقید نام و نسب لکھے ہیں جو امام صاحب کے حلقہ درس سے مستفید ہوئے تھے اس گروہ میں سے چند بزرگ ایسے ہیں جنکی ہوگرفی کے بغیر امام صاحب کی علمی تاریخ ناتمام رہتی ہے چالیس شخص جو امام صاحب کے ساتھ فقہ کی ترتیب و تدوین میں شریک تھے ان کے شاگرد اور راز و تمند خاص تھے امام صاحب کی زندگی کا بڑا کارنامہ فقہ ہے اسلئے یہ کیونکر ممکن ہے کہ امام صاحب کی تاریخ میں انہی لوگوں کا ذکر چھوڑ دیا جائے جو ایسے بڑے کام میں انکے شریک اور مددگار رہے تھے۔ ان کے حالات صرف امام ابو حنیفہ کی تاریخ سے وابستہ نہیں ہیں۔ بلکہ اس سے عام طور پر حنفی فقہ کے متعلق ایک اجمالی خیال قائم ہوتا ہے یعنے ان لوگوں کی عظمت و شان سے فقہ حنفی کی خوبی اور عمدگی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے نیز اسی امام صاحب کا بلند رتبہ ہونا ثابت ہوتا ہے کہ جس شخص کے شاگرد اس رتبہ کے ہوں گے وہ خود کس پایہ کا ہوگا خطیب بغدادی نے وکیع بن الجراح کے حال میں جو ایک مشہور محدث تھے لکھا ہے کہ ایک موقع پر وکیع کے پاس چند اہل علم جمع تھے کسی نے کہا کہ اس مسئلہ میں ابو حنیفہ نے غلطی کی۔ وکیع بولے ابو حنیفہ کیونکر غلطی کر سکتے ہیں ابو یوسف و زفر قیاس میں۔ یحیی بن زائدہ حفص بن غیاث حبان۔ مندل۔ حدیث میں قاسم بن معن لغت و عربیت میں۔ داؤد الطائی و فضیل بن عیاض زہد و تقوی میں اس رتبہ کے لوگ جس شخص کے ساتھ ہوں وہ غلطی کر سکتا ہے اور کرتا بھی تو یہ لوگ اس کو کب غلطی پر رہنے دیتے۔

شاگرد کا رتبہ و اعزاز استاد کے لئے باعث فخر خیال کیا جاتا ہے۔ اگر یہ فخر صحیح ہے تو اسلام کی تمام تاریخ میں کوئی شخص امام ابو حنیفہ سے بڑھ کر اس فخر کا مستحق نہیں ہے امام صاحب اگر یہ دعوی

کرتے تو بالکل بجا تھا کہ جو لوگ امام صاحب کے شاگرد تھے وہ بڑے بڑے ائمہ مجتہدین کے شیخ اور استاد تھے امام شافعی ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ میں نے ..... امام محمد سے ایک بار شتر علم حاصل کیا ہے۔ یہ وہی امام محمد ہیں جو امام ابوحنیفہ کے مشہور شاگرد ہیں اور جنکی تمام عمر امام صاحب کی حمایت میں صرف ہوئی۔ انصاف یہ ہے کہ ... امام صاحب کے بعض شاگرد خصوصاً قاضی ابو یوسف و امام محمد اس رتبہ کے عالم تھے کہ اگر امام ابوحنیفہ کی تبعیت سے الگ ہو کر مستقل اجتہاد کا دعویٰ کرتے تو ان کا جدا طریقہ قائم ہو جاتا اور امام مالک و شافعی کی طرح ان کے بھی ہزاروں لاکھوں مقلدین بن جاتے

امام صاحب کے زمانہ میں جو مذہبی علوم نہایت اوج و ترقی پر تھے وہ فقہ حدیث اسماء الرجال تھے یہ بات لحاظ کے قابل ہی کہ جو لوگ ان علوم کے ارکان تھے اکثر امام صاحب ہی کے شاگرد تھے اور شاگرد بھی برائے نام شاگرد نہ تھے بلکہ مدتوں امام صاحب کی صحبت میں رہے اور ان کی فیض صحبت کا ہمیشہ اعتراف کرتے رہے فقہ کے متعلق تو غالباً کسی کو انکار نہیں ہو سکتا لیکن حدیث کی نسبت اس دعویٰ پر لوگوں کو تعجب ہوگا اور تعجب بجا ہے کیونکہ امام صاحب کی شاگردی کے تعلق سے جو لوگ مشہور ہوتے وہ اکثر فقیہ تھے محدثین میں سے جو امام کے شاگرد ہیں اگرچہ بجائے خود شہرت عام رکھتے ہیں لیکن انکی شاگردی کا تعلق چنداں مشہور نہیں ہیں اس موقع پر جن لوگوں کے نام لکھوں گا اس تعلق کا ذکر بھی خصوصیت کیساتھ کروں گا اور رجال کی نہایت معتبر کتاب کا حوالہ دونگا۔

امام صاحب کے بیشمار شاگردوں میں سے ہم ان چالیس شخصوں کا مختصر تذکرہ لکھنا چاہتے تھے جو امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ میں شریک تھے لیکن افسوس ہی کہ ہم ان میں سے صرف چند شخصوں کا نام معلوم کر سکے یعنی قاضی ابو یوسف۔ زفر۔ اسد بن عمر۔ عافیۃ الاودی۔ داود الطائی۔ قاسم بن معن علی بن مسہر یحییٰ بن زکریا۔ حبان مندل۔ چنانچہ ان لوگوں کے مختصر حالات ہم ذیل میں لکھتے ہیں انکے علاوہ بعض اون شاگردوں کا ذکر بھی ضرور ہے جو حدیث و رجال کے فن میں امام وقت تھے چنانچہ پہلے ہم ان ہی سے شروع کرتے ہیں۔

یحییٰ ابن سعید القطان

فن رجال کا سلسلہ ان ہی سے شروع ہوا۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال کے دیباچہ میں لکھا ہی کہ فن رجال میں اول جس شخص نے لکھا وہ یحییٰ بن سعید القطان ہیں پھر ان کے بعد ان کے شاگردوں میں

یحییٰ بن معین۔ علی بن المدینی۔ امام احمد حنبل عمرو بن علی الفلاس۔ ابو خیثمہ نے اس فن میں گفتگو کی۔ اور انکے بعد انکے شاگردوں یعنی امام بخاری ومسلم وغیرہ نے حدیث میں ان کا یہ پایہ تھا کہ جب حلقہ درس میں بیٹھتے تو امام احمد حنبل علی بن المدینی وغیرہ مودب کھڑے ہوکر ان سے حدیث کی تحقیق کرتے اور نماز عصر سے جوان کے درس کا وقت تھا مغرب تک برابر کھڑے رہتے۔ راویوں کی تحقیق وتنقید میں یہ کمال پیدا کیا تھا کہ ائمہ حدیث عموماً کہا کرتے تھے کہ یحییٰ جسکو چھوڑ دینگے ہم بھی اسکو چھوڑ دینگے امام احمد بن حنبل کا مشہور قول ہے مارایت بعینی مثل یحیی بن سعید القطان یعنی میں نے اپنی آنکھوں سے یحییٰ کا مثل نہیں دیکھا۔ اس فضل وکمال کے ساتھ امام ابو حنیفہ کے حلقہ درس میں اکثر شریک ہوتے اور ان کی شاگردی پر فخر کرتے۔ اس وقت تک تقلید معین کا رواج نہیں ہوا تھا تاہم اکثر مسائل میں وہ امام صاحب ہی کی تقلید کرتے تھے خود ان کا قول ہے قد اخذنا باکثر اقوالہ یعنی ہم نے امام ابو حنیفہ کے اکثر اقوال اخذ کئے۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں جہاں وکیع بن جراح کا ذکر کیا ہے لکھا ہے یفتی بقول ابی حنیفہ وکان یحیی القطان یفتی بقولہ ایضاً یعنی وکیع امام ابو حنیفہ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے اور یحییٰ قطان بھی انہیں کے قول پر فتوے دیتے تھے ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۸ھ میں بمقام بصرہ وفات پائی۔

عبد اللہ بن المبارک

محدث نووی نے تہذیب الاسماء واللغات میں انکا ذکر ان لفظوں سے کیا ہے۔ "وہ امام جس کی امامت وجلالت پر ہر باب میں عموماً اجماع کیا گیا ہے جس کے ذکر سے خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے جس کی محبت سے مغفرت کی امید کیجا سکتی ہے"

حدیث میں جو انکا پایہ تھا اسکا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ محدثین انکو امیر المومنین فی الحدیث کے لقب سے پکارتے تھے۔ ایک موقع پر ان کے شاگردوں میں سے ایک شخص نے ان سے خطاب کیا کہ یا عالم المشرق امام سفیان ثوری جو مشہور محدث ہیں اس موقع پر موجود تھے بولے کہ کیا غضب ہے عالم مشرق کہتے ہو وہ عالم المشرق والمغرب ہیں" امام احمد حنبل کا قول ہے کہ عبد اللہ بن المبارک کے زمانہ میں ان سے بڑھکر کسی نے حدیث کی تحصیل میں کوشش نہیں کی" خود عبد اللہ بن المبارک کا بیان

۱؎ تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر ترجمہ یحیی القطان ۱۲ ۲؎ میزان الاعتدال علامہ ذہبی دیباچہ ۱۲ ۳؎ تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر ترجمہ امام ابو حنیفہ ۱۲

ہے کہ انہوں نے چار ہزار شیوخ سے حدیث سیکھی جن میں سے ہزار سے روایت کی[1] صحیح بخاری و مسلم میں ان کی روایت سے سیکڑوں حدیثیں مروی ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ فن روایت کے بڑے ارکان میں سے ہیں۔ حدیث و فقہ میں انکی بہت سی تصنیفات ہیں لیکن افسوس ہے کہ آج انکا پتہ نہیں۔ ان کے فضل و کمال زہد و تقوی نے اس قدر لوگوں کو مسخر کر لیا تھا کہ بڑے بڑے امراء و سلاطین کو وہ رتبہ حاصل نہ تھا۔ ایک دفعہ خلیفہ ہارون رشید رقہ گیا۔ اسی زمانہ میں عبداللہ بن المبارک بھی رقہ پہنچے۔ ان کے آنے کی خبر مشہور ہوئی تو ہر طرف سے لوگ دوڑے اور اس قدر کشمکش ہوئی کہ لوگوں کی جوتیاں ٹوٹ گئیں ہزاروں آدمی ساتھ ہوئے اور ہر طرف گرد چھا گئی ہارون الرشید کی ایک حرم نے جو برج کے غرفہ سے یہ تماشا دیکھ رہی تھی حیرت زدہ ہو کر پوچھا کہ یہ کیا حال ہے لوگوں نے کہا کہ خراسان کا عالم آیا ہے جس کا نام عبداللہ بن المبارک ہے۔ بولی کہ حقیقت میں سلطنت اس کا نام ہے ہارون الرشید کی حکومت بھی کوئی حکومت ہے کہ پولیس اور سپاہیوں کے بغیر ایک آدمی بھی حاضر نہیں ہو سکتا[2]۔

یہ امام ابوحنیفہ کے مشہور شاگردوں میں ہیں اور امام صاحب کے ساتھ انکو خاص خلوص تھا انکو اعتراف تھا کہ جو کچھ مجھکو حاصل ہوا امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری کے فیض سے حاصل ہوا۔ انکا مشہور قول ہے کہ لولا ان اللہ تعالی اغاثنی بابی حنیفہ و سفیان کنت کسائر الناس[3] یعنی اگر اللہ تعالی نے ابوحنیفہ و سفیان کے ذریعہ سے میری دستگیری نہ کی ہوتی تو میں ایک عام آدمی سے بڑھکر نہ ہوتا امام ابوحنیفہ کی شان میں ان کے اشعار اکثر منقول ہیں خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں چند اشعار نقل کئے ہیں جن میں سے ایک یہ شعر ہے ؎

رایت اباحنیفہ حین تولی　　و یطلب علمہ بحرا عزیزا

مرو کے رہنے والے تھے ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۱ھ میں بمقام ہیت وفات پائی۔

یحیی بن زکریا بن ابی زائدہ

مشہور محدث تھے۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں صرف ان لوگوں کا تذکرہ لکھا ہے جو حافظ الحدیث کہلاتے تھے چنانچہ یحیی کو بھی انہیں لوگوں میں داخل کیا ہے۔ ان کے طبقہ میں سب سے

---

[1] تہذیب الاسماء اللغات علامہ نووی [2] خلاصہ تہذیب الکمال ترجمہ عبداللہ بن المبارک [3] تاریخ بن خلکان ترجمہ عبداللہ بن المبارک ۱۲ [4] تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر۔ ترجمہ امام ابوحنیفہ ۱۲ [5] میزان الاعتدال علامہ ذہبی ترجمہ یحیی ۱۲

پہلے انہیں کا نام لکھا ہے علی ابن المدینی جو امام بخاری کے مشہور استاد ہیں کہا کرتے تھے کہ یحییٰ کے زمانہ میں یحییٰ پر علم کا خاتمہ ہو گیا[۱] صحاح ستہ میں انکی روایت سے بہت سی حدیثیں ہیں وہ محدث اور فقیہہ دونوں تھے اور ان دونوں فنوں میں بہت بڑا کمال رکھتے تھے چنانچہ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ان کا ترجمہ ان لفظوں سے شروع کیا ہے۔ احد الفقہاء الکبار والمحدثین الاثبات ۔

یہ امام ابوحنیفہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور مدت تک انکے ساتھ رہے تھے یہاں تک کہ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں انکو صاحب ابی حنیفہ کا لقب دیا ہے[۲] یہ تدوین فقہ میں امام صاحب کے شریک اعظم تھے۔ امام طحاوی نے لکھا ہے تیس برس تک وہ شریک رہے[۳] اگرچہ یہ مدت صحیح نہیں ہے لیکن کچھ شبہ نہیں کہ وہ بہت دن تک امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ کا کام کرتے رہے اور خاص کر تصنیف و تحریر کی خدمت انہی سے متعلق تھی[۴] میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ بعض لوگوں کا قول ہے کہ کوفہ میں اول اول جس شخص نے تصنیف کی وہ یحییٰ ہیں[۵] معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ تحریر کا کام تنہا انہیں سے متعلق تھا اسلئے بعض لوگوں نے انہیں کو مستقل مصنف سمجھ لیا۔

مدائن میں منصب قضا پر ممتاز تھے اور وہیں ۱۸۲ھ میں ۶۳ برس کی عمر میں وفات پائی۔

وکیع بن الجراح

فن حدیث کے ارکان میں شمار کئے جاتے ہیں۔ امام احمد حنبل کو ان کی شاگردی پر فخر تھا چنانچہ جب وہ انکی روایت سے کوئی حدیث بیان کرتے تھے تو ان لفظوں سے شروع کرتے تھے۔ یہ حدیث مجھ سے اس شخص نے روایت کی کہ تیری آنکھوں نے اسکے مثل نہ دیکھا ہوگا[۶] یحییٰ بن معین جو فن رجال کے ایک رکن خیال کئے جاتے ہیں ان کا قول تھا کہ میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جسکو وکیع پر ترجیح دوں[۷] اکثر ائمہ حدیث نے ان کی شان میں اس قسم کے الفاظ لکھے ہیں۔ بخاری و مسلم میں اکثر انکی روایت سے حدیثیں مذکور ہیں فن حدیث و رجال کے متعلق انکی روایتیں اور رائیں نہایت مستند خیال کیجاتی ہیں۔

یہ امام ابوحنیفہ کے شاگرد خاص تھے اور ان سے بہت سی حدیثیں سنی تھیں اکثر مسائل میں امام صاحب کی تقلید کرتے تھے اور انہیں کے قول کے موافق فتوے دیتے تھے خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔ وکان یفتی بقول ابی حنیفۃ وکان قد سمع منہ شیئاً کثیراً[۸] علامہ ذہبی نے بھی تذکرۃ الحفاظ

---

[۱] میزان الاعتدال ۔ [۲] ذہبی ترجمہ یحییٰ [۳] الجواہر المضیۃ ترجمہ یحییٰ [۴] تہذیب الاسماء واللغات علامہ نووی ترجمہ وکیع بن جراح ۔
[۵] تہذیب الاسماء واللغات ۔ [۶] حافظ عبد البر کے قول میں مشیبا رکے بجائے ”حدثنا“ کا لفظ ہے جو صاف اور صریح ادعا پر دلالت کرتا ہے دیکھو عقود الجمان خاتمہ فصل اول

میں اسکی تصدیق کی ہے ١٩٧ھ میں وفات پائی۔

یزید بن ہارون

فن حدیث کے مشہور امام ہیں بڑے بڑے آئمہ حدیث ان کے شاگرد تھے امام احمد حنبل علی بن المدینی یحییٰ بن معین۔ ابن ابی شیبہ وغیرہ نے انکے سامنے زانوئے شاگردی تہ کیا ہے علامہ نووی نے ان کے تلامذہ کی نسبت لکھا ہے کہ انکا شمار نہیں ہوسکتا یحییٰ بن ابی طالب کا بیان ہے کہ ایک بار میں انکے حلقہ درس میں شریک تھا۔ لوگ تخمینہ کرتے تھے کہ حاضرین کی تعداد کم وبیش ستر ہزار تھی۔ کثرت حدیث میں لوگ انکی مثال دیتے تھے خود انکا بیان ہے کہ مجکو بیس ہزار حدیثیں یاد ہیں علی بن المدینی (امام بخاری کے استاد) کہا کرتے تھے کہ میں نے ان سے زیادہ کسی کو حافظ حدیث نہیں دیکھا۔

فن حدیث میں انکو امام ابوحنیفہ سے تلمذ تھا علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں جہاں ان لوگوں کے نام لکھے ہیں جنہوں نے امام صاحب سے حدیثیں روایت کیں ان کا نام بھی لکھا ہے یہ ایک مدت تک امام صاحب کی صحبت میں رہے اور اس وجہ سے انکو امام صاحب کے اخلاق وعادات پر رائے قائم کرنے کا کافی موقع ملا تھا ان کا قول ہے کہ میں نے بہت سے لوگوں کی صحبت اٹھائی لیکن ابو حنیفہ سے کسی کو بڑھکر نہیں پایا ١١٨ھ میں پیدا ہوئے اور ٢٠٦ھ میں وفات پائی۔

حفص بن غیاث

بہت بڑے محدث تھے خطیب بغدادی نے ان کو کثیر الحدیث لکھا ہے اور علامہ ذہبی نے انکو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے امام احمد حنبل۔ علی بن المدینی وغیرہ نے ان سے حدیثیں روایت کیں۔ یہ اس خصوصیت میں ممتاز تھے کہ جو کچھ روایت کرتے تھے زبانی کرتے تھے کاغذ یا کتاب پاس نہیں رکھتے تھے چنانچہ اسی طرح جو حدیثیں روایت کیں ان کی تعداد تین یا چار ہزار ہے یہ امام صاحب کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں امام صاحب کے شاگردوں میں چند بزرگ نہایت مقرب اور با اخلاص تھے جنکی نسبت وہ فرمایا کرتے تھے کہ تم میرے دل کی تسکین اور میرے غم کے مٹانے والے ہو حفص کی نسبت بھی امام صاحب نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے ہیں مختصر تاریخ بغداد میں ان کی نسبت لکھا ہے کہ امام صاحب

سله میزان الاعتدال ترجمہ حفص ١٢ سله تہذیب الاسماء واللغات نووی ترجمہ یزید بن ہارون ١٢ تہذیب الاسماء واللغات
یہ تہذیب الکمال حافظ مزی ترجمہ امام ابوحنیفہ ١٢

کے مشہور شاگردوں میں تھے۔ مدت تک دنیاوی تعلقات سے آزاد رہے لیکن اخیر میں ضرورتوں نے بہت تنگ کیا اتفاق یہ کہ انہی دنوں یعنی ۱۷۷ھ میں ہارون الرشید نے شہرہ سنکر انکو طلب کیا اور قضا کی خدمت سپرد کی۔ چونکہ قرض سے زیربار تھے مجبوراً قبول کرنا پڑا۔ قاضی ابو یوسف قاضی القضاۃ[1] تھے اور قضاۃ کا تمام سررشتہ انکے اہتمام میں تھا۔ چونکہ ہارون الرشید نے قاضی صاحب کے بغیر اطلاع حفص کو مقرر کر دیا اسلئے انکو فی الجملہ خیال ہوا اور حسن بن زیاد سے کہا کہ حفص کے فیصلے ہمارے مرافعہ میں آئیں تو انکو نکتہ چینی کی نگاہ سے دیکھنا چاہئے لیکن جب ان کے فیصلے دیکھے تو اعتراف کیا کہ حفص کے ساتھ تائید الٰہی[2] ہے

۱۱۷ھ میں پیدا ہوئے تیرہ برس کوفہ میں اور دو برس بغداد میں قاضی رہے ۱۹۴ھ میں وفات پائی

ابو عاصم النبیل

ان کا نام ضحاک بن مخلد ہے مشہور محدث ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں ان کی روایت سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ ان کی توثیق پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے۔ نہایت پارسا اور متورع تھے۔ امام بخاری نے روایت کی ہے کہ ابو عاصم نے خود کہا کہ جب سے مجھ کو معلوم ہوا کہ غیبت حرام ہے میں نے آجتک کسی کی غیبت نہیں کی۔

ان کا لقب نبیل تھا جس کے معنے معزز کے ہیں۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ یہ لقب کیوں ہوا ایک روایت ہے کہ ایک دفعہ شعبہ نے کسی وجہ سے قسم کھالی کہ میں حدیث نہیں روایت کروں گا چونکہ وہ بہت بڑے محدث تھے اور انکے درس سے ہزاروں طلبا مستفید ہوتے تھے لوگوں کو بہت تشویش ہوئی ابو عاصم نے یہ حال سنا تو اسی وقت شعبہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ میں اپنے غلام آپ کی قسم کے کفارہ میں آزاد کرتا ہوں آپ قسم توڑ ڈالئے اور حدیث کا درس دیجئے شعبہ کو ان کے شوق اور ہمت پر تعجب ہوا اور فرمایا کہ انت نبیل اس وقت سے یہ لقب مشہور ہو گیا[3]

یہ بھی امام صاحب کے مختص شاگردوں میں تھے[4] خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ کسی نے ان سے پوچھا کہ سفیان ثوری زیادہ فقیہ ہیں یا ابو حنیفہ بولے کہ موازنہ تو ان چیزوں میں ہوتا ہے جو ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہوں۔ ابو حنیفہ نے فقہ کی بنیاد ڈالی اور سفیان

---

[1] میزان الاعتدال ترجمہ حفص ۱۲ [2] الجواہر المضیئۃ ترجمہ حفص بن غیاث ۱۲ [3] الجواہر المضیئۃ ترجمہ ابو عاصم ۱۲

[4] الجواہر المضیئۃ ۱۲

صرف فقیہ ہیں۔

سنہ ۲۱۲ھ میں نوّے برس کی عمر میں وفات پائی۔

عبدالرزاق بن ہمام

علامہ ذہبی نے اُن کا ترجمہ ان لفظوں سے شروع کیا ہے احد الاعلام الثقات[1] بہت بڑے نامور محدث تھے صحیح بخاری و مسلم وغیرہ ان کی روایتوں سے مالامال ہیں امام احمد حنبل سے کسی نے پوچھا کہ حدیث کی روایت میں آپ نے عبدالرزاق سے بڑھکر کسی کو دیکھا جواب دیا کہ نہیں، بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً امام سفیان بن عیینہ یحییٰ بن معین۔ علی بن المدینی امام احمد حنبل فن حدیث میں انکے شاگرد تھے طالبان حدیث بہت دور سے قطع منازل کر کے ان کی خدمت میں سیکھنے جاتے تھے یہاں تک کہ بعضوں کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کے پاس اس قدر دور دراز سے مسافتیں طے کر کے لوگ نہیں گئے۔

حدیث میں ان کی ایک ضخیم تصنیف موجود ہے جو جامع عبدالرزاق کے نام سے مشہور ہے امام بخاری نے اعتراف کیا ہے کہ میں اس کتاب سے مستفید ہوا ہوں۔ علامہ ذہبی نے اس کتاب کی نسبت میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ "علم کا خزانہ ہے۔"

ان کو ابو حنیفہ سے فن حدیث میں تلمذ تھا عقود الجمان کے مختلف مقامات سے ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب کی صحبت میں زیادہ رہے۔ چنانچہ اُن کے اخلاق و عادات کے متعلق انکے اکثر اقوال کتابوں میں مذکور ہیں۔ ان کا قول تھا کہ میں نے امام ابو حنیفہ سے بڑھ کر کسی کو حلیم نہیں دیکھا۔

سنہ ۱۲۶ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۲۱۱ھ میں انتقال کیا۔[2]

داؤد الطائی

خدا نے عجب حسن قبول دیا تھا صوفیہ ان کو بہت بڑا مرشد کامل مانتے ہیں تذکرۃ الاولیاء میں انکے مقامات عالیہ مذکور ہیں فقہا اور خصوصاً فقہائے حنفیہ ان کے تفقہ اور اجتہاد کے قائل ہیں محدثین کا قول ہے کہ ثقہ بلا نزاع اور حقیقت یہ ہے کہ وہ ان تمام القاب کے مستحق تھے۔ محارب بن دثار جو مشہور محدث تھے کہا کرتے تھے کہ داؤد اگر اگلے زمانہ میں ہوتے تو خدا قرآن مجید میں انکا قصہ بیان کرتا

[1] انساب سمعانی و تاریخ یافعی ترجمہ عبدالرزاق بن ہمام [2] میزان الاعتدال ذہبی ۱۲ [3] تاریخ ابن خلکان ۱۲

ابتدا میں فقہ و حدیث کی تحصیل کی پھر علم کلام میں کمال پیدا کیا اور بحث و مناظرہ میں مشغول ہوئے ایک دن کسی موقع پر ایک شخص سے گفتگو کرتے کرتے اس پر کنکری پھینک ماری اس نے کہا داؤد تمہاری زبان اور ہاتھ دونوں دراز ہو چلے" ان پر عجیب اثر ہوا بحث و مناظرہ بالکل چھوڑ دیا تاہم تحصیل علم کا شغلہ جاری تھا برس دن کے بعد کل کتابیں دریا میں ڈبو دیں اور کل چیز سے قطع تعلق کر لیا امام محمد کا بیان ہے کہ میں داؤد سے اکثر مسئلے پوچھنے جاتا اگر کوئی ضروری اور عملی مسئلہ ہوتا تو بتا دیتے ورنہ کہتے کہ "بھائی" مجھے اور ضروری کام ہیں" یہ امام ابو حنیفہ کے مشہور شاگرد ہیں خطیب بغدادی ابن خلکان۔ علامہ ذہبی۔ اور دیگر مورخین نے جہاں ان کے حالات لکھے ہیں امام صاحب کی شاگردی کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا ہے تدوین فقہ میں امام صاحب کے شریک تھے اور اس مجلس کے معزز ممبر تھے سنہ ۱۶۰ھ میں وفات پائی۔ ان بزرگوں کے سوا اور بھی نامور محدثین مثلاً فضل بن دکین حمزہ بن حبیب الزیات بن طہمان سعید بن دراس عمر بن میمون فضل بن موسیٰ وغیرہ امام صاحب کے تلامذہ میں داخل ہیں لیکن ہم نے صرف ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جو تلامذہ خاص کہے جا سکتے ہیں اور جو مدتوں امام صاحب کی صحبت سے مستفید رہتے ہیں۔

فقہا

جو تدوین فقہ میں شریک تھے

قاضی ابو یوسف

ان کی منزلت اور عظمت شان اس قابل تھی کہ ان کا مستقل تذکرہ لکھا جاتا اور جب ہی ان کے علمی کمالات کا اندازہ بھی ہو سکتا لیکن یہ فرصت کے کام ہیں خدا کسی کو توفیق دے تو یہ کام پورا ہو سکتا ہے اس کتاب کے موضوع کے لحاظ سے میرا اسی قدر فرض ہے کہ انکی مختصر تاریخ لکھدوں جس سے ان کی لیاقت اور علمی کمالات پر ایک اجمالی رائے قائم ہو سکے ان کا نسب انصار سے ملتا ہے ان کے مورث اعلیٰ سعد بن حبتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے تھے ان کے باپ ایک غریب آدمی تھے اور مزدوری محنت کر کے زندگی بسر کرتے تھے۔ یہ سنہ ۱۱۳ھ یا ۱۱۷ھ میں بمقام کوفہ پیدا ہوئے انکو اگرچہ بچپن سے لکھنے پڑھنے کا ذوق تھا لیکن باپ کی مرضی نہ تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ کوئی پیشہ سیکھیں اور گھر میں چار پیسے کما کر لائیں۔ تاہم قاضی صاحب جب موقع اور فرصت پاتے علما کی

تحصیل علوم

صحبت میں جا بیٹھتے۔ ایک دن امام ابو حنیفہ کے درس میں حاضر تھے کہ ان کے باپ پہنچے اور وہاں سے زبردستی اٹھا لائے۔ گھر پر آکر سمجھایا کہ بیٹا ابو حنیفہ کو خدا نے رزق کی طرف سے اطمینان دیا ہے تم انکی ریس کیوں کرتے ہو۔ قاضی صاحب نے مجبوراً لکھنا پڑھنا چھوڑ دیا اور باپ کے ساتھ رہنے لگے امام ابو حنیفہ نے دو چار دن لوگوں سے پوچھا کہ یعقوب اب نہیں آتے۔ ان کو امام صاحب کی جستجو کا حال معلوم ہوا تو حاضر ہوئے اور ساری کیفیت بیان کی امام صاحب نے چپکے سے ایک تھیلی حوالہ کی گھر پر آکر دیکھا تو اس میں سو درہم تھے امام صاحب نے ان سے یہ بھی کہہ دیا کہ جب خرچ ہو چکے تو مجھ سے کہنا اسی طرح برابر انکو مدد دیتے رہے یہاں تک کہ قاضی صاحب نے تمام علوم میں کمال حاصل کیا اور استاد وقت بن گئے۔

اساتذہ

قاضی صاحب نے امام ابو حنیفہ کے علاوہ اور بہت سے آئمہ وقت کی خدمت میں علم کی تحصیل کی اعمش ہشام بن عروہ سلیمان تیمی۔ ابو اسحٰق شیبانی یحییٰ بن سعید الانصاری وغیرہ سے حدیثیں روایت کیں محمد بن اسحٰق سے مغازی و سیر پڑھی۔ محمد بن ابی لیلیٰ سے فقہ کے مسائل سیکھے خدا نے ذہن و حافظہ ایسا قوی دیا تھا کہ ایک ہی زمانہ میں ان تمام علوم کی تحصیل کرتے تھے حافظ ابن عبد البر نے جو ایک مشہور محدث ہیں لکھا ہے کہ ابو یوسف محدثین کے پاس حاضر ہوتے ایک جلسہ میں پچاس ساٹھ حدیثیں سنکر یاد کر لیتے "

عہدہ قضا

امام ابو حنیفہ جب تک زندہ رہے۔ قاضی صاحب ان کے حلقہ درس میں ہمیشہ حاضر ہوتے رہے ان کی وفات کے بعد دربار سے تعلق پیدا کرنا چاہا چنانچہ خلیفہ مہدی عباسی نے ۱۶۶ھ میں ان کو قاضی کی خدمت دی۔ مہدی کے بعد اسکے جانشین ہادی نے بھی انکو اسی عہدہ پر بحال رکھا لیکن..... ہارون الرشید نے ان کی لیاقتوں سے واقف ہو کر تمام ممالک اسلامیہ کا قاضی القضاۃ مقرر کیا اور یہ وہ عہدہ تھا جو اس وقت تک اسلام کی تاریخ میں کسی کو نصیب نہیں ہوا تھا بلکہ زمانہ مابعد میں بھی بجز قاضی احمد بن داؤد کے اور کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ قاضی صاحب نے سررشتہ قضا میں جو ترقیاں کیں ان کی تفصیل موالکی لائف میں لکھی جائے تو لکھی جاسکتی ہے۔

وفات

جمعرات کے دن ظہر کے وقت ربیع الاول کی پانچویں تاریخ ۱۸۲ھ میں وفات پائی محمد سماعہ کا بیان ہے کہ مرتے وقت یہ الفاظ ان کی زبان پر تھے "اے خدا تو جانتا ہے کہ میں نے کوئی فیصلہ عمداً خلاف واقع نہیں کیا۔ میری ہمیشہ کوشش رہی کہ جو فیصلہ ہو تیری کتاب اور تیرے پیغمبر کے طریقہ کے موافق ہو جب کوئی مشکل مسئلہ آتا تھا تو میں امام ابو حنیفہ کو واسطہ بناتا تھا اور جہانتک مجھکو معلوم ہے ابو حنیفہ تیرے احکام کو خوب سمجھتے تھے اور عمداً حق کے راستہ سے باہر نجاتے تھے قاضی صاحب

بہت بڑے دولتمند تھے لیکن دولت کا استعمال اچھی طرح کیا۔ مرتے وقت وصیت کی چار لاکھ روپیہ مکہ معظمہ۔ مدینہ منورہ کوفہ۔ بغداد کے محتاجوں کو دیے جائیں۔

کثرت حدیث

قاضی صاحب متعدد علوم میں کمال رکھتے تھے۔ مورخ ابن خلکان نے ہلال بن یحییٰ کا قول نقل کیا ہے کہ ابو یوسف تفسیر مغازی ایام العرب کے حافظ تھے اور فقہ اُن کا ادنےٰ سا علم تھا،، حدیث میں انکا یہ پایہ تھا کہ حفاظ حدیث میں شمار کئے جاتے تھے چنانچہ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ لکھا ہے یحییٰ ابن معین کہا کرتے تھے کہ "اہل الرائے میں ابو یوسف سے بڑھکر کوئی شخص کثیر الحدیث نہیں،، امام احمد حنبل کا قول ہے کہ " کان منصفا فی الحدیث مزنی جو امام شافعی کے مشہور شاگرد ہیں کہا کرتے تھے ابو یوسف اتبع القوم للحدیث[1] خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں احمد حنبل کا قول نقل کیا ہے کہ اول جب مجھ کو علم حدیث کا شوق پیدا ہوا تو ابو یوسف کی خدمت میں حاضر ہوا،، یحییٰ بن معین و امام احمد حنبل اور بہت سے ائمہ حدیث نے قاضی صاحب سے حدیثیں روایت کین۔ اس سے زیادہ ان کی عظمت شان کی کیا دلیل ہوگی[2]

فقہ میں جو ان کا پایہ ہے اس سے کون انکار کرسکتا ہے امام ابو حنیفہ کو خود ان کے کمال کا اعتراف تھا۔ ایک دفعہ وہ بیمار ہوے امام صاحب عیادت کو گئے واپس آئے تو ساتھیوں سے کہا کہ خدانخواستہ اگر یہ شخص ہلاک ہوا تو دنیا کا عالم ہلاک ہوا،، اور ائمہ بھی ان کے جدت ذہن اور قوت فہم کے معترف تھے امام اعمش اس زمانہ کے ایک مشہور محدث تھے انہوں نے قاضی صاحب سے ایک مسئلہ پوچھا انہوں نے جواب بتلایا امام اعمش نے کہا اس پر کوئی سند بھی ہے۔ قاضی صاحب نے فرمایا ہاں وہ حدیث جو فلاں موقع پر آپ نے مجھ سے بیان کی تھی۔ امام اعمش نے کہا کہ یعقوب یہ حدیث مجھکو اس وقت سے یاد ہے جب تمہارے والدین کا عقد بھی نہیں ہوا تھا لیکن اس کا صحیح مطلب آج ہی سمجھ میں آیا[3]

تصنیفات

قاضی صاحب پہلے شخص ہیں جسنے فقہ حنفی میں تصنیفیں کیں۔ مختلف علوم میں انکی تصنیفات ہیں اور ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں ان کی مفصل فہرست بھی نقل کی ہے لیکن ہماری نگاہ

---

[1] یہ اقوال علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں نقل کئے ہیں ۱۲ [2] قاضی صاحب کی نسبت رجال میں جرح جو بھی منقول ہیں مگر وہ عموماً ناقابل اعتبار ہیں کیونکہ یا تو وہ مبہم جرحیں ہیں یا انکا منشا اجتہادی مسائل کا اختلاف ہے ۱۲ [3] ابن خلکان ترجمہ ابو یوسف ۱۲

سے صرف کتاب الخراج گزری ہے اس لئے ہم اس کے متعلق کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔ ہارون الرشید نے خراج جزیہ وغیرہ کے متعلق قاضی صاحب سے یادداشتیں طلب کی تھیں۔ قاضی صاحب نے اس کے جواب میں چند تحریریں بھیجیں۔ یہ کتاب انھیں تحریروں کا مجموعہ ہے[۱] اگرچہ اس میں بہت سے مضامین ہیں لیکن زیادہ تر خراج کے مسائل ہیں اور اسی لئے اس کو اس زمانہ کا قانون مال گزاری کہہ سکتے ہیں اس کتاب میں زمین کے اقسام بلحاظ حیثیت اور بلحاظ تنوع۔ لگان کی مختلف شرحین کاشتکاروں کی حیثیتوں کا اختلاف۔ پیداوار کی قسمیں اس قسم کے امور مراتب کو اس خوبی اور دقت نظر کے ساتھ منضبط کیا ہے اور ان کے متعلق قواعد قرار دئے ہیں کہ اس زمانہ کے لحاظ سے تعجب ہوتا ہے طرز تحریر میں ایک یہ بڑی خوبی ہے کہ نہایت آزادانہ ہے قواعد اور ہدایتوں کے ساتھ خلیفہ وقت کو متوجہ کیا ہے لا

آزادی کے ساتھ اپنے فرائض کو انجام دینا

قاضی صاحب کی تاریخ زندگی میں جو چیز سب سے زیادہ قابل قدر ہے وہ یہ ہے کہ ہارون الرشید جیسے جبار اور خود پرست بادشاہ کے دربار میں وہ اپنے فرائض اس جرأت اور آزادی سے ادا کرتے تھے جس کی مثال ایشیائی سلطنتوں میں بہت کم مل سکتی ہے کتاب الخراج میں ایک جگہ وہ ہارون الرشید کو لکھتے ہیں کہ اے امیر المومنین! اگر تو اپنی رعایا کے انصاف کے لئے مہینہ میں ایک بار بھی دربار کرتا اور مظلوموں کی فریاد سنتا تو میں امید کرتا ہوں کہ تیرا شمار ان لوگوں میں نہ ہوتا جو رعیت سے پردہ کرتے ہیں اور اگر تو ایک دربار بھی کرتا تو یہ خبر تمام اطراف میں پھیل جاتی اور ظالم اپنے ظلم سے باز آتے بلکہ اگر عمال و صوبہ داروں کو یہ خبر پہنچے کہ تو برس دن میں ایک دفعہ انصاف کے لئے بیٹھتا ہے تو ظالموں کو کبھی ظلم پر جرأت نہ ہونے پائے

قاضی صاحب کے سوا کس کو جرأت تھی کہ ہارون الرشید کو یہ الفاظ لکھتا،،

مخالفین کی تہمت آمیز روایتیں

تعجب یہ ہے کہ ایسا آزاد اور پاکیزہ نفس بھی دشمنوں کے حملہ سے نہیں بچا۔ قاضی صاحب کے مخالفین نے ان کو خوشامدی اور زمانہ ساز کہا ہے اور اس مضمون کی چند روایتیں بھی گھڑی ہیں بعض مورخین جنکو رطب و یابس سے کچھ بحث نہیں ان بیہودہ روایتوں کو نقل بھی کر دیتے ہیں جو کوتاہ بینوں کیلئے ،، دہوئے بس ست ،، کا کام دیتی ہیں اس قسم کی بعض حکایتیں تاریخ الخلفاء میں منقول ہیں۔

لیکن یہ ظاہر ہے کہ کتاب الخراج کے فقرے جو ہم نے نقل کئے ہیں جس قطعیت کے ساتھ ثابت ہیں ان کے مقابلہ میں ان روایتوں کا کس حد تک اعتبار ہو سکتا ہے۔

---

[۱] یہ کتاب مصر کے مطبع میریہ میں ۱۳۰۲ھ میں چھاپی گئی۔

خاطب اللیل مورخین ایک طرف بعض محدثین نے بھی مخالفت کے جوش میں تحقیق حق کی پروا نہ کی بیہقی نے امام شافعی کے حالات میں ایک ضخیم کتاب لکھی ہے اس میں لکھا ہے کہ امام شافعی جب ہارون الرشید کے دربار میں گرفتار ہو کر آئے تو قاضی ابو یوسف اور امام محمد نے ہارون الرشید کو امام شافعی کے قتل کی رائے دی اور کہا کہ اگر جلد تدارک نہیں کیا جائیگا تو یہ شخص سلطنت کو صدمہ پہنچائے گا۔

افسوس امام بیہقی کو باایں ہمہ محدثیت یہ بھی خیال نہ آیا کہ قاضی ابو یوسف اس زمانے سے بہت پہلے انتقال کر چکے تھے۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ خود محدثین نے اس روایت کی تکذیب کی حافظ ابن حجر نے جن سے بڑھکر اُن کے بعد محدث نہیں ہوا امام شافعی کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے جو آجکل مصر میں چھاپی گئی ہے۔ وہ اس روایت کو نقل کر کے لکھتے ہیں فھی مکذوبۃ وغالب ما فیہا موضوع وبعضہا ملفق من روایات ملفقۃ وواضح ما فیہا من الکذب قولہ فیہا ان ابا یوسف ومحمد بن الحسن حرضا الرشید علی قتل الشافعی یعنی یہ روایت جھوٹی ہے اور اس کا اکثر حصہ موضوع ہے اور بعض حصے دوسری مختلط روایتوں سے ماخوذ ہیں اور جو صریح جھوٹ اس میں ہے وہ یہ ہے کہ ابو یوسف و محمد بن الحسن نے ہرون الرشید کو امام شافعی کے قتل کی ترغیب دی ہے۔

قاضی صاحب کی طرف بعض اولیات بھی منسوب ہیں۔ مورخ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ قاضی ابو یوسف پہلے شخص ہیں جنہنے علماء کے لئے ایک خاص لباس تجویز کیا کہ آج تک برتا جاتا ہے ورنہ ان سے پہلے تمام لوگوں کا ایک لباس تھا

امام محمد بن الحسن الشیبانی

یہ فقہ حنفی کے دوسرے بازو ہیں ان کا اصلی وطن دمشق کے متصل ایک گاؤں تھا جسکو حرستا کہتے ہیں۔ ان کے والد وطن چھوڑکر واسط چلے آئے اور وہیں سکونت اختیار کی امام محمد ۱۳۵ھ ہجری میں یہیں پیدا ہوئے سن رشد کا آغاز تھا کہ کوفہ جانا ہوا یہاں علوم کی تحصیل شروع کی اور بڑے بڑے محدثین و فقہا کی صحبت اٹھائی۔ مسعر بن کدام۔ امام سفیان ثوری مالک بن دینار۔ امام اوزاعی وغیرہ سے حدیثیں روایت کیں کم و بیش دو برس تک امام ابو حنیفہ کی خدمت میں رہے امام صاحب کی وفات کے بعد قاضی ابو یوسف سے بقیہ تحصیل کی پھر مدینہ منورہ گئے اور تین برس تک امام مالک سے حدیث پڑھتے رہے آغاز شباب ہی میں انکے فضل و کمال کے چرچے پھیل گئے تھے

لہ اس کتاب کا نام توالی التاسیس بمعالی ابن ادریس ہے اور ۱۳۰۱ھ میں مطبع میریہ میں طبع ہوئی ہے ۱۲

بیس برس کے سن میں مسند درس پر بیٹھے اور لوگوں نے ان سے استفادہ شروع کیا ہرون رشید نے ان کے فضل وکمال سے واقف ہو کر قضا کی خدمت دی اور اکثر اپنے ساتھ رکھتا تھا ۱۸۹ھ میں رے گیا تو انکو بھی ساتھ لے گیا۔ رے کے قریب نبوریہ ایک گاؤں ہے وہاں پہنچکر قضا کی۔ اتفاق یہ کہ کسائی جو مشہور نحوی گزرا ہے وہ بھی اس سفر میں ساتھ تھا اور راستے بھی میں انتقال کیا ہارون الرشید کو نہایت صدمہ ہوا۔ اور کہا کہ ہم آج فقہ اور نحو دونوں کو ہم دفن کر آئے لا

علامہ یزیدی نے جو ایک مشہور ادیب اور ہارون الرشید کے درباریوں میں تھے جانگداز مرثیہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

فقلت اذا ما اشكل الخطب من لنا

بايضاحه يوماً وانت فقيد

ترجمہ یعنے ہم نے کہا کہ جب تو نہ رہا تو ہمارے لئے مشکلات کا حل کرنے والا کہاں سے آئے گا۔ امام محمد نے اگرچہ زندگی کا بڑا حصہ دربار کے تعلق سے بسر کیا لیکن آزادی اور حق گوئی کا سررشتہ کبھی ہاتھ سے نہ چھوٹا ۱۷۵ھ میں یحیٰی علوی نے جب علم بغاوت بلند کیا تو ہاروں الرشید ان کا سروسامان دیکھکر حواس باختہ ہو گیا۔ اور بکر صلح خدیار کی معاہدہ صلح قلم بند ہوا اور یحیٰی کے اطمینان کے لئے بڑے بڑے علماء فضلاء فقہا اور محدثین نے اس پر دستخط کئے یحیٰی صلح پر راضی ہو کر بغداد میں آئے تو چند روز کے بعد ہرون الرشید نے نقض عہد کرنا چاہا۔ تمام علماء نے ہرون الرشید کے خوف سے فتوے دیدیا کہ صورت موجودہ میں نقض عہد جائز ہے لیکن امام محمد نے علانیہ مخالفت کی اور اخیر تک اپنے اصرار پر قائم رہے۔

امام محمد جس رتبہ کے شخص تھے اس کا اندازہ۔ ائمہ مجتہدین کے اقوال سے ہو سکتا ہے امام شافعی کا قول ہے کہ وہ امام محمد جب کوئی مسئلہ بیان کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ وحی اتر رہی ہے انہیں کا قول ہے یہ کہ میں نے امام محمد سے ایک بار شتر کی برابر علم حاصل کیا۔

امام احمد حنبل سے کسی نے پوچھا کہ یہ دقیق مسائل کہاں سے حاصل ہوئے فرمایا محمد بن الحسن کی کتابوں سے لہ

امام محمد کے حلقہ درس سے اگرچہ اور بہت سے علماء تعلیم پاکر نکلے لیکن ان سب میں امام شافعی کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا جاسکتا ہے۔ ہمارے زمانہ کے کم التفسرین کو اس سے تعجب ہوگا۔

لہ یہ تمام اقوال محدث نووی نے تہذیب الاسماء واللغات میں نقل کئے ہیں ۱۲

اگلے زمانہ میں بھی ابن تیمیہ نے امام شافعی کی شاگردی سے انکار کیا تھا لیکن حق کو کون دبا سکتا ہے؟ تاریخ و رجال کی آج سینکڑوں کتابیں موجود ہیں وہ کیا شہادت دے رہی ہیں؟ بے شبہ امام شافعی کو امام محمد کی فیض صحبت نے بڑے بڑے کمالات کے رستے دکھائے اور اس کا خود ان کو اعتراف تھا۔ حافظ ابن حجر امام شافعی کا قول نقل کرتے ہیں۔

یعنی محمد بن الحسن خلیفہ کے ہاں بہت معزز تھے اس لئے میں ان کے پاس آتا جاتا تھا میں نے اپنے جی میں کہا کہ وہ فقہ کے لحاظ سے بھی عالی رتبہ ہیں اس لئے میں نے ان کی صحبت لازم پکڑی اور انکا درس قلمبند کرتا رہا۔

امام محمد خود بھی امام شافعی کی نہایت عزت کرتے تھے اور تمام شاگردوں کی نسبت ان کے ساتھ خاص مراعات کے ساتھ پیش آتے تھے۔ ایک دن ہارون رشید کے دربار میں جا رہے تھے راہ میں امام شافعی ملے۔ جو انکی ملاقات کو آ رہے تھے۔ اسی وقت گھوڑے سے اتر پڑے اور نوکر سے کہا کہ خلیفہ کے پاس جا اور عذر بیان کر کہ میں اس وقت حاضر نہیں ہو سکتا امام شافعی نے کہا کہ میں اور کسی وقت حاضر ہونگا۔ امام محمد نے کہا نہیں وہاں جانا کچھ ضرور نہیں[۲]۔ امام محمد و امام شافعی میں اکثر مناظرات بھی رہتے تھے۔ اسی بنا پر بعضوں کو ان کی شاگردی سے انکار ہے لیکن اس زمانہ کی استادی و شاگردی میں یہ امور معیوب نہ تھے اور درحقیقت آج بھی معیوب نہیں۔

امام محمد کی شہرت زیادہ تر فقہ میں ہے اور انکی تصنیفات عموماً اسی فن کے متعلق پائی جاتی ہیں لیکن وہ تفسیر۔ حدیث۔ ادب میں بھی اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے۔

امام شافعی کا قول ہے کہ میں نے قرآن مجید کا عالم امام محمد سے بڑھکر نہیں دیکھا[۳]، ادب و عربیت میں اگرچہ اُن کی کوئی تصنیف موجود نہیں لیکن فقہ کے جو مسائل نحو کے جزئیات پر مبنی ہیں اکثر جامع کبیر میں مذکور ہیں اور ان سے ثابت ہوتا ہے کہ اس فن میں ان کا کیا پایہ تھا چنانچہ ابن خلکان وغیرہ نے خصوصیت کے ساتھ اسکا ذکر کیا ہے۔

حدیث میں ان کی کتاب مؤطا مشہور ہے۔ اس کے علاوہ کتاب الحج جو امام مالک کے رد میں لکھی ہے اس میں اکثر حدیثیں روایت کی ہیں اور متعدد مسائل میں جوش ادعا کے ساتھ کہا ہے کہ وہ مدینہ والوں کو دعوے ہے کہ وہ حدیث کے پیرو ہیں حالانکہ ان مسائل میں صریح ان کے خلاف حدیث موجود ہے۔

[۱] دیکھو توالی التاسیس مطبوعہ مصر ص۶۹ ۱۲ [۲] توالی التاسیس ص۶۹ ۱۲ [۳] الجواہر المضیئہ ترجمہ امام محمد ۱۲

امام محمد کی تصنیفات۔ تعداد میں بہت زیادہ ہیں اور آج فقہ حنفی کا مدار انہی کتابوں پر ہے ہم ذیل میں ان کتابوں کی فہرست لکھتے ہیں جن میں امام ابو حنیفہ کے مسائل روایتاً مذکور ہیں اور اس لئے وہ فقہ حنفی کے اصلی اصول خیال کئے جاتے ہیں۔

مبسوط اصل میں یہ کتاب قاضی ابو یوسف کی تصنیف ہے انہیں مسائل کو امام محمد نے زیادہ توضیح اور خوبی سے لکھا۔ یہ امام محمد کی پہلی تصنیف ہے۔

جامع صغیر مبسوط کے بعد تصنیف ہوئی اس کتاب میں امام محمد نے قاضی ابو یوسف کی روایت سے امام ابو حنیفہ کے تمام اقوال لکھے ہیں۔ کل ۵۳۲ مسئلے ہیں جن میں سے ایک سو ستر مسئلہ کے متعلق اختلاف رائے بھی لکھا ہے اس کتاب میں تین قسم کے مسائل ہیں۔

(۱) جنکا ذکر بجز اس کتاب کے اور کہیں نہیں پایا جاتا۔

(۲) اور کتابوں میں بھی مذکور ہیں لیکن ان کتابوں میں امام محمد نے تصریح نہیں کی تھی کہ خاص ابو حنیفہ کے مسائل ہیں اس کتاب میں تصریح کر دی ہے۔

(۳) اور کتابوں میں مذکور تھے لیکن اس کتاب میں جن الفاظ سے لکھا ہے ان سے بعض نئے فائدے مستنبط ہوتے ہیں اس کتاب کی تیس چالیس شرحیں لکھی گئیں جن کے نام اور مختصر حالات کشف الظنون وغیرہ میں ملتے ہیں۔

جامع کبیر جامع صغیر کے بعد لکھی گئی ضخیم کتاب ہے۔ اس میں امام ابو حنیفہ کے اقوال کے ساتھ۔ قاضی ابو یوسف اور امام زفر کے اقوال بھی لکھے ہیں۔ ہر مسئلہ کے ساتھ دلیل بھی لکھی ہے متاخرین حنفیہ نے۔ اصول فقہ کے جو مسائل قائم کئے ہیں زیادہ تر اسی کتاب کی طرز استدلال و طریق استنباط سے کئے ہیں بڑے بڑے نامور فقہا نے اس کی شرحیں لکھیں جن میں سے ۴۲ شرحوں کا ذکر کشف الظنون میں ہے۔

زیادات جامع کبیر کی تصنیف کے بعد جو فروع یاد آئے وہ اس میں درج کئے ہیں اور اسی لئے زیادات نام رکھا۔

کتاب الحجج امام محمد امام ابو حنیفہ کی وفات کے بعد مدینہ منورہ گئے اور تین برس وہاں رہ کر امام مالک سے موطا پڑھی اہل مدینہ کا طریقہ فقہ جدا تھا بہت سے مسائل میں وہ لوگ امام ابو حنیفہ سے اختلاف رکھتے تھے امام محمد نے مدینہ سے آکر یہ کتاب لکھی۔

اس میں اول وہ ابوحنیفہ کا قول نقل کرتے ہیں، پھر مدینہ والوں کا اختلاف بیان کرکے۔ حدیث اثر قیاس سے ثابت کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب صحیح ہے اور دوسروں کا غلط۔ امام رازی نے مناقب الشافعی میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے یہ کتاب چھپ گئی ہے اور ہر جگہ ملتی ہے۔ میں نے اسکا ایک قلمی نسخہ بھی دیکھا ہے۔

سیر صغیر و کبیر یہ سب سے آخر تصنیف ہے اول سیر صغیر لکھی اس کا ایک نسخہ امام اوزاعی کی نظر سے گذرا انھوں نے طعن سے کہا کہ وہ اہل عراق کو فن سیر سے کیا نسبت؟ امام محمد نے سُنا تو سیر کبیر لکھنی شروع کی تیار ہوئی تو ساٹھ جزوں میں آئی امام محمد اس ضخیم کتاب کو ایک خچر پر رکھوا کر ہارون الرشید کے پاس لے گئے ہارون الرشید کو پہلے سے خبر ہو چکی تھی اس لئے قدردانی کے لحاظ سے شہزادوں کو بھیجا کہ خود جا کر امام محمد سے اوسکی سند لیں

ان کتابوں کے علاوہ۔ امام محمد کی اور تصانیف بھی فقہ میں موجود ہیں۔ مثلاً کیسانیات جرجانیات رقیات۔ ہارونیات، لیکن یہ کتابیں فقہا کی اصطلاح میں ظاہر الروایۃ میں داخل نہیں بلکہ کتاب الحج جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے وہ بھی اس سلسلہ سے خارج ہے۔

امام زفر

فقہ میں اگرچہ ان کا رتبہ امام محمد سے زیادہ مانا جاتا ہے لیکن چونکہ ان کی کوئی تصنیف موجود نہیں ہے اور ان کے حالات بھی بہت کم معلوم ہیں۔ اس لئے صاحبین سے انکو موخر رکھنا پڑا۔

یہ عربی النسل تھے۔ شروع زمانہ میں ان کی حدیث کا شغل رہا اور اسی وجہ سے جیسا کہ علامہ نووی نے تہذیب اللغات میں تصریح کی ہے صاحب الحدیث کہلاتے تھے پھر فقہ کی طرف توجہ کی اور اخیر عمر تک یہی مشغلہ رہا۔

یحییٰ بن معین جو فن جرح و تعدیل کے امام ہیں ان کا قول ہے کہ زفر صاحب الرائے ثقہ مامون[۱] بعض لوگوں نے ان کی تضعیف بھی کی ہے لیکن وہ مبہم ہے اور قابل اعتماد نہیں۔

اُن کو خاصکر قیاسی احکام میں نہایت کمال تھا۔ امام ابوحنیفہ ان کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ اقیس اصحاب وکیع بن الجراح جن کا ذکر اوپر گذر چکا ان سے استفادہ کرتے تھے قضا کا عہدہ بھی اُن کو ملا تھا سنہ ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۵۸ھ میں وفات کی

۱؎ تہذیب اللغات والاسماء علامہ نووی ۱۲

قاسم بن معن

بہت بڑے نامور شخص تھے صحاح ستہ کے مصنفین نے ان سے روایت کی ہے ان کو حدیث وفقہ میں بھی کمال تھا لیکن عربیت وادب میں اپنا نظر نہیں رکھتے تھے امام محمد ان کی خدمت میں استفادہ کی غرض سے حاضر ہوتے تھے۔ خلیفہ نے انکو کوفہ کا قاضی مقرر کیا۔ مجبورًا قبول کرنا پڑا لیکن تنخواہ کبھی نہیں لی ابو حنیفہ کو ان سے خاص محبت تھی یہ بھی منجملہ ان لوگوں کے ہیں جن کی نسبت امام صاحب فرمایا کرتے تھے کہ "تم لوگ میرے دل کی تسلی اور میرے غم کے مٹانے والے ہو" ان کو بھی امام صاحب کے ساتھ نہایت خلوص تھا ایک شخص نے پوچھا کہ آپ فقہ وعربیت دونوں کے امام ہیں ان دونوں علموں میں سے وسیع کونسا علم ہے؟ فرمایا کہ "واللہ امام ابو حنیفہ کی ایک تحریر کل فن عربیت پر بھاری ہے" ۱۷۵ھ میں وفات کی۔

اسد بن عمرو

یہ پہلے شخص ہیں جنکو امام ابو حنیفہ کی مجلس تصنیف میں تحریر کا کام سپرد ہوا تھا۔ بہت بڑے رتبہ کے شخص تھے امام احمد بن حنبل نے ان سے روایت کی ہے اور یحیٰی بن معین نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ ہلال رازی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ ہارون الرشید مکہ معظمہ گیا۔ طواف سے فارغ ہو کر کعبہ میں داخل ہوا اور ایک جگہ بیٹھ گیا تمام اہل دربار اور اعیان ہاشم کھڑے تھے مگر ایک شخص ہارون الرشید کے برابر بیٹھا۔ مجھکو نہایت تعجب ہوا لوگوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اسد بن عمرو ہیں[۱]

علی بن مسہر

فن حدیث امام اعمش وہشام بن عروہ سے حاصل کیا تھا امام بخاری ومسلم نے انکی روایت سے حدیثیں نقل کی ہیں۔ امام احمد حنبل ان کے فضل وکمال کا اعتراف کرتے تھے امام سفیان ثوری نے امام ابو حنیفہ کی تصنیفات پر جو اطلاع حاصل کی انہیں کے ذریعہ سے کی۔ موصل کے قاضی تھے ۱۸۹ھ میں انتقال کیا[۲]

عافیہ بن یزید

---

[۱] الجواہر المضیہ ۱۲ [۲] یہ حالات مجھکو صرف الجواہر المضیہ سے معلوم ہوئے ۱۲

یہ وہی بزرگ ہیں جن کی نسبت امام ابوحنیفہ مجلس تصنیف میں فرمایا کرتے تھے کہ جب تک عافیہ نہ آجائیں کسی مسئلہ کو قلمبند نہ کرو۔ علامہ ذہبی نے ان کی نسبت لکھا ہے کہ کان من خیار القضاۃ۔

حبان

کثیر الروایۃ تھے۔ ابن ماجہ میں ان کی روایت سے متعدد حدیثیں موجود ہیں۔ امام ابوحنیفہ انکی قوت حفظ کے بہت مداح تھے ۱۷۲ھ میں وفات کی۔

مندل

حبان کے بھائی تھے۔ امام اعمش و ہشام بن عروہ و عبدالملک بن عمیر و عاصم احول و امام ابو حنیفہ سے حدیثیں روایت کیں۔ نہایت متورع اور پرہیزگار تھے ۱۶۸ھ میں انتقال کیا ان کے بھائی حبان نے نہایت پُر اثر مرثیہ لکھا ہے علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اس کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔ دو شعر یہ ہیں۔

فَاِذَا اَذکُرُ فقدان اخی انقلبت فی فراشی ارقا
وَاخٍ ای اخٍ مثل اخی قد جری فی کل خیر سبقا

افسانۂ یاران کہن خواندم و رفتم دریاب کہ لعل و گہر افشاندم و رفتم

۱۵ دسمبر ۱۸۹۳ء
مقام علیگڑھ

شبلی نعمانی

کتب متفرقات موجودہ شاہجہانی پریس دہلی

بزم آخر اُجڑنے والی دہلی شہر کی آخری بہار جس نے دیکھی اُسکے کلیجہ پر بس سانپ لوٹتا ہے۔ مسلمانوں اور مغل سپائر کا چراغ جس آنکھ نے آخری وقت جھلملاتا دیکھا ہو اور پھر اسکا گل ہونا بھی نظر سے گذرا ہو وہی اُسکی رنج والم سے بے اختیاری کے دو آنسو اس پر بہا سکتا ہے (منشی فیض الدین صاحب) اُن لوگوں میں سے تھے جنہوں نے دہلی کے لال قلعہ کی آخری گھڑیاں دیکھیں اور غدر ۵۷ء کی بربادی بھی آنکھوں کے سامنے سے گذری بس اُنکا کچھ لکھنا اور موثر زبان میں لکھنا ظاہر ہے کہ کس قیامت کا ہوگا بزم آخر انہی کی تصنیف ہے جسمیں مغلوں کے آخری دو بادشاہوں یعنی اکبر ثانی اور بہادر شاہ کے ایام کی ہو بہو تصویر دکھائی گئی ہے۔ قیمت ایک روپیہ عہ علاوہ محصولڈاک

صدپارۂ دل یعنی تذکرہ مشاہیر عالم مولفہ مولوی عبد الحلیم صاحب شرر لکھنوی۔ حصہ اول میں ناصر الدین اللہ ابن بطوطہ۔ زبیر ابن عوام۔ عبداللہ ابن زبیر۔ بقراط۔ مانی جالینوس۔ سائدین والبصی۔ اعز الدین حسین ساطانی۔ سیبوی۔ حاتم طائی۔ محمد بن تومرت المہدی المغربی۔ جبلہ بن ایہم۔ ابوعثمان۔ سعید بن مسیح۔ دمشق کی جامع بنی اُمیہ سب کے جداجدا تاریخی حالات درج ہیں۔ حصہ دوم میں ابوالاسود دولی۔ احمد بن طولون۔ عمرو بن معدی کرب زبیدی۔ نابغہ ذبیانی۔ ابوالضحاک بہسوس۔ ابن قرقر خلیفہ الحکم المستنصر۔ محمد ابوعبداللہ الزغیر۔ منذر بن مغیرہ حجاج۔ دمشقی ہوس

مسجد اقصیٰ۔ سکندر اعظم کی سوانحعمریاں درج ہیں ہر دو حصہ قیمتی ۱۲؍ علاوہ محصول ڈاک

کمال راسخ مولانا مولوی عبدالرحمن صاحب راسخ دہلوی مرحوم کا دوسرا دیوان ہے جسمیں مولانا مرحوم کے آخر حصہ عمر کا تمام سرمایہ موجود ہے۔ آخر میں مولانا مرحوم کی مختصر سوانح عمری اور پیشانی پر مولانا کا عکسی فوٹو بھی بطور یادگار شامل ہے قیمت علاوہ محصولڈاک عہ

حیات گاندھی جسمیں مہاتما گاندھی کی پیدائش سے اسوقت تک کے تفصیلی حالات درج ہیں جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں کی حمایت ہندوستان میں رولٹ ایکٹ کے خلاف ستیہ گرہ کا اعلان مسئلہ خلافت و مظالم پنجاب کیلئے سرفروشانہ جدوجہد وغیرہ وغیرہ ابتدا میں مہاتما جی کا فوٹو بھی موجود ہے۔ قیمت علاوہ محصولڈاک ۸؍

حالات علی برادران مجاہدین راہ حق یعنی حضرت مولانا شوکت علی و مولانا محمد علی کی اسوقت تک کی مکمل سوانح عمری قیمت علاوہ محصولڈاک ۸؍

مہاتما گاندھی اور علی برادران کی شخصیت محتاج توصیف نہیں ہے ان فدائیان ملک نے جو جو تکلیفیں ملک و ملت کے کان پر برداشت کی ہیں انکے تفصیلی حالات آپکو مذکورہ بالا ہر دو کتابوں میں ملیں گے۔" عمر ہیست کہ آوازۂ منصور کہن شد

دمن از سر نو جلوہ دہد دار و رسن را

ملنے کا پتہ منشی قربان علی۔ شاہجہانی پریس کٹرہ گوکل شاہ دہلی